أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا

صحیح البخاری
حدیث ۲۹۲۴

"میری اُمت کا پہلا لشکر جو سمندر پر جہاد کرے گا بے شک اس پر جنت واجب ہوگئی"

حضرت امیر مُعاوِیہ رضی اللہ عنہ

ایک مُجاہد صحابی

تالیف:

مُنیر احمد الغضبان

مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا (صحیح البخاری، کتاب الجہاد حدیث ۲۹۲۴)

"میری اُمت کا پہلا لشکر جو سمندر پر جہاد کرے گا بے شک اس پر جنت واجب ہوگئی"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

ایک مجاہد صحابی

تالیف

منیر احمد الغضبان

مکتبہ اسلامیہ

نام کتاب ---------- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مجاہد صحابی

مصنف ---------- منیر احمد الغضبان

مترجمین ---------- اساتذہ جامعہ سلفیہ

ناشر ---------- محمد سرور عاصم

اشاعت ---------- ستمبر 2004ء

کمپوزنگ ---------- مکتبہ اسلامیہ

قیمت ----------

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7244973

بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ فیصل آباد فون: 631204

فہرست

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ مَنْ وَّالَاهُ وَ بَعْد:

میں نہیں سمجھتا کہ تاریخ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر تربیت نشو ونما پانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی طرح کسی اور کی شخصیت کو بگاڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہو ان کے کارناموں کو چھپانے کی کوشش کی گئی ہو اور ان پر افتراء پردازیاں کی گئی ہوں۔

بہت سی باتیں لوگوں کے ذہن میں اس طرح راسخ ہوگئی ہیں کہ ان میں نہ تو انہیں کوئی شک ہے اور نہ ہی ان کے علاوہ کوئی دوسری بات قبول کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ باتیں ہرگز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شایانِ شان، معیار سے مناسبت نہیں رکھتیں۔ لوگوں کے ذہن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو تصویر ہے وہ یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ایک طالبِ اقتدار، ماہر سیاستدان اور موقع پرست شخص تھا۔ حکومت کے حصول میں جس نے کسی چیز کی پروا نہیں کی اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے لیے اپنی طاقت کے بل بوتے پر دسیوں ہزار افراد کو تہ تیغ کر دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش کردہ یہ صورت ایک مسلمان کے شعور اور اس کی فطرت سلیمہ کے منافی تھی، لیکن چونکہ اس کے سامنے اس کا کوئی بدل بھی نہیں کیونکہ تاریخ کی کتابوں میں بھی یہی چیزیں مذکور ہیں۔

اس کے بعد جب نئے تاریخ نویس پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں لکھنے کے لیے قلم اٹھایا تو انہوں نے معاملہ کو اور خراب کر دیا اور لوگوں کے ذہن

میں انہیں خیالات کو بٹھا کر ان کو مزید مطمئن بنا دیا۔ لہٰذا اب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے متعلق لکھنا ضروری ہو گیا۔

چنانچہ اس کام کے لیے میں تیار ہو گیا ہوں، حالانکہ اس راستے کی دشواریاں اور کھٹنائیاں مجھے بخوبی معلوم ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ روایات کے سمندر میں مجھے غوطہ لگانا ہو گا اور سمندر سے موتی وہی شخص نکال سکتا ہے جسے اللہ اپنی توفیق واعانت سے نوازے۔

اور میں شروع ہی میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں تاریخی روایات کی روشنی میں مکمل صحیح صورت تک نہیں پہنچ سکا۔ لیکن میں اس راہ کے پیش رو لوگوں میں سے ہوں۔ امید ہے کہ میرے بعد کوئی محقق آئے جو اس تصویر کو کامل اور صحیح طرز پر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

رہا یہ سوال کہ میں اپنی چاہت اور خواہش کے مطابق صحیح تصویر کشی کیوں نہیں کر سکا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سی جگہ مجھے صرف ضعیف یا منکر روایت ہی مل سکی اور کسی ضعیف یا موضوع روایت کے ذریعے کسی چیز کے اثبات سے اس کا چھوڑ دینا ہی مجھے بہتر معلوم ہوا۔

اس کے بعد میں قارئین کتاب پر اپنا وہ طریقۂ بحث واضح کر دینا چاہتا ہوں جس کو میں نے شروع سے آخر تک اختیار کیا ہے اور بعض ان مراجع واطراف کا تذکرہ بھی کر دینا چاہتا ہوں جن سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ تاکہ ہم ساتھ ساتھ چل سکیں گے اور ہمیں اس کتاب کے خاکے اور ماخذ کا پورا علم ہو گا۔

① تاریخی واقعات سے پہلے میں نے ان احادیث نبویہ کو دلیل بنایا ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح مروی ہیں اور جن کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کی اللہ کے بتانے پر خبر دی ہے یہی وہ دلیل ہے جس کو میں نے ہر چیز سے پہلے ذکر کیا ہے کیونکہ اس دنیا میں کتاب اللہ کے بعد حدیث صحیح ہی مصدر حق ہے۔

اور جس وقت تاریخی روایات کی چھان بین نہیں ہوئی تھی۔ علمائے حدیث کی فضیلت ان کی محنت اور ان کے لیے اللہ کی توفیق سے اسی وقت حدیث رسول کو کتاب اللہ

کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ لہٰذا کسی واقعہ کے سلسلے میں اگر تمام تاریخی روایات کسی ایک صحیح حدیث کے خلاف مجھے ملیں تو میں نے ان تمام روایات سے اعراض کر کے صرف حدیث صحیح کو اختیار کیا ہے۔

② دوسری چیز جو میں نے اس کتاب کے لکھنے میں اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے تاریخی روایات کی چھان بین کی ہے اور ان کی اسانید میں جو رجال مذکور ہیں ان کے حالات تراجم، جرح و تعدیل کی کتابوں سے معلوم کئے ہیں۔

لیکن تاریخی روایت اور حدیث رسولؐ میں بہت بڑا فرق ہے چنانچہ محدثین کرام نے جن سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے میں تشدد سے کام لیا ہے مؤرخین نے ان سے روایت کرنے میں تساہل برتا ہے۔ مثلاً علامہ ابن جریر طبری نے **سری عن شعیب عن سیف** کی سند سے بہت زیادہ روایت کی ہے لیکن کتب تراجم میں ان کی پوزیشن یہ ہے:

”امام احمد نے سری کے متعلق فرمایا ہے کہ ”ترکوا احدیثه“ یہ متروک الحدیث ہیں۔ اور شعیب کے متعلق لوگوں کے اقوال یہ ہیں...... جیسا کہ امام ذھبی نے بیان کیا ہے۔ کہ یہ ایک ایسے راوی ہیں جن سے سیف نے حدیثیں لی ہیں لیکن ان کے اندر جہالت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح سیف کو یحییٰ بن معین نے ”ضعیف“ اور ابو حاتم نے ”متروک“ کہا ہے۔“

لیکن علمائے رجال نے تاریخ اور فتوحات کے سلسلے میں سیف کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کی روایتوں کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اور ان کے متعلق کہا ہے کہ یہ مورّخ اور عارف تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ تاریخ میں ثقہ تھے البتہ حدیث کے معاملے میں ضعیف تھے۔

لہٰذا ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ تاریخی واقعات کے سلسلے میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معیار کی روایتیں لیں۔ بلکہ اس سلسلے میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ یہ روایتیں کذاب اور مجہول قسم کے راویوں سے نہ مروی ہوں۔

③ ہم نے جن روایتوں کو چھوڑ دیا ہے وہ ایسی روایتیں ہیں جن کی اسانید میں ایسے

اسما مذکور ہیں جن کا علمائے رجال نے تذکرہ نہیں کیا ہے اور خاص کر اس صورت میں جبکہ یہ روایتیں صحابۂ کرام کے اعلیٰ معیار کے مخالف ہوں تو ایسی روایتوں کے راوی مجہول ہوتے ہیں اور تاریخ میں نہ جانے کتنی غلط سلط باتیں داخل کر دیتے ہیں۔

④ ہم نے بغیر سند کے کوئی بھی روایت قبول نہیں کی ہے یعنی وہ روایت جو ''زَعَمَ'' ''قِیلَ'' اور ''رُوِیَ'' کے صیغہ سے مروی ہو۔

⑤ تاریخ طبری موضوع تاریخ پر بہت بہترین کتاب ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی بے نظیر تاریخ ہے جس میں سند بھی مذکور ہے اور اس کی روایتوں کی چھان بین بھی کی جا سکتی ہے۔ اس تاریخ کو گہری نظر سے دیکھنے والا یہ دیکھ سکتا ہے کہ اس کتاب کے ایک راوی نے جس کا نام لوط بن یحییٰ اور کنیت ابومخنف ہے اس زمانہ کی تاریخ کا ایک بہت بڑا حصہ روایت کیا ہے۔ بلکہ تاریخ کا کوئی بھی واقعہ خصوصاً جنگ جمل کے بعد کا ایسا نہیں ہے جس کے سلسلے میں اس کی کوئی روایت نہ ہو۔

اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی تاریخ کے اس دور میں پیش آمدہ واقعات کی اگر کل نہیں تو اکثر و بیشتر تحریف کا ذمہ دار یہی ابومخنف شیعی ہے جسے نہ تو اخباری مانا گیا ہے اور نہ ہی محدث تسلیم کیا گیا ہے۔ تاریخ طبری سے اگر ابومخنف کی روایتیں حذف کر دی جائیں تو اسلامی تاریخ کے چہرے سے بہت سے بدنما داغ دور ہو جائیں گے۔

⑥ ہمارے سامنے ایک اور کتاب ''تاریخ خلیفہ بن خیاط'' بھی ہے جو حال ہی میں ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ خلیفہ بن خیاط امام بخاری کے اساتذہ اور رجال حدیث کے گروہ میں سے ہیں اور ان کا طریقۂ تالیف بھی محدثین جیسا ہے۔ اس طریقۂ تالیف کے متعلق ڈاکٹر عمری کہتے ہیں:

''خلیفہ ایک ایسے محدث تھے جنہوں نے حدیث اکٹھا کرنے اور مسند کے

لکھنے کا اہتمام کیا تو ان کا تاریخی روایات میں بھی اسناد کا اہتمام کرنا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے اور خلیفہ تاریخی روایات کے سلسلے میں اسناد کا اہتمام کرنے والے سب سے پہلے شخص نہیں ہیں بلکہ اخبار کا اہتمام کرنے والے محدثین ان کو اسانید کے ساتھ ہی نقل کیا کرتے تھے اور اہتمام اسانید کا یہ سلسلہ اس زمانہ کے اہل ادب تک بھی چلا آیا۔ حدیث کے لیے اسانید کی تحقیق وتدقیق اب بھی لازم وضروری ہے، لیکن اخباریوں نے خبروں کے لیے اسانید کے نقل کرنے میں تساہل برتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ بن خیاط حدیث کی اسانید بالالتزام بڑی تحقیق وتدقیق سے نقل کرتے ہیں لیکن اخبار وانساب کے اسانید کے ذکر کرنے میں متساہل نظر آتے ہیں۔ کیونکہ حدیث رسول کی اہمیت زیادہ ہے اور احکام کا تعلق بھی احادیث ہی سے ہے اس لیے حدیث قبول کرنے سے پیشتر اس کی نقد و جرح کر لینی ضروری ہے اور اسناد ہی وہ بنیادی آلہ ہے جس کے ذریعہ نقد و جرح کا کام انجام پا سکتا ہے۔''

رہا اخبار کا معاملہ تو چونکہ ان پر ایسے احکام مرتب نہیں ہوتے جن کا تعلق لوگوں کے مفاد اور ان کے دنیاوی امور سے ہو اس لیے محدثین کرام نے ان کی اسانید کے نقل کرنے میں تساہل سے کام لیا۔ چنانچہ انہوں نے ایسی خبریں بھی روایت کر دیں جن کی اسناد میں انقطاع یا ارسال ہے جیسا کہ انہوں نے بعض ایسے مجروح راویوں سے روایت کی جن سے مروی حدیثیں غیر مقبول ہوتی ہیں۔ اس لیے خلیفہ بن خیاط کا ابن کلبی اور واقدی وغیرہ سے جو کہ محدثین کے نزدیک متہم ہیں۔ خبروں کا نقل کرنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

اسی طرح ابن خیاط نے ان واقعات کے ذکر کے وقت بھی نقل اسناد کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے جن واقعات سے متعلق خبریں پروپیگنڈے کے اثر انداز ہونے کے خوف سے تحقیق وتدقیق کی محتاج ہوتی ہیں۔ جیسے حضرت عثمان کے زمانہ کا فتنہ، جنگ جمل، جنگ

صفین ، اپنے بیٹے یزید کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اہل حجاز سے بیعت لینا، واقعۂ حرہ، ابن اشعث کی بغاوت اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ابن خیاط نے اس قسم کی خبروں کے سلسلے میں اول نمبر کے محدثین پر اعتماد کیا ہے۔ [1]

اور میں یہ کہتا ہوں کہ اسلامی تاریخ کے بعض اہم زمانہ سے متعلق معلومات کے سلسلے میں یقیناً اس مورّخ شہیر اور محدث کبیر کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے۔ ان سے میں نے کافی استفادہ کیا ہے اور میرے لیے آسمان سے نازل ہونے والے اس پانی کی حیثیت رکھتے تھے جو کسی خشک زمین پر نازل ہو اور اس کی وجہ سے وہ سرسبز ہو جائے اور اس کے اوپر خوبصورت پودے اگ آئیں۔ قلبی اطمینان کے لیے تاریخ کے اوراق پلٹتے ہوئے مجھے موصوف کی تحریروں سے بے حد اطمینان حاصل ہوا۔

7 یقیناً کتاب "العواصم من القواصم" اور اس پر استاذ محب الدین خطیب اور پھر ان کے بعد استاذ محمود مہدی استنبولی کی تحقیق و تعلیق کا دائرہ بحث کو وسیع بنانے میں بہت بڑا دخل ہے اور پھر اس پر نئے ماخذ کے ساتھ میرے اضافہ کی وجہ سے واقعات کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

8 اس کتاب کی تدقیق و تصویب میں شاید سب سے بڑا حصہ ہمارے استاذ علامہ محمد سعید طنطاوی کا ہے۔ جنہوں نے علم اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس پر بہت تنبیہات کا اظہار کیا جن کی رعایت میرے لیے ضروری تھی، اس کے باوجود مجھے پورا یقین ہے کہ یہ کتاب ان کے معیار کے مطابق نہیں ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ایسی چیزوں کے متلاشی رہتے ہیں جو بالکل مکمل ہوں اور ہم اس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

مسلم نو جوانوں کے نام سے اس کتاب کے صفحات کے ذریعے موصوف سے میری درخواست ہے کہ وہ اسلامی تاریخ کی شخصیات کے مفصل اور وقت پسندانہ سوانح لکھیں۔ یہ

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۱۴، مطبوعہ دار القلم، دمشق۔

ان کے ذمہ ایک امانت ہے۔ ممکن ہے اس مطالبہ پر وہ ناراض ہوں۔

لیکن لوگوں کے جذبات کی رعایت کے مقابلے میں ہمیں حق بات کا زیادہ پاس ہے۔

اگر انہوں نے اس قسم کے موضوعات پر لکھا ہوتا تو فرزندان اسلام کو بہت سی ایسی کتابوں کے لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی جو کہ مکمل تحقیق اور چھان بین کے بغیر ہی لکھی گئیں۔

9 میں محترم بھائی حبیب محمد حسن کی مساعیٔ جمیلہ اور اس کتاب پر ان کی گرانقدر آراء کو فراموش نہیں کرسکتا۔ جنہوں نے میری اس کتاب سے ہر نقص کو دور کرنے کی کوشش کی اور وہی میرے طریقۂ بحث کو سب سے زیادہ جاننے والے بھی ہیں لیکن یہ بات مجھے اس سلسلے میں ان کی ایک رائے لکھنے سے مانع نہیں ہوسکتی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں قدرے مبالغہ سے کام لیا ہے جس سے قارئین کتاب کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر لوگوں نے ابتدا ہی میں بیعت کر لی ہوتی تو اسلامی تاریخ میں بڑی بڑی لڑائیاں پیش نہ آئی ہوتیں اور تمام بحران ختم ہوجاتے۔

یہ ہے ان کی رائے، اگر میں نے ان کی اس رائے پر اعتماد کیا ہوتا تو اس کتاب کو لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ادنیٰ تعرض کے بغیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ میں واقع شدہ ظلم اور غلط بیانیاں دور کردوں۔

رہی یہ بات کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خیالات سے تعرض کیوں نہیں کروں گا تو چونکہ یہ کتاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر ہے اس لیے ضروری ہے کہ پوری امانت کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحیح تصویر پیش کر دی جائے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذکر کے وقت میرے لیے کافی ہے کہ ایک ایسی صحیح حدیث پیش کردوں جو ان کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پیدا شدہ تمام مسائل میں فیصلہ کن ثابت ہو۔

میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے معذرت خواہ ہوں، کیونکہ مجھے یہ یقین ہے کہ وہ حق کے طالب تھے تو جب وہ حق کے طالب تھے تو اس کے بعد ان کے لیے یہ بات ضرر رساں (نقصان دہ) نہیں ہو سکتی کہ وہ حق تک پہنچے یا نہ پہنچے۔

رہا یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ وہ باطل پر ہیں اور اسی پر قتال کر رہے ہیں تو یہ ناقابل قبول ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ دونوں حق کے طالب ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کا ساتھ دینے والے مسلمانوں نے حق کو پالیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا ساتھ دینے والے مسلمان اسے نہ پاسکے۔ جیسا کہ مسلم کی صحیح حدیث میں ہے:

﴿لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيْمَتَانِ وَتَكُوْنُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيْمَةٌ وَدَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ﴾

''قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ دو بڑے بڑے گروہ آپس میں قتال کریں گے اور ان کے مابین بہت بڑی لڑائی ہوگی حالانکہ دونوں کی دعوت ایک ہوگی۔''

امام احمدؒ کی روایت میں اس حدیث کا بہترین تکملہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

﴿لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيْمَتَانِ دَعْوَتُهُمَا وَاحِدَةٌ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ مرق مِنْهُمْ مَارِقَةٌ، تَقْتُلُهُمْ اَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ.﴾

''قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ دو بڑے گروہ آپس میں قتال کریں گے جن کی دعوت ایک ہوگی وہ اسی طرح آپس میں برسرپیکار رہیں گے کہ ان میں سے ایک جماعت نکلے گی اس کو ان دونوں بڑے گروہوں میں سے حق سے قریب تر گروہ قتل کرے گا۔''

اور وہ جماعت جو نکلی وہ خوارج کی جماعت تھی اور ان کا خاتمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا:

''امام احمد نے کہا کہ ہم سے ابواحمد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے سفیان نے حبیب بن ثابت سے، انہوں نے ضحاک مشرقی سے، انہوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ آپ نے ایک قوم کا ذکر فرمایا جو ایسے وقت میں نکلے گی جبکہ لوگ آپس میں اختلاف کئے ہوں گے۔ ان کو وہ جماعت قتل کرے گی جو حق سے قریب تر ہوگی۔ صحیحین نے اس کی تخریج کی ہے۔'' [1]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلے میں وارد شدہ حدیث صحیح ((یَا عَمَّارُ تَقْتُلُکَ الْفِئَۃُ الْبَاغِیَۃُ)) (اے عمار تم کو باغی جماعت قتل کرے گی) اس بات کی تائید کرتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت ہی باغی جماعت تھی، لیکن اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا ساتھ دینے والے مسلمان اس بات کو جانتے ہوئے بھی بغاوت پر مصر رہے۔

اب اس کے بعد میں لوگوں کے سامنے اس مسئلہ میں اہل سنت کا قول پیش کر رہا ہوں۔

''سنت محمدیہ کے متبعین کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے ساتھ جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے وہ سب کے سب اہل حق اور مخلص تھے۔ رہا ان کا یہ اختلاف تو یہ ان کے اپنے اپنے اجتہاد کی وجہ سے رونما ہوا جیسا کہ مجتہدین آپس میں بہت سے مسائل میں اختلاف کر بیٹھتے ہیں اور وہ اپنے اس اجتہاد میں مخلص ہونے کی وجہ سے خطا اور صواب دونوں صورتوں میں ثواب کے مستحق ہیں البتہ صحیح اجتہاد کرنے والے کا ثواب، غلط اجتہاد کرنے والے کے ثواب سے دوگنا ہوگا۔ رسول

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ج ص ۲۹۹۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی فرد بشر معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ لوگ اجتہاد کرتے ہیں تو بعض امور میں ان کا اجتہاد خطا کر جاتا ہے اور بعض میں صحیح ہوتا ہے۔''

اور جو شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر آتش فتنہ کو بھڑکانے میں حق سے نکل گیا تو اس کا شمار حق پر قائم رہنے والی دونوں جماعتوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہوگا چاہے اس نے کسی جماعت میں شامل ہو کر اس کے ساتھ قتال ہی کیوں نہ کیا ہو، کیونکہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت میں جس نے بھی اپنے آپ کو ملوث کیا وہ۔ کسے باشد۔ بہرحال اس بات کا مستحق ہوا کہ اس پر شرعی حد جاری کی جائے۔ چاہے خلیفۂ وقت اس پر حد جاری کر سکے ہوں یا نہ کر سکے ہوں اور حاکم وقت کے حد جاری نہ کر سکنے کی صورت میں ان لوگوں کا نیک مسلمانوں کے مابین جنگ کو جاری رکھنا جبکہ ان مسلمانوں کو اصلاح و اخوت کے عزم کا احساس ہو، جرم پر اصرار کے مترادف ہے۔ جیسا کہ واقعۂ جمل اور اس کے بعد پیش آیا۔

لہٰذا جب ہم کہیں کہ دونوں گروہ اہل حق میں سے تھے تو اس سے ہماری مراد دونوں گروہوں میں شامل رہنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ان کا ساتھ دینے والے تابعین عظام ہوں گے۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنہیں جنت کی بشارت حاصل تھی وہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بلند مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور یہ دونوں اہل خیر میں سے تھے۔

اور جب ان میں شر پسندوں کی جماعتیں داخل ہوگئیں تو جو ذرہ برابر بھلائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔ [1]

ان دونوں گروہوں کے متعلق اسی عقیدہ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی گئی۔ میں اگر اس میں کامیاب ہوگیا تو اللہ کا بہت زیادہ شکر و احسان ہے اور اگر ناکام رہا تو اس راہ میں قدم رکھنا میرے لیے کافی ہے۔

[1] العواصم من القواصم مع حاشیہ استاذ محب الدین خطیب، ص ۱۶۹۔

۱۰ میں استاد و مورخ نایف عباس کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔ جن سے میں نے بہت کچھ استفادہ کیا اور انہوں نے خود اپنے قلم سے اس کتاب میں متعدد واقعات و روایات اور اسما کی تصحیح اور بہت سی آراء و احکام اور تعبیرات کی اصلاح فرمائی اور ان کو اللہ میری اور جملہ مسلمانوں کی طرف سے اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

اسی طرح میں محترم جناب محمد علی صاحب کا شکر گزار ہوں جو دارالقلم کے مالک ہیں۔ اس کتاب کو منصۂ شہود پر لانے میں ان کا بڑا حصہ ہے انہوں نے اس کتاب کے مخطوطہ کو حرف بحرف پڑھ کر اس کی تصویب اور تصحیح فرمائی۔

اب آخر میں قارئین کتاب سے معذرت خواہ ہوں کہ باوجودیکہ یہ کتاب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت سے تعلق رکھتی ہے لیکن اس فتنۂ کبریٰ کا ذکر میں تفصیل سے کروں گا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ظاہر ہوا اور ان کی شہادت کا سبب بنا۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی جنگ سے متعلق سارے واقعات و حوادث کی تفسیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عالم اسلامی کی صورت حال کا مکمل جائزہ لینے کے بعد ہی ممکن ہے اور اس لیے بھی کہ حادثۂ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ ہی پر بعد میں پیش آمدہ واقعات کا دارومدار ہے۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں لغزشوں سے محفوظ رکھے، ہمارے اجتہاد میں ہم سے صادر ہونے والی خطائیں معاف فرمائے، ہمارے جو اجتہادات صحیح ہیں ان کا ثواب دے اور ہمارے اس عمل کو روز قیامت ہمارے حسنات کے پلے میں رکھے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

ٹولیوں کی طرح ہیں یا ان لوگوں کی طرح ہیں جنہوں نے جنگ احد میں ہمارا مقابلہ کیا۔ فرق یہ ہے کہ بظاہر یہ لوگ مسلمان بنے ہوئے ہیں۔ تو جس شخص کے پاس استطاعت ہو وہ ہماری معاونت کے لیے آ جائے۔"

اس خط نے بلاد اسلامیہ میں بارود میں شعلہ کا کام کیا اور تمام ممالک محروسہ مقبوضہ مدینہ کو بچانے کے لیے حرکت میں آ گئے۔

بلاد اسلامیہ میں جوں ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا وہ لوگ سرد و گرم کی پروا کیے بغیر نکل پڑے امیر معاویہ نے حبیب بن مسلم فہری کو، عبداللہ بن سعد نے معاویہ بن خدیج سکونی کو مدینہ روانہ کیا اور قعقاع بن عمرو کوفہ سے نکل کھڑے ہوئے۔

کوفہ میں عقبہ بن عمر، عبداللہ بن ابی اوفی، حنظلہ بن ربیع تمیمی جیسے صحابہ کرام اہل مدینہ کی اعانت پر لوگوں کو ابھار رہے تھے۔ کوفہ کے تابعین میں حضرت عبداللہ کے شاگرد مسروق بن اجدع، اسود بن یزید، شریح بن حارث اور عبداللہ بن حکیم جیسے لوگ مدینہ والوں کی اعانت پر لوگوں کو آمادہ کر رہے تھے یہ لوگ مجلسوں میں گھوم گھوم کر یہ کہتے: "اے لوگو! بات آج کی ہے کل کا سوال نہیں۔ نظر آج بھلی لگ رہی ہے کل بری معلوم ہوگی، جنگ آج حلال ہے کل حرام ہوگی۔ اپنے خلیفہ اور اپنی حکومت کی عصمت بچانے کے لیے نکل پڑو" بصرہ میں عمران بن حصین، انس بن مالک، ہشام بن عامر اور ان جیسے کبار صحابہ لوگوں کو اہل مدینہ کی اعانت پر آمادہ کرنے پر کمربستہ ہو گئے تھے۔ بصرہ کے تابعین میں کعب بن سور، ہرم بن حیان عبدی اور ان جیسے بہت سے تابعی بھی وہی کہتے تھے جو کوفہ کے مذکورہ صحابہ اور تابعین کہتے تھے۔ شام میں عبادہ بن صامت، ابوالدرداء، ابوامامہ اور ان جیسے کبار صحابہ نیز شامی تابعین میں شریک بن خباشہ النمیری، ابومسلم خولانی اور عبدالرحمن بن غنم اور ان جیسے لوگ یہی فرض انجام دینے لگے۔ مصر میں خارجہ اور ان کے مثل لوگ بھی کوفہ اور بصرہ کے صحابہ اور تابعین کی طرح لوگوں کو اہل مدینہ کی معاونت پر آمادہ کرنے لگے۔ [1]

[1] اس فصل میں سے جو واقعات تحریر کیے گئے ہیں وہ سری کی صرف ایک طویل روایت سے ماخوذ ہیں جو انہوں نے بسند شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ وابی حارثہ وابی سفیان روایت کیا ہے۔ طبری: ج ۳ ص ۳۸۵، ۳۸۸۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجاہد بادشاہ اور مجاہد زاہد

یہ اسلام ہی ہے جس نے اپنی پنہائی میں نوع انسانی کے تمام نمونوں کو سمیٹ لیا ہے تا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو پورے طور پر بروئے کار لاسکیں۔ ان ہی نمونوں میں سے مجاہد زاہد اور مجاہد بادشاہ ہیں۔ مجاہد زاہد ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکومت کا منصب طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ امانت ہے اور یہ قیامت کے دن باعث رسوائی وندامت ہے سوائے اس شخص کے جو اس کا حق ادا کردے۔''

اس طرح رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلاحیت کو دعوت اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے فارغ کر دیا اور ان کا رخ دنیا سے بے رغبتی اور اس کے تھوڑے حصہ پر قناعت کی جانب موڑ دیا پھر ابوذر رضی اللہ عنہ اسی راہ پر چل دیئے، لوگوں کو بلند آفاق کی طرف اٹھاتے ہوئے، آخرت یاد دلاتے ہوئے اور جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے اپنے رب کے حضور جا پہنچے۔

اور مجاہد بادشاہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اگر تمہیں (حکومت کے) کسی کام کا والی (حاکم) بنا دیا جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل سے کام لینا۔''

چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں اسی وقت سے یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ وہ اس امت کے والی (حاکم) ہوں گے (وہ کہتے ہیں) ''میں برابر یہ سمجھتا رہا کہ میں حکمرانی کی آزمائش سے دوچار ہوں گا۔''

حکمرانی، ادارتی تنظیم اور سیاست کے سلسلے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیتیں

زبردست تھیں اور ضروری تھا کہ ان سے کام لیا جائے، اور وہ مسلمانوں کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ بنیں۔

''ابوذر رضی اللہ عنہ، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زہد پر تھے۔

اور معاویہ رضی اللہ عنہ، سلیمان علیہ السلام کے طریقے پر تھے۔

میں مجاہد بادشاہ اور مجاہد زاہد کا تذکرہ کرتا ہوں تو مجھے ہمیشہ انبیا کے دو نمونے یاد آتے ہیں، جن کا ذکر قریب قریب کیا گیا ہے، ایک وہ جسے مصیبت کے ذریعہ آزمایا گیا اور اس نے صبر کیا، اور ایک وہ جسے خوشحالی نصیب ہوئی اور اس نے شکر ادا کیا۔

﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ○ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ○ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ○ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ○ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ○﴾ [۳۸/ص: ۳۴ تا ۴۰]

''ہم نے سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کی، اور اس کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا پھر اس نے رجوع کیا۔ کہا: اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ یقیناً تو ہی دینے والا ہے۔ تو ہم نے اس کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے جدھر وہ چاہتا تھا نرمی سے چلتی تھی اور شیاطین کو مسخر کر دیا۔ ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور اور دوسرے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ (ہم نے) کہا یہ ہماری عطاء ہے دو یا نہ دو کوئی حساب نہیں اور یقیناً اس کے لیے بھی ہمارے یہاں تقرب کا مقام اور بہترین انجام ہے۔''

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ

وَّ عَذَابٍ ۝ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌ ۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝﴾ [۳۸/ص:۴۱تا۴۴]

''اور ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کا ذکر کرو، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال رکھا ہے (ہم نے کہا) اپنا پاؤں زمین پر مارو یہ نہانے اور پینے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے اور ہم نے اسے اس کے اہل وعیال عطا کیے اور ان کے ساتھ ان کے مثل اور اپنی طرف سے رحمت کے طور پر اور عقل رکھنے والوں کے لیے نصیحت کے طور پر (اور ہم نے کہا) اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لے لو اور اس سے مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ ہم نے اسے صابر پایا۔ کتنا اچھا بندہ، اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا۔''

سلیمان علیہ السلام نے کہا اے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کر جو میرے بعد کسی کے لیے لائق نہ ہو۔

اور ان کا رب گواہ ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو اٹھانے والے بہترین آدمی تھے۔

﴿وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ.﴾ [۳۸/ص:۴۰]

''یقیناً اس کے لیے ہمارے ہاں تقرب کا مقام اور بہترین انجام ہے۔''

ایوب علیہ السلام مصیبت سے دوچار ہوئے اور ایسی آزمائش میں پڑے جس کی کوئی انتہا نہیں لیکن ان کے رب کی شہادت ہے کہ وہ آزمائش میں کامیاب اترے۔

﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝﴾ [۳۸/ص:۴۴]

''ہم نے انہیں صابر پایا، کتنے اچھے بندے تھے اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے۔''

اور مجاہد بادشاہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم اس بادشاہت سے راضی ہیں۔'' یہ بھی فرمایا: ''بادشاہت اللہ کی ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔''

نیز فرمایا: جہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو نہ انہوں نے دنیا چاہی، نہ دنیا نے انہیں چاہا۔ باقی رہے عمر رضی اللہ عنہ تو دنیا نے انہیں چاہا، لیکن انہوں نے دنیا نہیں چاہی۔ مگر عثمان رضی اللہ عنہ تو کچھ انہوں نے دنیا پائی اور کچھ دنیا نے انہیں پایا۔ رہ گیا ہمارا معاملہ تو ہم دنیا میں پوری طرح لت پت ہو گئے۔

ایک صحابی سے کہا:

آخر تم کیوں مغفرت کی امید رکھنے کا حقدار مجھ سے زیادہ اپنے آپ کو سمجھنے لگے ہو؟ خدا کی قسم! میرے ذمہ اصلاح رعیت، اقامت حدود، اصلاح بین الناس، جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے ایسے بڑے بڑے کام ہیں۔ جنہیں اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا، تم بھی شمار نہیں کر سکتے، یہ سارے کام ان عیوب و گناہوں سے کہیں زیادہ ہیں جنہیں تم ذکر کیا کرتے ہو۔ پھر میں ایک ایسے دین کا پیرو ہوں جس میں خدا نیکیاں قبول کرتا ہے اور برائیاں معاف کر دیتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے اللہ اور غیر اللہ کے درمیان اختیار دیا جائے، تو میں اللہ کو ماسواء پر ترجیح دوں گا۔

یہ تھی مجاہد بادشاہ کی نفسیات، اللہ ان سے راضی ہو۔

رہے مجاہد زاہد تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے فرمایا تھا:

''آپ لوگ دیکھتے نہیں کہ یہ کلوئی......یعنی ان کی بیوی...... مجھے کیا حکم دیتی ہے۔ مجھ سے کہتی ہے کہ میں عراق جاؤں، اور جب میں عراق جاؤں گا تو لوگ اپنی دنیا کے ساتھ مجھ پر جھک پڑیں گے، حالانکہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت کی ہے کہ جہنم کے پل سے پہلے ایک راستہ ہے جو کیچڑ اور پھسلن والا ہے۔ ہم لوگ راستہ سے ہلکا پھلکا بوجھ لے کر گزریں تو نجات پا جانے کی توقع زیادہ ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم بھاری بھر کم بوجھ سے لدے پھندے ہو کے گزریں۔''

نیز فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میری روزی ایک صاع تھی۔ لہٰذا میں اس پر اضافہ نہیں کرسکتا یہاں تک کہ اللہ عزوجل کے حضور جا پہنچوں۔

موصوف نے اپنے رب کی بخشش کی امید میں دنیا اور اس کے بوجھ سے اپنے آپ کو ہلکا کرلیا لیکن مجاہد بادشاہ نے اپنے رب کی مغفرت کی امید میں دنیا اپنے کندھوں پر اٹھالی۔

یہ ہے اسلام جو ہر طرح کے نمونوں اور ساری صلاحیتوں کو سمیٹے ہوئے ہے تاکہ یہ صلاحیتیں روئے زمین پر اپنا پیغام ادا کرسکیں۔

آیئے، اسلام کے پہلے بادشاہ...... مجاہد بادشاہ، معاویہ رضی اللہ عنہ ...... کی زندگی کے ساتھ قدم بہ قدم چلیں جس وقت ان کی نگاہیں نور سے آشنا ہوئیں اس سے پہلے اور اس وقت تک جبکہ وہ اپنے رب کے پاس جا پہنچے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ

جس ماحول اور خاندان میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے نشوونما پائی وہ ہمیں ان اہم ترین عوامل کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرتے ہیں جن کے اثرات میلان طبع اور انداز فکر کے اعتبار سے ان کی شخصیت کی تشکیل میں کارفرما رہے، ہم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایک طولانی وصف سے واقف ہوسکتے ہیں جس دن کہ عتبہ بن ربیعہ نے اپنی بیٹی ہند کے لیے انہیں بطور شوہر منتخب کیا، عتبہ نے کہا:

> ”تمہیں تمہاری قوم کے دو آدمیوں نے شادی کا پیغام دیا ہے میں تمہیں دونوں میں سے کسی کا نام نہیں بتاؤں گا، البتہ ان کے اوصاف کا ذکر کروں گا۔“

پہلا شخص پائدار شرف اور اونچے نسب کا مالک ہے، تم اس کی غفلت کے سبب اسے بدھو سمجھوگی، حالانکہ یہ اس کی نرم خوئی کا نتیجہ ہے۔ اچھی صحبت اور بہتر جواب والا ہے، اگر تم اس کی متابعت کروگی تو وہ تمہاری متابعت کرے گا اور اگر انحراف کروگی تو وہ تمہارے ساتھ

ہوگا، تم اس کے مال پر اس کے منشا کے خلاف فیصلہ کر سکوگی، اور اس کی کمزوری کے سبب اپنی رائے پر اکتفا کر سکوگی۔

رہا دوسرا شخص تو بڑے معزز حسب والا ہے اور بہت گہری سوجھ بوجھ کا آدمی ہے۔ اپنے نسب کا ماہِ کامل اور اپنے خاندان کی ناک ہے۔ وہ خود اہل خانہ کو ادب دیتا ہے، اہل خانہ اسے ادب نہیں دیتے۔ اگر اس کی پیروی کرتے ہیں تو ان کے ساتھ سہل پسندی سے کام لیتا ہے لیکن اگر اس سے دامن کش ہوتے ہیں تو انہیں سختی میں ڈال دیتا ہے، غیرت مند زود شگون اور زنان خانہ کو سخت پردے میں رکھنے والا ہے اگر بھوکا ہو تو مال کی کمی کے سبب نہیں، اور اگر کسی جھگڑے میں پڑ جائے تو دبایا نہیں جا سکتا...... لو میں نے تمہیں دونوں کے حالات بتا دیئے۔

ہند نے کہا: پہلا شخص تو ایسا سردار ہے جو اپنی شریف بیوی کو ضائع کر دے گا۔ اس کی ہمنوائی ایسی کرے گا کہ اگر اس کی عورت کی حفاظت نہ کی گئی تو قوی امکان ہے کہ وہ انکار کے بعد نرم پڑ جائے گا اور بیوی اپنی غلط کاری میں ضائع ہو جائے گی۔ اگر وہ بچہ جنے گی تو احمق ہوگا اور اگر ہوشیار ہوگا تو ماں کی غلط کاری کا نتیجہ ہوگا، ایسے شخص کا ذکر نہ کیجئے اور میرے سامنے اس کا نام نہ لیجئے۔

رہا دوسرا شخص تو یہ ایک آزاد اور شریف عورت کا شوہر ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کے الھوار واقعی پسند ہیں اور آمد و رفت کی کمی کے ساتھ شوہر کے ادب پر کاربند رہوں گی۔ میرے اور اس کے تعلق سے وجود میں آنے والی نسل اس بات کی اہل ہوگی کہ اپنی قوم کی عزت کا دفاع کر سکے اور حوادث کے ہنگاموں میں بزدل اور کمزور ہمت ثابت نہ ہو...... وہ کون شخص ہے؟

عتبہ نے کہا: وہ ابوسفیان بن حرب ہے۔

ہند نے کہا: ٹھیک ہے۔ اس سے شادی کر دیں لیکن مجھے اس کے پاس ڈھیلی ڈھالی گرفت والے آدمی کی طرح نہ چھوڑیں اور نہ بدخو آدمی کی طرح معاملہ کریں بلکہ

اللہ سے جو کہ آسمان میں ہے استخارہ کریں وہ اپنے علم سے آپ کے لیے اچھا ہی مقدر کرے گا۔ [1]

گویا قریب سے دیکھنے پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صورت ایک ایسے انسان کی صورت ہے جس نے جاہل سماج میں خوبیوں کا ایسا مجموعہ جمع کر لیا جس کی بنا پر وہ اپنی قوم کی قیادت کا مستحق بن گیا۔ ابوسفیان بن حرب بن امیہ حسب کے اعتبار سے اپنے خاندان اور قبیلہ کے چوٹی کے آدمی تھے۔

وہ خاندان کا ماہِ کامل اور اپنے قبیلہ کا وقار بن چکے تھے۔ کیونکہ وہ اپنی مضبوط شخصیت کی بدولت اس بات پر قادر تھے کہ اپنے خاندان کو قابو میں رکھ سکیں اور ان سے اپنا وجود منوا سکیں اور جب انہیں خاندانی طاعت کی لگام تھما دی تو ابوسفیان نے انہیں عز وشرف بخشا۔ اور ان کے اندر قوت وجود کے پہلو کو بالیدگی عطا کی، لیکن ابوسفیان ان سے صادر ہونے والی غلطی یا کمزوری پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے وہ سخت تھے اور ان کی رضا مشکل سے حاصل کی جا سکتی تھی۔

خاندانی حفاظت کے جذبے نے انہیں قبیلے کی عورتوں کے سلسلے میں غیور بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہ سختی کے ساتھ ان کو ایسی اجتماعی روش کا پابند رکھتے جو اس معاشرہ کے مزاج سے میل کھاتی۔ انہوں نے نسب، شجاعت اور دلیری کے شرف کے ساتھ مالی شرف بھی حاصل کر لیا تھا۔ اس لیے وہ ذلت ورسوائی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور نہ کسی ظلم پر خاموش رہ سکتے تھے۔

اس طرح انہوں نے جاہلی سماج کی تقریباً وہ تمام قدریں حاصل کر لی تھیں جو انہیں لیڈری اور قیادت کا اہل بنا سکتی تھیں۔

ہاں عتبہ نے ایک مخفی گوشے سے ابوسفیان کی ایک ایسی عادت کی طرف اشارہ کیا تھا جسے بسا اوقات پسند نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی یہ کہ جب وہ بھوکا ہوتا ہے تو قلت مال کے سبب نہیں۔ یعنی اس کی بھوک محتاجی کے سبب نہیں ہوتی اور جب تک فاقہ محتاجی کے باعث نہ ہو

---

[1] طبقات کبریٰ لابن سعد: ج ۸ ص ۲۳۵، ۲۳۶۔ مطبوعہ دار صادر بیروت۔

تو اسے کفایت شعاری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بات کی طرف ہند بنت عتبہ نے بھی مسلمان ہونے کے بعد اشارہ کیا تھا۔

انہوں نے کہا تھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان بخیل آدمی ہے اور میں اس کے اموال میں سے تھوڑا تھوڑا لے لیا کرتی ہوں کیا یہ چوری ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے مال سے تم اتنا لیا کرو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو معروف معیار کے مطابق کفایت کر سکے۔ [1]

لیکن حالات کے تقاضے کے مطابق ابوسفیان بہ تکلف سخاوت بھی کرتے تھے جو درحقیقت ان کی لیڈری کی قیمت ہوا کرتی تھی۔

یہ ہے ابوسفیان کی شخصیت مکہ کے ایک بڑے انسان عتبہ بن ربیعہ کی نگاہ میں۔ پھر ابوسفیان نے ہند بنت عتبہ کو محض یونہی کھوکھلا پیغام نکاح نہیں دیا تھا بلکہ وہ ہند کے باپ عتبہ کو قریش کا متفقہ سردار سمجھتے تھے کہ اپنی سرداری کو ایک بندش کے ذریعہ عتبہ کی سرداری سے جوڑ لیں یہ بات ہمیں اس گفتگو سے معلوم ہوتی ہے جو ابوسفیان اور ان کے ہمدم و دمساز امیہ بن ابی الصلت کے درمیان ہوئی تھی۔

امیہ ابوسفیان سے! مجھے عتبہ بن ربیعہ کے متعلق بتاؤ کیا وہ مظالم اور محارم سے بچتا ہے؟

ابوسفیان: ہاں۔ قسم بخدا۔

اور صلہ رحمی بھی کرتا ہے اور کرنے کا حکم دیتا ہے؟

ہاں واللہ۔

کریم الطرفین اور قبیلہ کا بہترین شخص بھی ہے؟

ہاں۔

تم اس سے بہتر کسی قریشی کو جانتے ہو؟

نہیں بخدا نہیں جانتا۔ [2]

---

[1] الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ترجمہ ہند بنت عتبہ، یہ حدیث صحیحین میں بھی مروی ہے۔

[2] البدایہ والنہایہ للحافظ ابن کثیر: ۲/۲۲۲۔

یہ ہے ہند بنت عتبہ کے نسب کا اشرف۔ اس گھر میں ہند کیسی لگتی ہیں؟

وہ مضبوط شخصیت کی مالک ہیں۔ ان کی شخصیت کی پختگی ذیل کے دو مواقع سے ظاہر ہوتی ہے جو ان کی خوددار نفسیت اور قوی شخصیت کو نمایاں کرتے ہیں۔

① وہ اپنے والد سے غیر محدود جرأت کے ساتھ کہتی ہیں:

میں اپنے معاملہ کی خود مالک ہوں اس لیے آپ میری شادی کسی شخص سے اس وقت تک نہ کریں جب تک مجھ سے مشورہ نہ کرلیں۔

یعنی انہیں گوارا نہیں تھا کہ ان کی لگام دوسرے کے ہاتھ میں ہو اور وہ اپنے معاملہ میں خود مختار نہ ہوں۔

② اسی طرح جس دن انہیں دو آدمیوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو انہوں نے مردوں کو اچھی طرح پرکھنے اور ان کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے میں بھی ذہانت کی تیزی اور عقل کی پختہ کاری کا اظہار کیا۔

عام عورتیں پہلی ہی قسم کے مردوں کو اپنی آرزو کے مطابق سمجھتی ہیں جو نرم خو اور سخی ہوتے ہیں اور کمزوری و تابعداری کی حد تک اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاملہ سے پیش آتے ہیں۔ اس لیے عورت آدمی کے پاس خوش قسمتی اور تمتع کے وافر ترین حصے سے بہرہ ور ہوسکتی ہے۔ اسے شوہر کی ناراضگی کا بوجھ سہنا نہیں پڑتا کیونکہ وہ کشادہ دل ہے۔ اس کے بخل کا بوجھ نہیں اٹھانا پڑتا کیونکہ وہ سخی ہے اور اس کی کم نسبی کا بوجھ نہیں سہنا پڑتا کیونکہ وہ اونچے حسب و نسب کا مالک ہے۔ بھلا ایک عورت کو مال وحسب، اور حسن معاملہ کی ان امتیازی خصوصیات سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔

ایک عام عورت دوسرے قسم کے مرد سے ڈرتی ہے۔ کیونکہ ایسا مرد معاملات میں سخت گیر ہوتا ہے اس لیے اس کی مضبوط شخصیت، عورت کی خواہشات اور لذتوں کے آگے ایک ٹھوس بند بن کر کھڑی ہو جاتی ہے اور عورت اپنی ضروریات کی تکمیل نہیں کر پاتی پھر ایسے شخص کی غیرت اور بدشگونی کی سختی بھی جھیلنی پڑتی ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں عورت کے ہر

کام میں کیڑے نکالنے اور اس کو ہر ایسی حرکت سے باز رکھنے کا سبب بنتی ہیں جس کو مرد، راست روی کے خلاف سمجھتا ہے۔

لیکن ایک سوجھ بوجھ رکھنے والی عورت جس کے اندر سرداری و بزرگی کی آرزو ہو وہ زن مرید قسم کے مرد کو بحیثیت شوہر گوارا نہیں کرتی ہے کیونکہ لوگ اپنی مجلسوں میں اس کا مذاق اڑائیں گے۔ بلکہ وہ اس بڑے سخت گیر مرد کا کوڑا قبول کر لیتی ہے جس کی عزت و قوت پر اس کی قوم شاہد ہوا سے ایسے شخص کی کڑی نگرانی میں رہنا گوارا ہوتا ہے اگر چہ کچھ سختی و مشکلات ہی جھیلنی پڑیں کیونکہ اسے ایک دوسرے باعزت پہلو کے حصول کی آرزو ہوتی ہے اور وہ پہلو یہ ہے کہ ایسا شوہر اپنی عورتوں کا محافظ ہوتا ہے اور خون اور روح کی قیمت پر ان کا دفاع کرتا ہے۔

ہند کا تعلق دوسری قسم کی عورتوں سے تھا جن کی نظر میں نیک نامی شہرت اور عظمت کا مقام اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔

ان کے غور و فکر کی گہرائی اور دور اندیشی اس تخیل سے ظاہر ہوتی ہے جو اپنے پیدا ہونے والے بچہ کے سلسلے میں انہوں نے قائم کیا تھا۔ انہوں نے پہلی قسم کے مردوں کی اولاد کے متعلق کہا تھا:

"اگر عورت ایسے مرد سے کوئی بچہ جنے گی تو وہ احمق ہوگا اور اگر ہوشیار ہوا تو اس کی غلطی کا نتیجہ ہوگا۔"

اور دوسری قسم کے مردوں کی اولاد کے متعلق ان کی رائے یہ ہے:

"میرے اور ایسے مرد کے درمیان جو اولاد ہوگی وہ اس لائق ہوگی کہ اپنی قوم کے حریم کا دفاع کر سکے۔ اپنی جمعیت سے حملہ آوروں کو دور بھگا سکے اور اس کے حقوق عز و شرف کی حفاظت کر سکے۔ یہ اولاد اپنے منصب کو زینت بخشے گی اور حوادث کے ہنگاموں میں بے دست و پا اور مایوس بیٹھنے والی نہ ہوگی۔"

ان ساری تفصیلات سے جو ہند اور اس کے باپ کی باہمی گفتگو سے ملتی ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ ابوسفیان کو قبول کرنے کے معاملہ تک ہند کی سوجھ بوجھ کس قدر عجیب تھی۔

وہ سہولت قبول کرنے کا راستہ نہیں اپناتیں......تا کہ ابوسفیان یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے کسی مشقت کے بغیر ایک عام قسم کی دوشیزہ کو حاصل کر لیا ہے اور اس طرح ابوسفیان کو یہ احساس ہی نہ ہو کہ ہند اپنے باپ کو کس قدر عزیز تھیں۔ اسی طرح سخت گیری کو بھی ٹھکرا دیا تھا کہ ابوسفیان ان سے برگشتہ نہ ہو جائیں انہیں ابوسفیان کی عادات و خصائل سے محبت اور ان پر فخر تھا اس لیے وہ اپنے والد کو وصیت کرتی ہیں:

"کہ مجھے اس کی طرف ڈھیلی ڈھالی گرفت والے کی طرح چھوڑ نہ دیں اور سخت خو آدمی کی طرح معاملہ بھی نہ کریں۔ اس طرح وہ اپنے اعزاز کا تحفظ بھی کرتی ہیں اور اپنی ضروریات کی تکمیل بھی۔"

پھر ان کی بات کا خاتمہ ہمیں ان کی شخصیت کے ایک اور پہلو سے آگاہ کرتا ہے۔ وہ کہتی ہیں اللہ سے جو آسمان میں ہے استخارہ کیجئے وہ اپنے علم سے آپ کے لیے خیر مقدر کرے گا۔ جاہلی مفہوم میں استخارہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پانسے کے تیروں سے قسمت معلوم کی جائے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمارے سامنے ایک ایسی لڑکی کا معاملہ ہے جو اپنی جاہلیت میں نہایت ٹھوس تھی۔ اپنے دین کے مراسم کی محافظ تھی اور یہ رسم اس کی گہرائیوں میں اتری ہوئی تھی چنانچہ وہ ابوسفیان کو ہر طرح سے پسند کرنے کے باوجود سمجھتی تھی کہ استخارہ ہی معاملہ کا قطعی حل ہے اور آسمان میں خدائی رضا معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر پانسے کے تیروں سے قسمت کا پتا لگایا جائے۔ یہی چیز اس مشکل اور سخت راستہ کے نقوش بھی روشن کر دیتی ہے جس پر ہندہ اور ابوسفیان اس نئی دعوت کی مخالفت میں چل رہے تھے جس دعوت کا علَم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا رکھا تھا۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ ہند بنت عتبہ پختگی کے اس معیار تک اسی وقت پہنچ سکی تھیں جب ان کی عمر کے برس ہا برس گزر گئے تھے اور تجربات نے انہیں

پختہ بنا دیا تھا کیونکہ ابوسفیان کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے سے پہلے وہ فاکہ بن مغیرہ کی بیوی تھیں لیکن فاکہ نے ان کی عزیز ترین متاع یعنی آبرو اور شرف کے بارے میں انہیں مطعون کر دیا تھا اس پر فریقین نے یمن کے ایک کاہن سے فیصلہ چاہا کاہن نے ان کا دامن اس ظالمانہ تہمت سے بے داغ قرار دیا اس کے بعد انہوں نے اپنے شوہر فاکہ بن مغیرہ کی زوجیت میں رہنے سے انکار کر دیا حالانکہ اب جبکہ ان کی برأت ثابت ہو گئی تھی فاکہ بڑے شوق اور والہیت کے ساتھ ان پر متوجہ تھا۔ پھر فاکہ بن مغیرہ سے علیحدگی اور ابوسفیان سے شادی کے درمیان آٹھ سال کا عرصہ یوں ہی بیت گیا۔

اس حادثے نے...... جس نے ہند کے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا ہند کے نفس پر بہت گہرا اور سنگین اثر چھوڑا۔ وہ اپنے سابق شوہر فاکہ بن مغیرہ کے خلاف نفرت اور کینہ کے جذبات سے پر تھیں ان کی حمیت اور خودپسندی میں اس دن اور اضافہ ہو گیا جب انہوں نے دیکھا کہ یمنی کاہن کی طرف سے انہیں بری قرار دینے پر سارے اہل مکہ نے ان کے دامن کو بے داغ تسلیم کر لیا ہے لیکن اس واقعہ کا جو پہلو ہماری توجہ کا مرکز ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ نے ہندہ کو اپنی قوم کے دین و مراسم پر مزید قانع بنا دیا۔ کیونکہ اس نے جب ہند کے باپ عتبہ کی چھپائی ہوئی بات سے پردہ ہٹا دیا اور متعدد عورتوں کے درمیان میں سے ہند کو نامزد کر کے پاک اور بے داغ قرار دے دیا جس کے باشندے شرف و عظمت کے لیے باہم دست و گریباں رہتے ہیں۔

ہند جو اپنی جوانی کے شیریں ایام اور اپنے خوابوں کے سہانے اوقات ابوسفیان کے ساتھ گزار رہی تھیں ان دس اونٹوں کے معاملہ میں درپیش اضطراب کو نہ بھول سکی۔ اس نے اپنے شوہر ابن حرب سے کہا۔ ایسا نہ ہو کہ عورتوں کے ساتھ آپ کی مصروفیت کے نتیجہ میں یہ شرف آپ کے ہاتھ سے جاتا رہے۔

ابوسفیان نے...... باوجود کہ لذتوں میں غرق تھا...... جواب دیا۔

سنو!...... تمہارا شوہر اپنے لیے جو کچھ منتخب کرتا ہے کرنے دو۔ خدا کی قسم! میرے سوا جو کوئی

عادلہ کے لیے اس کے دین کے معاملے میں افراط وتفریط سے دور رہنے کے انتہائی موافق ہیں۔

لیکن خطبہ کا دوسرا حصہ منہج اول سے مختلف ہے۔

اس نے کہا: بخدا! میں مالک کو غلام سے، مقیم کو مسافر سے، آنے والے کو جانے والے سے، تندرست کو بیمار سے پکڑوں گا یہاں تک کہ تم میں سے کوئی آدمی دوسرے سے جب ملے تو کہے سعد کو بچاؤ سعید تو ہلاک ہوگیا یا تم میرے تابع فرمان ہو جاؤ۔

خطبے کے اس فقرے میں اسلامی فرمانروائی کے مفہوم سے زبردست انحراف پایا جاتا ہے۔ یہ پہلا موقعہ ہے جہاں سے حکومت خلافت سے ملوکیت کی طرف مڑنے کی راہ پر لگتی ہے۔

بادشاہ حصول مقصد کے لیے اچھے اور برے سبھی وسائل اختیار کرتا ہے لیکن خلافت مقصد کی سلامتی کے ساتھ ذرائع کی سلامتی کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتی بلکہ وسیلے اور مطلوب دونوں میں اللہ کی اطاعت شعاری مطلوب ہے۔

بادشاہ مقصد تک پہنچنے کے لیے دہشت، طاقت اور قتل تک کو اختیار کرتا ہے خواہ اس کا بھی مقصد اللہ کی شریعت کے مطابق حکومت کرنا ہو جب کہ خلافت ان باتوں کی منکر ہے۔

پھر زیاد حکومت کے رجحانات پر مشتمل ایک اہم سیاسی منشور کا اعلان کرتا ہے:

① منبر کا جھوٹ مشہور ہو جاتا ہے اس لیے جب تم میری کسی بات کو جھوٹ پاؤ تو میری نافرمانی تمہارے لیے حلال ہے۔

② تم میں سے جس پر رات میں حملہ کیا جائے تو میں اس کی ضائع شدہ چیز کا ضامن ہوں۔

③ رات کے آخری حصہ میں چلنے سے ڈرو میرے پاس جب کبھی ایسے کو لایا جائے گا تو اسے قتل کر دوں گا میں نے اس کے لیے تمہیں اتنی مہلت دی ہے کہ خبر کوفہ پہنچے اور پھر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل پر اسلام کا تسلط

قسمت کی بات تھی کہ اموی گھرانہ عموماً ایک طویل مدت تک ایک جانب رہا اور اسلامی دعوت دوسری جانب۔ اس ماحول میں معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسلام اور رسول اسلام سے دور رہے۔

جنگ بدر کے بعد اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف عداوت اور بڑھی اور ابوسفیان کے گھر میں تو پختگی کے ساتھ جا بیٹھی۔ معاویہ کو اپنے نانا عتبہ، ماموں ولید اور بھائی حنظلہ کے قتل کا غم تھا۔ پھر اس غم میں ان کی ماں ہند کے شدتِ غم والم سے اور اضافہ ہوا۔ سال گزرتے گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی اسی گھر میں گزرتی رہی جس نے اسلام کے خلاف شدید عداوت کھڑی کر رکھی تھی۔ ان کی یادداشت پر اس مدت کی بہت تصویریں اور واقعات نقش تھے لیکن ایک واقعہ ایسا تھا جس نے ان کی قوتِ ارادی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ان کی یادداشت کی گہرائیوں میں پیوست ہو گیا۔

یہ واقعہ مکہ میں خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل کا تھا جنہیں رجیع کے واقعہ میں قید کر کے مکہ لایا گیا تھا۔ آج وہ آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہہ رہے تھے:

خدایا! ہم نے تیرے پیغمبر کا پیغام پہنچا دیا۔ اب تو انہیں کل ہمارے ساتھ ہونے والے سلوک کی خبر کر دے۔

خبیب کے قتل کے موقع پر جو لوگ حاضر تھے۔ ان میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ ان کے صاحبزادے معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے پہلو میں کھڑے تھے۔ خبیب نے تضرع کے ساتھ اپنے رب سے یہ دعا مانگی کہ ''اے اللہ! انہیں ایک ایک کر کے شمار کر لے۔ پھر انہیں بکھیر کر قتل کر دے اور کسی ایک کو باقی نہ چھوڑ۔'' تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو دیکھا کہ وہ خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا کے ڈر سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لے کر تیزی سے زمین کی طرف جھک گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کے موقع پر جو لوگ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا کے خوف سے مجھے زمین پر ڈال رہے تھے۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ جب آدمی پر بددعا کی جائے اور وہ اپنے پہلو پر لیٹ جائے تو بددعا ٹل جاتی ہے۔ [1]

ان کے نفس پر اس واقعہ کا بڑا اثر تھا۔ اس کی وجہ سے وہ بہت سے افکار کی آماجگاہ بن گئے تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر خبیب رضی اللہ عنہ ان کے رفقاء باطل پر تھے۔ تو ان کے باپ نے انہیں کیوں خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سے ڈر کر زمین پر ڈال دیا؟ اور اگر وہ لوگ حق پر تھے تو پھر ایک ہی بات پر سارے قریش ایک آواز کیوں نہیں ہو گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کے ساتھ آویزش ختم کیوں نہیں ہو گئی؟ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی قوم کے موقف اور ان کے عقائد کی صحت پر پورا وثوق نہیں رہ گیا تھا۔

پھر قتل خبیب رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ نے ان کے نفس میں قلق کا بیج ڈال دیا تھا جو زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا تھا اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک عرصہ کے بعد ایک معین نقطہ نظر تک پہنچ گئے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ بائیس برس کے تھے جب قریش اور غطفان کے جتھے مدینہ پر چڑھائی کے لیے جمع ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ معرکہ اسلام اور مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا لیکن وہ ناکامی کا دامن گھسیٹتے ہوئے واپس پلٹے انہوں نے بڑے غور سے سنا تھا کہ ان کے والد پسپائی کی رات اہل مکہ کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے:

''اے قریش کی جماعت! خدا کی قسم! اب یہ تمہارے لیے ٹھہرنے کے لائق جگہ نہیں رہی، گھوڑے اور اونٹ ہلاک ہو چکے ہیں۔ بنو قریظہ نے ہم سے بدعہدی کر دی ہے۔ ان کے مکروہ ارادوں کی ہمیں خبر ہو چکی ہے پھر ہوا کی جس تندی سے دوچار ہیں تم دیکھ ہی رہے ہو۔ نہ ہماری کوئی ہانڈی بیٹھ رہی ہے نہ آگ بھڑک رہی ہے نہ خیمہ رک رہا ہے۔ لہٰذا کوچ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام: مقتل خبیب واصحابہ واقعہ شہادت خبیب، سریۃ الرجیع۔

کر چلو، میں روانہ ہو رہا ہوں۔''

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ کے پاس آئے وہ بندھا ہوا تھا اس پر سوار ہو گئے۔ اسے ضرب لگائی وہ تین بار اچھلا، اس کے بعد انہوں نے کھڑے ہی کھڑے اس کی رسی کھولی۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب جنگ کا یہ کڑوا پھل دیکھا کہ اموال تباہ ہو گئے اور امیدیں پامال ہو گئیں تو ان پر اعصابی ردعمل ہوا انہوں نے محسوس کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فیصلہ کن کامیابی بہت دور کی بات ہے۔

پھر آئندہ سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کرنے کے لیے اہل مکہ تک اچانک جا پہنچے تو انہوں نے اسے اپنی انتہائی توہین محسوس کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ آپ ان پر زبردستی ہرگز داخل نہیں ہو سکتے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان قاصدوں کی آمد و رفت ہوتی ہے اور مباحثات کے نتیجے میں فریقین کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ وجود میں آتا ہے۔

اس صلح نے اس جمود کو کسی قدر نرم کر دیا جو دلوں پر بیٹھ چکا تھا اور اس عداوت کو کسی قدر محو کر دیا جو غلاف بن کر دلوں پر چھا گئی تھی۔ قریش کے دلوں پر روشنی کے دریچے کھل گئے اور انہیں حق نظر آ گیا۔ چنانچہ یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں جو شہسواروں کے رسالدار تھے۔ اس صلح کے بعد ان کا نفس جھٹکے کھاتا ہے وہ دیکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ناقابل تصور بلندی کی طرف چلا جا رہا ہے اور انہیں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی جانب ہے اور انہیں ہرگز چھوڑ نہیں سکتا اور یہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں جن کا موقف بدل جاتا ہے اور یہ نوخیز نوجوان...... مکہ کے سربراہ کا بیٹا معاویہ رضی اللہ عنہ ہے جو اپنی عمر کے چوبیسویں سال میں داخل ہوا ہے، اس کا دل بھی نور کے لیے کھل جاتا ہے۔

وہ جانتے تھے کہ جب اپنے اسلام کا اعلان کریں گے تو صورتحال کس قدر سنگین

---

[1] سیرۃ ابن ہشام: غزوۂ احزاب۔

ہو گی خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ان کے والد، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے خلاف جنگ کی قیادت کر رہے تھے، ایمان ان کے دل میں گھس چکا تھا لیکن یہ ایمان بے سود تھا جب تک کہ اس کا اعلان نہ کر دیا جائے اور اس کے نتائج نہ جھیلے جائیں...... وہ سوچتے رہے کہ اس اطمینان کا اظہار اپنی ماں سے کریں۔

انہیں معلوم تھا کہ اس وقت مسلمانوں کے خلاف ان کی ماں کی عداوت کس حد کو پہنچی ہوئی ہے کیونکہ ابھی ان کے دل میں باپ، چچا اور بیٹے کے قتل کا سانحہ تازہ تھا لیکن انہیں ماں سے ایسی گہری وابستگی تھی کہ اپنے دل کے جذبات ان سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ ماں کو بھی ان سے ایسی قوی محبت تھی کہ ان کی ہر ناگوار حرکت نظر انداز کر جایا کرتی تھیں۔

ایک دن معاویہ رضی اللہ عنہ نے حوصلہ سے کام لیا اور اپنی ماں کو بتلا دیا کہ میں اس دین سے مطمئن ہوں اور یثرب کی طرف ہجرت کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ ہند بھڑک اٹھی اور انہیں دھمکی دیتے ہوئے بولی۔ "اگر تم باہر نکلے تو تمہارا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا۔" [1]

اور اب ہند کو یہ خدشہ رہنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دن نیند سے بیدار ہو تو دیکھیں کہ ان کا بیٹا ان کے پاس نہیں ہے اور لوگوں سے پوچھیں تو جواب ملے کہ وہ تو یثرب ہجرت کر گیا۔

ہند کی حالت ایسی ہی تھی جیسے کوئی شخص آگ کی دو وادیوں کے بیچ میں کھڑا ہو لیکن اسے یہ نہ معلوم ہو کہ کون سی آگ ہلکی ہے تا کہ اس میں کود پڑے۔ آیا وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے یہ خبر چھپائے تا کہ اس کے چہیتے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کوئی اذیت نہ پہنچا سکے یا اسے اس خبر سے آگاہ کر دے تا کہ اس کے بیٹے کے مدینہ ہجرت کرنے کی راہ میں حائل ہو جائے۔ ہند ان دونوں موقف کے سلسلے میں بڑی کشمکش سے دوچار رہیں۔ بالآخر انہوں نے دوسرے نقطۂ نظر کو ترجیح دی اور بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں جو جذبات کارفرما تھے ان کے باپ

[1] الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۳/۱۴۔

ابوسفیان کو ان سے آگاہ کردیا ابوسفیان بھی کچھ ویسے خیالات سے دوچار تھے جن سے ان کے صاحبزادے دوچار تھے لیکن وہ ان خیالات کے دبانے پر مجبور تھے۔ چنانچہ انہوں نے معاویہ سے کہا: دیکھو! یہ تمہارا بھائی یزید ہے جو تم سے بہتر ہے یہ اپنی قوم کے دین پر ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنے دل میں چھپا رکھی اور ابوسفیان سے اس کا اظہار نہ کیا اور کہا: میں نے اپنے نفس کے ساتھ جدوجہد میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میں عمرۂ قضا (ذی قعدہ ۷ھ) سے پہلے ہی مسلمان ہو گیا تھا لیکن میں مدینہ کے لیے نکلنے سے ڈرتا تھا۔ کیونکہ میری ماں مجھ سے کہتی تھیں۔ اگر تم نکلے تو تمہاری روزی بند کر دیں گے...... وہ مزید کہتے ہیں۔

عمرۂ قضا (ذی قعدہ ۷ھ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اہل مکہ) پر داخل ہوئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مان رہا تھا پھر جب فتح مکہ کے سال آپ تشریف لائے تو میں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مبارک باد دی۔ [1]

ابوسفیان رضی اللہ عنہ گھر میں اسلام کا داخلہ

۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ اس دن ابوسفیان کو ہتھیار ڈالنے اور شکست تسلیم کرنے کا ناقابل بیان رنج والم سہنا پڑا۔ انہوں نے اگرچہ بظاہر اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا تھا لیکن شکست کا مزہ کڑوا ہوتا ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد آ کر جمع ہیں ان کے دل میں یکایک خیال آیا جس کے آگے تھوڑی دیر کے لیے سپر انداز ہو گئے انہوں نے دل میں سوچا کیوں نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے ایک جتھا فراہم کروں۔

اس طرح کے جتھے کے بل پر فتح یابی کا امکان اگرچہ بعید ہے لیکن محال نہیں ہے اگر انہیں کامیابی ہو گئی تو لوگوں کے یہ سارے گروہ انہیں کا رخ کریں گے اور ان کے

[1] البدایۃ والنہایۃ: ۱۱۸/۸۔

ہونٹوں سے نکلنے والے اس ایک کلمہ کا انتظار کریں گے جس میں ہزاروں افراد کی قسمت کا فیصلہ مضمر ہوگا لیکن ابھی تو وہ ایک عام آدمی ہیں جن کی طرف نہ کوئی التفات کرتا ہے اور نہ جنہیں کوئی اہمیت دیتا ہے انہیں کل جو اعزاز حاصل ہوا تھا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امان ہے...... آخر وہ کس کام کا؟

اپنے مقام کا پھر سے جائزہ لینے لگے کہ آیا وہ قبیلہ ثقیف میں اپنے قرابت داروں سے مل کر لشکر فراہم کرے یا کیا کرے؟

ابھی وہ اسی حال میں تھے کہ انہیں اچانک دونوں کندھوں کے درمیان کسی ہاتھ کی رگڑ محسوس ہوئی۔ انہوں نے جھرجھری لی۔ جیسے کسی کو سانپ نے ڈس لیا ہو۔ غفلت سے بیدار ہوئے دیکھا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بے تکلف مسکرائے لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے حواس باختہ ہو گئے کہ:

''تب اللہ تجھے رسوا کر دے گا۔'' [1]

پلک جھپکنے سے بھی زیادہ سرعت سے ابوسفیان نے اپنے دل کی اس اندرونی بات کو ''کیوں نہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے ایک جتھا فراہم کروں'' اور آپ کے اس ارشاد کو ''تب اللہ تمہیں رسوا کر دے گا۔'' ایک دوسرے سے مربوط کر دیا۔

اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ وہ ایک ایسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہیں جنہیں آسمان سے مبعوث کیا گیا ہے۔ اسی لیے جو بات دل میں گردش کر رہی تھی انہیں وحی الٰہی کے ذریعہ معلوم ہو گئی۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف اپنا سر اٹھایا اور کہا:

اب تک مجھے یقین نہ آیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اب میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں خدا کی قسم! میں نے یہ بات کہی نہیں تھی صرف میرے دل میں اس کا خیال آیا تھا۔

---

[1] اصل روایت ابن سعد نے واقدی سے نقل کی ہے اسے بدایہ ۲/۳۰۴ میں ابن کثیر نے بھی ذکر کیا ہے اور تقریباً انہیں الفاظ میں بیہقی کے یہاں اس کا شاہد موجود ہے۔

اب ابوسفیان یقین کے ساتھ سچ مچ اسلام میں داخل ہو گئے پھر شام کو جس وقت لوگ تکبیر وتہلیل میں مشغول تھے ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اپنی بیوی ہند کے احساسات کو چھیڑیں چنانچہ ان سے اس وقت میں جبکہ مسلمانوں کی تکبیر کی آوازیں ہند کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں...... کہا...... کیا تم سمجھتی ہو کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، ہند نے کہا! ہاں، یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والی صورت کے نقوش رفتہ رفتہ مٹتے گئے۔ یہ لوگ جن سے ہند نے جنگ کی تھی اور جن سے جنگ کو اپنے معبودوں کی قربت کا ذریعہ سمجھا تھا آج رات بھر ان کی پلک نہ جھپکی اور وہ تکبیر وتہلیل میں مشغول رہے۔ ہند نے ان لوگوں کے بارے میں اپنی پسندیدگی کو اپنے شوہر سے ان الفاظ میں بیان کیا......

"اللہ تعالیٰ کی صحیح عبادت میں نے صرف آج دیکھی ہے۔"

اور جب ہند کو معلوم ہوا کہ لوگ اسلام پر بیعت کر رہے ہیں تو وہ مکہ کی عورتوں کو اپنی قیادت میں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں۔ آپ صفا کے پاس تھے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے۔ ہند نے نقاب سے خود کو چھپا رکھا تھا۔ انہیں خوف تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہچان جائیں گے تو قتل کر دیں گے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا اور ان کا حلیہ بگاڑا تھا اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر انتہائی گہرے زخم لگائے تھے ان کا دل خوف سے بری طرح دھڑک رہا تھا انہیں معافی کی امید بھی تھی اور انتقام کا خطرہ بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے فرما رہے تھے:

مجھ سے بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گی۔

ہندہ: آپ ہم سے ایسا عہد لیتے ہیں جو مردوں سے نہیں لیتے (اور اس پر بیعت کر لی)

رسول اللہ: اور چوری نہ کرو گی۔

ہندہ: واللہ میں نے ابوسفیان کا مال تھوڑا تھوڑا لے لیا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ ہمارے لیے حلال ہے یا حرام؟

ابوسفیان: خیر جو کچھ تم نے پچھلے اوقات میں لیا تھا میں نے معاف کیا۔

رسول اللہ: اچھا تو تم عتبہ کی بیٹی ہندہ ہو؟

ہندہ: ہاں! جو کچھ گزر چکا اسے معاف فرما دیجئے۔ اللہ آپ کو معاف فرمائے۔

رسول اللہ: اور زنا نہ کرو گی۔

ہندہ: اللہ کے رسول! بھلا آزاد و شریف عورت بھی زنا کر سکتی ہے؟

رسول اللہ: اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔

ہندہ: ہم نے تو انہیں بچپن میں پالا پوسا لیکن جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے اور آپ کے رفقاء نے انہیں بدر میں قتل کر دیا۔

(ہندہ کی اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسی میں ڈوب گئے)

رسول اللہ: اور کوئی بہتان نہ لگاؤ گی۔ جسے تم نے خود بخود گھڑا ہو۔

ہندہ: بخدا بہتان بازی بڑی بدتر چیز ہے لیکن بعض قسم کے مذاق بہتر ہوتے ہیں۔

رسول اللہ: ان سے بیعت کر و اور ان کے لیے اللہ سے بخشش کی دعا کرو۔ یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔

ہندہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر۔

اللہ کے رسول! روئے زمین پر کوئی خیمہ ایسا نہیں تھا جس کی ذلت آپ کے خیمہ والوں سے بڑھ کر مجھے محبوب رہی ہو لیکن اب روئے زمین پر کوئی خیمہ والا ایسا نہیں جس کی عزت آپ کے خیمہ والوں سے زیادہ محبوب ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ ابھی اور بھی۔ [1]

---

[1] البدایۃ والنہایہ لابن کثیر ج ۴، ص ۳۱۹۔ اسے مسلم اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اس میں مزید اضافہ ہوگا۔ تمہارے دل میں ایمان کو پختگی حاصل ہوگی اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت بڑھے گی۔ اور ان کے بغض سے تمہارا رجوع قوی ہوگا۔ (نووی شرح مسلم)

میں کہتا ہوں کہ بخدا! یہ ہندہ کے ایمان کی سچائی کی نہایت بہترین شہادت ہے اور یہ ایک بڑی اور کھلی ہوئی فضیلت ہے جو صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ایسی جلیل القدر صحابیہ کے لیے ادا ہوئی ہے جن کا حال پہلے کچھ بھی رہا ہو لیکن بعد میں وہ اس مقام بلند تک پہنچ گئیں۔

یہاں پہنچ کر کشمکش کا ایک مرحلہ ختم ہو گیا جو بیس سال سے کچھ زائد عرصہ تک مسلسل جاری تھا۔ اب ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند بنت عتبہ اسلامی دعوت کی فوج کے دو سپاہی بن چکے تھے۔ رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشفقانہ ہاتھ ان کے زخموں پر پھیر دیا تھا اور ان بڑی بڑی بدسلوکیوں اور ہولناک عداوتوں سے نگاہ پست کر لی تھی جن کی آگ ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند بھڑکایا کرتے تھے اور یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ایک ارشاد میں مضمر تھا..... کہ! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے ابھی اور بھی۔

ہند اسی حالت میں گھر لوٹیں کہ دل، ایمان سے معمور تھا۔ ان کی نظر گھر کے ایک گوشہ میں رکھے ہوئے ایک بت پر پڑی۔ وہ غضبناک ہو کر بت پر پل پڑیں۔ اس کا منہ نوچ لیا اور اسے یہ کہتے ہوئے چکنا چور کر دیا: ہم تیرے متعلق دھوکے میں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہیں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام۔ تینوں خانہ کعبہ کے صحن میں بقیہ لوگوں سے الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اذان سن کر عتاب نے کہا:

اللہ نے اسید پر نوازش کی کہ انہوں نے یہ آواز نہیں سنی۔ ورنہ وہ ایک ناگوار خاطر آواز سنتے۔ حارث نے جواباً کہا۔ ''دیکھو واللہ! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ برحق ہے تو میں اس کی پیروی کرتا۔''

لیکن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا۔ واللہ! میں کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ اگر بولوں تو یہ کنکری بھی خبر دیدے گی۔

اتنے میں اچانک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمودار ہوئے اور یہ کہہ کر انہیں حیرت میں ڈال دیا کہ آپ حضرات نے جو کچھ کہا ہے مجھے معلوم ہے اور ان سے ان کی پوری گفتگو ذکر کر دی۔

حارث اور عتاب چیخ پڑے: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ واللہ ہمارے ساتھ کوئی تھا ہی نہیں کہ اسے اس کی اطلاع ہوئی ہو اور ہم یہ کہہ سکیں کہ

اس نے آپ کو بتلا دیا ہے۔ [1]

ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور قریش کے بڑے مشائخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوازن کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے اور جنگ میں شرکت کی مگر لڑائی نہیں کی۔ [2]

پھر ابوسفیان لشکر اسلام کے ہمراہ ثقیف کی جانب روانہ ہوئے وہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ کس طرح اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوازن پر فتح و کامرانی عطا کی۔ انہیں دکھ تھا کہ جنگ ختم ہوگئی اور ایک تیر چلانے کے لیے بھی وہ اس میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی طبیعت دشمن سے ٹکرانے کے لیے جوش مار رہی تھی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوں ہی ثقیف کا رخ کیا ابوسفیان بھی چل پڑے اور خوب لڑے بھڑے۔ دوران جنگ اچانک ان کی طرف ایک تیر آیا اور ان کی گراں مایہ متاع لے گیا۔ یعنی تیر آنکھوں میں دھنس گیا اور وہ بہہ کر چہرے پر آ رہی۔ ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یہ دیکھئے میری آنکھ اللہ کی راہ میں پھوڑی گئی ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اگر چاہو تو دعا کر دوں اور یہ آنکھ تم پر پلٹا دی جائے، ورنہ چاہو تو (اس کے عوض) جنت ہے۔ [3]

ابوسفیان نے دیکھا کہ ایک ہی لحظہ میں اس ایک خوبی کے ذریعہ جو اللہ نے ان تک پہنچا دی تھی ان کی جاہلیت کی تاریخ لپیٹ دی گئی ہے۔ انہیں یقین آ گیا کہ وہ راستہ پر لگ گئے ہیں یعنی جہاد کے راستے پر جو انہیں یقیناً جنت تک لے جائے گا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۴، ص ۲۷، مطبوعہ کتاب التحریر۔ [2] ابن اسحاق کی روایت ہے کہ معرکۂ حنین کے آغاز میں جب مسلمان بھاگے تو ابوسفیان نے کہا: سمندر سے پہلے ان کی بھگدڑ رک نہیں سکتی۔ اس وقت پانسے کے تیر ابوسفیان کے ہمراہ تھے۔ واضح رہے ابن اسحاق نے یہ روایت کسی سند کے بغیر بیان کی ہے اس لیے اس کی صحت کی حیثیت اور اس کا ماخذ معلوم نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جس چیز کو مؤلف نے بیان کیا ہے۔ وہ سیرت کی کتابوں اور صحابہ کے تراجم میں مروی ہے اس سے طائف کے محاصرہ کے دوران ابوسفیان کی جانبازی کا پتا لگتا ہے جس میں ان کی ایک آنکھ چلی گئی تھی اور اس سے ابن اسحاق کی بیان کردہ روایت کی تردید بھی ہوتی ہے۔

[3] الاصابۃ فی تمیز الصحابہ بروایت زبیر بواسطہ سعید بن عبید ثقفی، ج ۳ ص ۱۷۳۔

اسلامی لشکر طائف کے محاصرہ سے واپس آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں اترے آپ اس بے اندازہ مال غنیمت کو تقسیم کرنا چاہتے تھے جو جنگ حنین میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔ ابوسفیان کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں کچھ ملے گا یا نہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکتے جھکتے ہوئے بڑھے اور بولے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سب سے مالدار آدمی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ آپ کو معلوم ہو گیا کہ اس شخص کے دل میں کون سے خیالات کام کر رہے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا۔ ان اموال میں ہمارا حصہ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ انہوں نے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت کی۔ ابوسفیان نے کہا: میرے بیٹے یزید کا حصہ؟

مزید ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیے دیئے۔

پھر کہا! میرے بیٹے معاویہ کا حصہ کہاں ہے؟

انہیں بھی ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی دینے کا حکم صادر ہوا۔

ابوسفیان نے دیکھا کہ مال غنیمت سے انہیں اتنا مل گیا ہے کہ اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوب خوب نوازا ہے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ آپ جنگ و صلح دونوں میں کریم ہیں، یہ انتہائی کرم ہے۔ اللہ آپ کو بہتر جزا دے۔ [1]

ثقیف کا سردار عروہ بن مسعود جو ابوسفیان کا بہنوئی تھا مسلمان ہو گیا۔ اس نے جب ثقیف کو اللہ کی طرف بلایا تو ثقیف نے اسے قتل کر دیا اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس کی مثال اپنی قوم میں ایسی ہی ہے جیسی سورۂ یٰسٓ میں مذکورہ آدمی کی مثال اپنی قوم میں۔

[1] مختصر السیرۃ از عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب: ص ۳۱۸۔

ابو ملیح بن عروہ اور قارب بن اسود دونوں ثقیف کے درمیان سے راتوں رات چپکے سے نکلے اور مدینہ کا رخ کیا ان کا ارادہ تھا کہ ثقیف سے علیحدگی اختیار کرلیں اور کبھی کسی بات پر ان کے ساتھ اکٹھے نہ ہوں۔ دونوں نے اسلامی طریقہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔

ان دونوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں جسے چاہو اپنا ولی بنا لو۔ دونوں نے کہا کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کو اپنا ولی اختیار کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اپنے ماموں ابوسفیان بن حرب کو بھی۔ ان دونوں نے کہا کہ ہاں انہیں بھی۔

اس کے بعد ثقیف کا وفد پورے قبیلہ کے اسلام کی خبر لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ابوسفیان کو اعزاز بخشیں اور ان کی صلاحیتیں اللہ کی راہ میں لگائیں آپ نے انہیں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عرب کے صنم اکبر لات کو ڈھانے کا کام سونپا جو ثقیف کے اندر تھا۔

اپنی تجربہ کار سیاسی طبیعت کی بنا پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسے ڈھانے میں شرکت نہیں کی۔ انہیں خوف تھا کہ ثقیف ان کے خلاف بھڑک اٹھیں گے لیکن جہاں تک مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو ڈھانے کی کارروائی کے دوران ان کی قوم ان کی حمایت کے لیے کھڑی تھی۔

ابوسفیان اپنی طویل زندگی یاد کر رہے تھے جو اسلام سے لڑتے ہوئے گزری تھی وہ پہلے جس مقام پر کھڑے تھے اسے بھی ذہن میں پلٹ رہے تھے کہ وہ کس طرح لات کی تعظیم کرتے تھے اور اس کی قسم عزیٰ سے پہلے کھاتے تھے آج اسی لات کو مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلام کی کدال سے توڑا جا رہا ہے۔ جس طرح عزیٰ کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں توڑا گیا۔

آج وہ لات کی حالت زار پر ہنس رہے تھے انہیں اپنے آپ پر بھی ہنسی آ رہی تھی وہ لات کو اور ان دنوں کو جن میں اس کی پوجا کی تھی انتہائی برا سمجھ رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے۔ تمہارا برا ہو، تمہارا برا ہو۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو خوشی تھی جو زیورات و جواہر تھے وہ ان کے اور مغیرہ کے حصہ میں آئے۔ اس کے بعد انہیں اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ملتا ہے کہ اپنے دونوں بھانجوں، ابو ملیح بن عروہ اور قارب بن اسود کا قرض ادا کردو۔ پیغام رساں کہتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ عروہ اور اسود کی طرف سے قرض ادا کر دیں ابوسفیان نے یہ قرض ادا کر دیا۔ [1]

اس طرح مال نے اس عداوت کو پگھلا کر رکھ دیا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مجاہد صحابہ کو گردش میں پھنسانے پر ابھارتی رہتی تھی۔

ابوسفیان کو محسوس ہو رہا تھا کہ لوگ اب بھی ان سے انقباض محسوس کرتے اور دور بھاگتے ہیں کیونکہ لوگوں کو ابھی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ابوسفیان کی طویل جنگ بھولی نہ تھی وہ ایک روز بیٹھے اس کڑوی صورت حال پر غور کر رہے تھے جو ان کے گلہ کا اچھو بنی ہوئی تھی اور اپنے ان سیاہ اور تاریک دنوں کو سوچ رہے تھے جن کی جڑ اسلام نے کاٹ دی تھی لیکن وہ لوگوں کے ذہن سے محو نہ ہوئے تھے۔ وہ کسی ایسے حل پر غور کر رہے تھے جو لوگوں کے ذہن سے اس تاریک صفحہ کو محو کر دے لیکن یہ سوچتے ہوئے ان پر دنیا تنگ ہو رہی تھی۔ آخر گہرے غور وفکر اور شدید ذہنی کاوش کے بعد انہیں حل سمجھ میں آ گیا اور وہ بڑی تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مرحبا کہتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور اپنے قریب بٹھایا۔

ابوسفیان نے کہا: یا نبی اللہ! میں تین چیزیں آپ کی خدمت میں دینا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: ہاں۔

ابوسفیان نے کہا: میرے پاس عرب کی سب سے جمیل عورت عزہ بنت ابوسفیان ہے۔ میں اسے آپ کے عقد میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہ میرے لیے حلال نہیں۔ [2]

---

[1] مختصر السیرۃ: ص ۳۲۵۔ [2] مسلم کی روایت میں عزہ نہیں بلکہ ام حبیبہ کی پیشکش کا ذکر ہے۔ لیکن راویوں کا اجماع ہے کہ اس حدیث کے راوی عکرمہ بن عمار کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نجاشی نے خود آپ کے حسب الحکم فتح خیبر سے پہلے کر دیا تھا اور اسی وقت سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھیں ان کا باپ ابوسفیان جب حالت شرک میں صلح حدیبیہ کی تجدید اور مدت میں اضافہ کے لیے آیا تھا تو آپ کے پاس اترا تھا۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا لپیٹ دیا تھا۔ ابن کثیر نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے کہ ابوسفیان نے ان کی بہن کی پیشکش کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے معذرت کی تھی کہ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔ یہی رائے درست ہے۔

ابوسفیان نے کہا: آپ معاویہ کو اپنا کاتب بنالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے۔
ابوسفیان نے کہا: مجھے سالار لشکر بنادیں میں جس طرح مسلمانوں سے لڑتا تھا کافروں سے لڑوں گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ [1]

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی باچھیں کھل گئیں، ان کا قلب وجگر مسرت سے لبریز ہوگیا، وہ خوشخبری کے لیے معاویہ کے پاس پہنچے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس اعزاز پر بے پناہ مسرت ہوئی کہ وہ بشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب ہو گئے ہیں۔

[1] یہ مسلم کی روایت ہے۔ ابوزمیل کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیز طلب نہ کی ہوتی تو آپ نہ دیتے۔ لیکن جب آپ سے کسی چیز کا سوال کردیا جاتا تو آپ ''ہاں'' کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں۔ یہ ابوزمیل ایک راوی ہے۔ اس کا نام سماک بن ولید ہے، ہمیں اس کی یہ بات (کہ اگر وہ طلب نہ کرتے تو حضور نہ دیتے، لیکن طلب کردینے پر حضور ہاں کہتے تھے) یہ بات علی الاطلاق تسلیم نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو امارت (سرداری وسربراہی) نہ دیتے تھے جو اس کا طالب ہوتا تھا۔ بخاری میں ہے دو اشعری آدمیوں نے آپ سے امارت طلب کی تو آپ نے ان سے کہا: ہم اپنے کارہائے حکومت پر ایسے آدمی کو نہیں لگاتے جو اسے چاہتا ہو۔ لیکن یہاں ابوسفیان نے طلب کیا تب بھی انہیں دیدیا تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کا مزید اکرام ہے اور اسے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں شمار کیا جائے گا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ درسگاہ نبوت میں

معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں قیام کیا۔ یہ نہایت خوش بختی کے اوقات تھے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے اور تازہ بتازہ وحی جیسے جبریل السلام علیہ سے سنتے لکھواد یتے۔ معاویہ کا سینہ نور سے روشن اور ان کا دل یقین سے معمور ہو رہا تھا۔ ان کا سب سے محبوب کام یہ تھا کہ اپنا وقت اپنی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزاریں۔ اس طرح معاویہ ان دنوں گھرانۂ نبوت ہی میں تھے۔ کیونکہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ تھیں۔ وہ حریص تھے کہ مسجد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھیں اور چشمۂ نبوت سے فیض یاب ہوں جی بھر کر پئیں اور سیرابی سے شاد کام ہو کر واپس پلٹیں۔

انہیں ایک ہی دھن تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم و حکم حاصل کریں۔ کیونکہ بہت خیر ان سے فوت چکی تھی۔ اب ان کا یہ حال تھا کہ جب بھی تشریف لاتے قلم ساتھ ہوتا۔ منتظر رہتے کہ پکارنے والا انہیں آواز دے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھیں۔

ایک روز جب انہیں معلوم تھا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بہن ام حبیبہ کے پاس تشریف لائیں گے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ معاویہ اپنی بہن کے پاس جانے کے لیے اجازت طلب کر رہے ہیں۔

اس دن معاویہ نے آ کر دروازہ پر دستک دی لیکن اس اندیشہ سے ان کا دل دھڑک رہا تھا کہ شاید اجازت نہ ملے اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو، کون ہے؟

کہا گیا! معاویہ ہیں۔

فرمایا: اجازت دیدو۔

معاویہ کان پر قلم رکھے ہوئے اندر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

معاویہ! یہ تمہارے کان پر قلم کیسا ہے؟

انہوں نے کہا: یہ وہ قلم ہے جسے میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے تیار کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اللہ تمہارے نبی کی طرف سے تم کو بہتر جزا دے۔ بخدا میں نے تمہیں کاتب نہیں بنایا ہے مگر وحی الٰہی کی بنیاد پر۔

(ام حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے بھائی کی تعریف سن رہی تھیں اور خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ انہوں نے پھر کان لگایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے)

''میں چھوٹا بڑا کوئی بھی کام نہیں کرتا مگر وحی الٰہی کی بنیاد پر۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: اگر اللہ تمہیں کوئی خلعت پہنائے تو تم کیسے رہو گے؟

یہ بات جونہی ام حبیبہ کے کان سے ٹکرائی۔ انہوں نے جھٹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

یارسول اللہ! اللہ اسے کوئی خلعت پہنانے والا ہے؟

ہاں...... لیکن اس میں کچھ پیچیدگیاں ہیں۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس کے لیے دعا کر دیجئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کے حق میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔

اے اللہ! اسے راہ راست کی ہدایت دے اور تباہی سے بچا اور دنیا و آخرت میں اسے بخش دے۔

معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سن کر نکلے تو انہیں ایسا محسوس ہوا کہ انہیں ساری دنیا کی بادشاہت مل گئی ہے۔ [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی معاویہ کو بلاتے تھے وہ ہر ممکن تیزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے۔ صرف ایک بار اس کے خلاف ہوا جسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے کہا آپ میرے ہی پاس تشریف لا رہے ہیں۔ میں دروازے پر چھپ

---

[1] اسے طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اس کے رواۃ ثقہ ہیں اور وہ یہ ہیں؟ احمد بن محمد الصید لانی بواسطہ سری بواسطہ عاصم بواسطہ عبداللہ بن یحییٰ بواسطہ ہشام بن عروہ بواسطہ عروہ۔

گیا۔ آپ میرے پاس تشریف لائے میری گردن پر ایک یا دو تھاپ لگائی پھر فرمایا جاؤ۔ معاویہ کو میرے پاس بلا لاؤ''

میں گیا اور انہیں بلایا۔ کہا گیا کہ کھانا کھا رہے ہیں۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا۔ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جاؤ انہیں بلا لاؤ۔

میں دوبارہ گیا۔ پھر کہا گیا! وہ کھا رہے ہیں۔

میں نے آپ کو خبر دی آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا: اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا تھا اور وہ حاضر نہ ہوئے تو انہیں شدید قلق ہوا۔ غالباً ان کے گھر والوں نے انہیں اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔

انہیں سب سے بڑا اندیشہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں آپ سے ناراض تو نہیں ہو گئے؟ اور آپ کا دل پھر تو نہیں گیا؟ اب وہ چاہتے تھے کہ آپ سے علیحدہ نہ ہوں۔

وہ آپ کا روئے مبارک دیکھتے رہتے تھے کہ آپ کسی بات پر انہیں عتاب تو نہیں کرتے؟ انہیں رات دن چین نہ آ رہا تھا وہ اپنی بہن ام حبیبہ کو وصیت کرتے تھے کہ ان کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کریں تا کہ معلوم ہو سکے کہ آپ کے دل میں کوئی بات ہے یا نہیں؟ یہاں تک کہ ایک رات انہیں خوشخبری مل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی ہے۔

اور یہ اس وقت کی بات ہے جب عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سحر کے وقت مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بابرکت کھانے پر آؤ۔

---

[1] یہ حدیث مسلم نے ابن عباس سے روایت کی ہے...... میں کہتا ہوں کہ مسلم نے حدیث ((لا اشبع الله بطنه)) کے بعد ایک اور حدیث روایت کی ہے جو بخاری اور دیگر کتب حدیث میں بھی صحابۂ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ میں بشر ہوں۔ کسی بندے کو سخت سست کہہ دوں یا اسے مار دوں یا اس پر بددعا کر دوں اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو اسے کفارہ اور قیامت کے دن قربت کا ذریعہ بنا دے۔ اس طرح امام مسلم نے پہلی حدیث اور اس حدیث کو جوڑ کر حضرت معاویہ کے لیے فضیلت ثابت کی ہے۔ یہ ان کی عظیم فقہ ہے۔ علما نے بھی ان کا یہ استدلال درست مانا ہے۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم دے اور انہیں عذاب سے بچا۔ [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو بات پہلے کہی تھی کہ ''اگر اللہ تمہیں کوئی خلعت پہنائے تو تم کیسے رہو گے۔'' یہ بات معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں پیوست تھی۔ وہ اپنے آپ سے پوچھتے رہتے تھے۔ ''کیا کسی دن وہ مسلمانوں کی حکومت کے والی ہوں گے؟''

یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ابھی وہ ایک اناڑی نوجوان ہیں اور جہاد اور تفقہ فی الدین میں پیش قدمی کرنے والے ان سے سبقت لے جا چکے ہیں۔

پھر وہ اس خیال کو اپنے سر سے جھٹک دیا کرتے۔ جی میں سوچتے۔ کیا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات نہیں کہی ہے؟ اور ظاہر ہے کہ نبی تو بہر حال حق ہی کہتے ہیں۔ اس لیے اس سے کیوں بحث کریں کہ یہ چیز کیوں کر ہو گی؟ لیکن وہ مشکلات کیا ہیں جن کی طرف آپ نے اشارہ کیا تھا انہیں جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اپنی نگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ڈال سکیں۔ پھر یہ جرأت کیسے ہو سکتی تھی کہ آپ سے ان پیچیدگیوں کے بارے میں سوال کریں۔

یہ بات ممکن تو اسی وقت ہے جب آپ (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) تنہا ہوں، لیکن کیا اس وقت بھی آپ سے بات چھیڑنے کی جرأت کی جا سکتی ہے؟ آخر ایک دن موقعہ آ ہی گیا۔

ہوا یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے...... اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوٹا اٹھایا کرتے تھے...... معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرانے کے لیے جھٹ لوٹا اٹھایا ان کا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دبدبے سے دھڑک رہا تھا۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر پانی انڈیل رہے تھے اور سینہ و قلب میں خیالات

---

[1] مسند احمد عن عرباض بن ساریہ: اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔

کی گردش ہو رہی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا پوچھیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بغور دیکھا۔ معاویہ نے شرم وہیبت سے نگاہیں نیچی کرلیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے دوبارہ معاویہ کو دیکھا اور فرمایا:

معاویہ! اگر تمہیں حکومت کا کوئی کام سونپا جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا۔ [1]

یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ خوشی سے سرشار ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر پانی انڈیلتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک بار پھر دیکھا اور فرمایا:

سنو! تم میرے بعد جلد ہی میری امت کے کام کے والی ہو گے۔ جب ایسا ہو تو تم ان کے نیکوکاروں سے قبول کرنا اور غلط کاروں سے درگزر کرنا۔ [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صریح بات سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ انہیں مسلمانوں کی حکمرانی کی آزمائش میں پڑنا ہوگا۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات نہ بھولی تھی کہ اس میں پیچیدگیاں ہوں گی۔

کیوں نہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی دعا حاصل کرنے کے لیے تعرض کریں جس سے پیچیدگیاں جاتی رہیں اور ان کے نفس کو راحت مل جائے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس دعا کا انتظار کیا اور وہ بعد میں حاصل ہو گئی۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ کی موجودگی میں معاویہ کو کہا۔ اے اللہ! تو اسے ہدایت پانے اور ہدایت دینے والا بنا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے۔ [3]

---

[1] اسے ابن کثیر نے بسند ابی یعلیٰ ابن ابی دنیا اور ابن مندہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور احمد نے روح عن عمرو بن یحییٰ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

[2] ابن کثیر عن غالب القطان عن الحسن۔ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں ((اذا ملکت فاحسن)) جب تم حکمران ہونا تو اچھائی کرنا۔ [3] ترمذی۔

اب معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم سیکھنے اور آپ کے طور وطریق سے استفادہ کرنے پر پوری توجہ مرکوز کر دی۔ ان کے علمی شغف میں اس خوشگوار کلمہ کو سن کر مزید اضافہ ہوا۔ جو رسول اللہ نے طلب علم اور تفقہ فی الدین کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ معاویہ نے آپ سے ایک روز سنا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

''جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ رکھتا ہے اسے دین میں تفقہ دے دیتا ہے اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، دیتا اللہ عزوجل ہے۔''

''اور یہ امت اللہ کے دین پر برابر قائم رہے گی۔ ان کی مخالفت کرنے والے ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے۔'' [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ کو دنیا اتنی حاصل ہو چکی تھی کہ اب وہ ان کے لیے کافی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال غنیمت سے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرما دی تھی۔

اب ان کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اور آپ سے استفادہ کی خوب کوشش کریں۔ ان کے دل میں یہ خیال پیوست تھا کہ اپنی جاہلیت کی پستیوں سے چھٹکارا پا جائیں۔ وہ جاہلیت میں شراب پیتے تھے۔ ریشم پہنتے تھے۔ اور جاہلی مراسم سے دلی لگاؤ رکھتے تھے۔ لیکن اب ان کو نکال پھینکنا چاہتے تھے۔ ہر بات جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے۔ کان لگا کر سنتے اور جامۂ عمل پہناتے۔

شراب کی حرمت انہیں کتاب اللہ ہی سے معلوم ہو چکی تھی لیکن اس بارے میں آپ نے ایک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی سنی جس نے ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ وہ بات یہ تھی۔

''ہر نشہ آور چیز ہر مومن پر حرام ہے۔'' [2]

لہٰذا اب رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کریں۔ جو نشہ آور ہو یا جس میں نشہ کا شبہہ ہو۔

---

[1] بخاری۔ [2] ابن ماجہ: عن معاویہ، حدیث نمبر ۳۳۸۹۔

ان کے ذہن میں لباس کے متعلق ایک سوال اٹھا کیونکہ بیشتر مسلمان حتیٰ کہ جو لوگ مالدار تھے وہ بھی ناز و نعمت سے دور تھے وہ اپنے آپ سے پوچھتے کہ آیا یہ دنیا کی نعمتوں سے بے رغبتی کا نتیجہ ہے یا یہ حرام ہے۔ اس لیے لوگ اس سے بچ رہے ہیں۔ وہ اس میدان میں حلال و حرام کو جاننا چاہتے تھے۔ ایک روز انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا۔ آپ ریشم کا کپڑا پہننے اور سونے کی انگوٹھی لگانے سے منع کر رہے تھے انہیں حکم شرعی معلوم ہو گیا، لیکن انہوں نے ایک روز اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

''تم لوگ ریشم اور چیتے کی کھال کی سواری نہ کرو۔'' [1] (یعنی سواری کی پیٹھ پر اسے بچھا کر نہ بیٹھا کرو)

انہیں معلوم ہو گیا کہ اس معاملہ کا دائرہ ان کی توقع سے زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ ممانعت صرف لباس پر منحصر نہیں ہے بلکہ دوسرے استعمالات اور فخر و مباہات کو بھی شامل ہے۔ چاہے وہ جسم پر استعمال ہو یا زین پر یا گھر میں (بچھانے کے لیے) اس طرح معاویہ کو لباس کے بارے میں اللہ کا حکم معلوم ہو گیا۔ اور اس دائرہ میں بھی انہوں نے حلال و حرام کی حد جان لی۔

ایک روز معاویہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ خود ستائی کی مذمت کر رہے تھے۔ انہیں یہ سن کر اضطراب ہوا کیونکہ وہ اپنی مدح و تعریف پسند کرتے تھے۔ انہیں یہ بھی پسند تھا کہ جو لوگ تعریف کے مستحق ہیں ان کی تعریف کی جائے۔

جی ہاں! ان کے کان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گونجا:

''اپنی تعریف کرنے، کرانے سے بچو۔''

اور اس تحذیر کے پیچھے ہی آپ کا یہ ارشاد تھا۔ ''کیونکہ یہ ذبح ہے۔'' [2]

معاویہ تنہائی میں دیر تک اس نہی کی حکمت سوچتے رہے۔ کافی دیر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس نہی کا تعلق جھوٹی تعریف اور ایسی خوشامد سے ہے جو دل میں نفاق لگاتی ہے اور

---

[1] سنن ابی داؤد: عن معاویہ، ج۲ ص ۳۸۸، باب جلود النمور والسباع۔

[2] ابن ماجہ: عن معاویہ، ص۱۲۳۲ حدیث ۳۷۴۳ یہ حدیث حسن ہے۔

مال کے لالچ اور مجد کی رغبت میں باطل اور اہل باطل کی مدح سرائی سے ہے کیونکہ آپ کو اپنے رفقاء سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مدح سرائی کرنے والوں کے منہ پر مٹی جھونک دو۔''

اور یہ وہی لوگ ہیں جو امرا، بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کے دریوزہ گر بن کر ان کی ہر طرح کی جھوٹی سچی تعریف کرتے ہیں تاکہ ان کے مال و دولت تک رسائی حاصل کر سکیں۔

لیکن اسی طرح انہیں اللہ جل شانہ کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انسان کی حقیقی قیمت لوگوں کی وہ رائے نہیں ہے جو اس کے بارے میں قائم کی گئی ہو۔ بلکہ وہ درجہ و مقام ہے جو اسے اپنے رب کے پاس حاصل ہو اور یہ علم اس وقت حاصل ہوا جب انہوں نے اللہ کے اس ارشاد کی تلاوت کی کہ ﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ۝﴾ [۵۳/النجم:۳۲] اپنی پاکی بیان نہ کرو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے جو راستباز ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدح و ستائش کے بارے میں اسلامی ادب بھی سیکھا اور اس کی صورت یہ ہے کہ جس کی تعریف کرنا چاہیں اس کے بارے میں یوں کہیں کہ ''میں اسے ایسا سمجھتا ہوں اور اللہ کو اس کی حقیقت معلوم ہے۔ اور میں اللہ پر کسی کا تزکیہ نہیں کرتا۔''

انہوں نے (مدح و ستائش کو) ذبح کہے جانے کا مطلب بھی سمجھا کہ اس سے ممدوح کے نفس میں جان لیوا خود فریبی پیدا ہوتی ہے جو ذبح کے انتہائی مشابہ ہے کیونکہ آپ نے اسی جیسا مفہوم اپنے بعض رفقاء سے سنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص نے اپنے ساتھی کی مدح سرائی کی تو آپ نے اس سے کہا:

''تم نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ لی۔''

معاویہ رضی اللہ عنہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا نفس دن بدن پاک ہو رہا ہے اور ساعت بہ ساعت مصفیٰ ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ صہبائے بخت سے شاد کام ہو رہے تھے اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے نہایت باریکی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہونے کی بھرپور کوشش کر

رہے تھے بلکہ اپنے رفقاء کو بھی اس کی تبلیغ کرتے تھے تا کہ وہ بھی اس پر عمل پیرا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ جب لوگ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے تو وہ اسے بڑی سعادت سمجھتے تھے لیکن اب جوں ہی ان کا کوئی ماننے والا کھڑا ہوتا اسے بیٹھ جانے کا حکم دیتے۔ لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی۔ آپ سے پوچھا کہنے لگے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے فرما رہے تھے۔ جسے اس بات پر مسرت ہوتی ہو کہ لوگ اس کے حضور کھڑے رہیں۔ اسے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالینا چاہیے۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ سلبیات سے ایجابیات کی طرف منتقل ہوئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تنفیذ کے خواہاں تھے کہ ''میں تمہیں جس بات سے روکوں اس سے رک جاؤ اور جس کا حکم دوں اسے جہاں تک ہو سکے بجالاؤ۔'' چنانچہ انہوں نے ہر اس بات سے پرہیز کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ انہوں نے اپنے آپ کو جاہلیت کے آثار سے صاف ستھرا کیا اور اب وہ اس رخ پر قدم بڑھا رہے تھے کہ عمل صالح کے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ کریں۔ ان کی آرزو تھی کہ عمل کی بنیاد پاک صاف ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک وصاف چیز ہی کو قبول کرتا ہے خصوصاً جبکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سن رکھا تھا:

> ''اعمال تو برتن کی طرح ہیں جب اس کا نچلا حصہ نفیس ہوگا تو اوپر والا بھی نفیس ہوگا اور جب نیچے والا فاسد ہوگا تو اوپر والا بھی فاسد ہوگا۔'' [2]

چنانچہ ایک روز معاویہ مسجد میں تشریف لائے اور خوش و پرسکون نفس کے ساتھ اپنے رفقاء کے ہمراہ بیٹھ کر اللہ عزوجل کو یاد کرنے لگے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر رونق افروز ہوئے۔ فرمایا: تم لوگ کیوں بیٹھے ہو؟ وہ لوگ بولے! ہم بیٹھے اللہ کو یاد کررہے ہیں اور اس بات پر اس کی حمد کررہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی اور احسان کیا۔ آپ نے فرمایا: واللہ تم لوگ اس کے سوا کسی اور سبب سے نہیں بیٹھے ہو؟

---

[1] سنن ترمذی: عن معاویۃ بن سفیان باب کراھیۃ القیام نمبر ۲۹۰۳۔ یہ حدیث حسن ہے۔

[2] سنن ترمذی: ابواب الدعوات، یہ حدیث بھی حسن ہے۔

انہوں نے کہا۔ واللہ! ہم لوگ اس کے علاوہ کسی اور سبب سے نہیں بیٹھے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! میں نے تم لوگوں سے اس لیے قسم نہیں لی تھی کہ تم لوگ مشکوک ہو۔ بلکہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ اللہ اپنے فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے۔ [1]

معاویہ نے نماز کے مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات یاد کر رکھی تھی کہ:
''تم لوگ مجھ سے پہلے رکوع اور سجدہ میں نہ جاؤ میں رکوع میں جاتے ہوئے تم سے جتنی سبقت کروں گا۔ جب سر اٹھاؤں گا تو تم اتنا پا جاؤ گے۔ اور سجدہ کرتے ہوئے تم سے جتنی سبقت کروں گا سر اُٹھانے پر تم اتنا پاؤ گے۔ اب میرا جسم بوجھل ہو چکا ہے۔''
اور موذنین (اذان دینے والے) کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد یاد رکھا:
''قیامت کے روز موذنین سب سے لمبی گردن والے ہوں گے۔''
اور بھی بہت سی احادیث یاد تھیں لیکن تین احادیث کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نفس پر نہایت گہرا اثر تھا اور یہ اثر ان کی زندگی کے تمام ادوار میں واضح رہا۔

پہلی حدیث:

''اس جماعت سے متعلق جو حق پر غالب رہے گی اس کی مخالفت کرنے والے اسے ضرر (نقصان) نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اس اللہ کا امر (قیامت) آجائے۔''

دوسری حدیث:

''یاد رکھو! تم سے پہلے جو اہل کتاب تھے وہ بہتر (۷۲) ملتوں میں تقسیم ہو گئے اور یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ بہتر جہنم میں ہوں گے اور ایک جنت میں اور یہی جماعت ہے۔ (عمرو بن یحییٰ نے اتنا مزید اضافہ کیا

[1] سنن ترمذی: ابواب الدعوات، یہ حدیث حسن ہے۔

ہے) میری امت میں ایسی قومیں نکلیں گی جن کے اندر یہ خواہشات اس طرح
سرایت کر جائیں گی جس طرح کتے کے کاٹنے کا زہر آدمی میں سرایت کرتا ہے
اس کی کوئی رگ و پے باقی نہیں رہتی مگر اس میں گھس جاتا ہے۔''

تیسری حدیث:

''ہجرت بند نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ توبہ بند ہو جائے اور توبہ بند نہیں ہو سکتی
یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو انتہائی حرص تھی کہ وہ اسی حق پر قائم رہنے والے طائفہ سے ہوں اسی طرح انہیں اس کی بھی حرص تھی کہ فرقۂ ناجیہ سے ہوں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فرقۂ ناجیہ وہی فرقہ ہے جو حق پر ثابت قدم ہو اللہ کے حکم کے ساتھ قائم ہو اور اس بات کو وہ اپنی سعادت سمجھتے تھے کہ اس طائفہ کے امیر ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارت دی تھی کہ وہ حکمران ہوں گے اور اللہ انہیں ایک خلعت پہنائے گا۔

لیکن اس کا حصول جہاد ہی کی راہ سے ممکن تھا کہ اللہ کی سرزمین پر پیش قدمی کرتے چلے جائیں۔ اپنے قدموں کو اللہ کی راہ میں غبار آلود کریں۔ ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف ہجرت کریں اور ایک معرکے سے دوسرے معرکہ میں منتقل ہوں۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوں ہی اس دنیا سے تشریف لے گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ جتنا کچھ آپ کے علم سے فیضیاب ہو چکے تھے مجاہدین کے زمرے میں صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

انہوں نے اپنی طبیعت کو اس بات پر اچھی طرح مطمئن کر دیا تھا کہ دعوت اسلامی کے معاندین اہل مکہ کے ایک فرد کی حیثیت سے ان کی زندگی کا جو پچھلا دور گزر چکا ہے اسے لپیٹ کر رکھ دیں اور یہ پروا کئے بغیر جہاد کے خطرات میں کود پڑیں کہ اس کے نتیجے میں کن کن مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑے گا اور قربانیاں دینی پڑیں گی۔

ان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ

''دنیا میں محض فتنے اور آزمائشیں باقی رہ گئیں ہیں۔''

اللہ کی راہ کے سپہ سالار

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے دستوں نے جہاد کی طرف جانا شروع کیا۔ مکہ کے جوان پر لازم تھا کہ آگے بڑھ کر اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں کیونکہ اللہ کی راہ سے روکنے کا جو کام اس نے کیا تھا وہ بہت تھا۔ اب ضروری تھا کہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرے اور شرک سے اسی طرح معرکہ آرائی کرے جیسے اسلام سے کی تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک مدت دراز سے مکہ کی ساری کمان ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی لیکن اب وہ بوڑھے عمر رسیدہ ہو چکے تھے اس لیے طبعی طور پر نگاہیں ان کے بیٹے یزید کی طرف اٹھ رہی تھیں کہ جن سالاروں کو پر خطر فتوحات کی مہمیں سونپی جارہی ہیں ان میں سے ایک یزید بھی ہوں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو ملک شام کے دارالحکومت دمشق کی فتح کے لیے منتخب کیا۔ جمہور عوام یزید کے ہمراہ تھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انہیں رخصت کرنے کے لیے پیدل چلتے ہوئے مدینہ سے باہر تک تشریف لے گئے۔ حالانکہ یزید سوار تھے۔ انہوں نے خلیفہ سے کہا! یا تو آپ سوار ہو جائیں یا میں اتر جاؤں۔

خلیفہ نے جواب دیا۔ نہ میں سوار ہوں گا نہ تم اتر سکتے ہو۔ میں اپنے ان قدموں کو فی سبیل اللہ اور کارِ ثواب سمجھ رہا ہوں خلیفہ یہ نہیں بھولے کہ ان کی مشایعت اپنی مشہور تاریخی وصیت کے ساتھ کریں جو یہ تھی:

اے یزید! تم جوان ہو۔ خیر کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہو۔ تم سے دیکھا جا چکا ہے اور یہ کسی ایسی چیز کی وجہ سے ہے جو تم نے تنہائی میں اپنے دل کے اندر سوچی ہے، اب میں تمہیں آزمانا چاہتا ہوں اور تمہارے اہل وعیال سے باہر بھیج رہا ہوں۔ غور کرلو کہ تم کیسے رہو گے؟ اور تمہاری ولایت کیسی رہے گی۔ اگر تم نے اچھا کام کیا تو تمہیں اور بڑھاؤں گا اور اگر برا کیا تو معزول کر دوں گا۔ [1]

---

[1] حیاۃ الصحابہ: شائع کردہ دارالقلم، ج ۲ ص ۲۶۷۔

اور تم اللہ کے تقویٰ کا التزام کرنا کیونکہ جس طرح تمہارا ظاہر دیکھا جاتا ہے تمہارا باطن بھی دیکھا جائے گا۔ جاہلیت کی نخوت وغرور سے پرہیز کرنا کیونکہ اللہ اس نخوت کو مبغوض اور صاحب نخوت کو مبغوض رکھتا ہے اور جب اپنے لشکر پر آنا تو ان سے اچھی مصاحبت رکھنا۔ ان کے ساتھ خود بھلائی کا آغاز کرنا اور اس کا وعدہ کرنا اور جب تم پر تمہارے دشمن کے قاصد آئیں تو ان کی عزت کرنا اور انہیں تھوڑی دیر ٹھہرانا تاکہ وہ تمہارے لشکر سے ناواقف رہتے ہوئے نکل جائیں۔ اپنے آدمیوں کو ان سے گفتگو کرنے سے روکنا اور بات چیت کا کام خود انجام دینا۔ رات میں اپنے ساتھیوں کے درمیان باتیں کرنا۔ تمہیں خبریں ملیں گی۔ پہرہ دینے والوں کی تعداد زیادہ رکھنا اور انہیں لشکر میں جا بجا متعین کر دینا۔ تمہیں ایسی قومیں بھی ملیں گی جنہوں نے اپنے آپ کو گرجوں میں محدود کر رکھا ہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ [1]

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اس میں کوئی سبکی محسوس نہ ہوئی کہ غازیوں کے اس لشکر کے ساتھ روانہ ہوں۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ جب علم ان کے صاحبزادے یزید نے اٹھا رکھا ہے۔ تو گویا انہیں کے ہاتھ میں ہے انہوں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس حسن سلوک کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے لیے دعائے خیر کی اور کہا کہ ان کی صلہ رحمی ہو۔

انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح سر سے پاؤں تک پیمانے بدل گئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ...... جن کے متعلق ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آغاز میں کہا تھا کہ وہ قریش کے سب سے کمزور اور چھوٹے قبیلے کے آدمی ہیں...... آج حکومت اسلامی میں انہیں کی آواز سب سے اونچی تھی اور قریش کے اکابر، ابوسفیان کے بیٹے یزید کے جھنڈے تلے سپاہی کی حیثیت سے جا رہے تھے۔ رفتہ رفتہ خطرہ قریب ہوتا جا رہا تھا اور مسلمان ہر روز دشمن کے فوجی دستوں کا سامنا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ فیصلہ کن ٹکراؤ کا وقت آ گیا۔ جن کی حکمت عملی کی تعیین کے لیے بڑے بڑے کمانڈر یزید، شرجیل، عمرو، خالد اور ابوعبیدہ

[1] الکامل لابن اثیر۔

جمع ہوئے ابوسفیان کو اس کی اطلاع ملی...... اور حالت یہ تھی کہ ان کے دل میں ماضی قریب کی یاد کروٹیں لے رہی تھی جب ان کے بغیر نہ کوئی رائے طے پاتی تھی اور نہ کوئی مشورہ قطعی ہوتا تھا...... انہوں نے اپنے دل کی دھڑکنیں ان افکار کے حوالہ کیں اور کمانڈروں سے ملاقات کے لیے چل پڑے تا کہ مسلمان اور رومیوں کے درمیان پیش آنے والے تند و تیز معرکے کی منصوبہ بندی کی جائے۔

یزید نے گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا۔ عمرو اور خالد نے بھی یہی کیا۔ یہ لوگ پچھلی جنگوں میں اس کے رفیق رہ چکے تھے...... یہاں ابوسفیان نے یہ رائے پیش کی کہ لشکر تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ یہاں سے روانہ ہو کر سیدھا رومیوں کے سامنے ڈیرا ڈال دے۔ دوسرا حصہ بھاری بھرکم سامان اور عورتوں بچوں کو لے کر روانہ ہو اور تیسرا حصہ خالد کی کمان میں پیچھے رہے۔

ٹکراؤ کا وقت قریب آ گیا۔ رومی تعداد میں مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ جذبات کو حرکت دی جائے اور صلاحیتیں جس آخری حد تک ممکن ہو بروئے کار لائی جائیں۔

کئی کمانڈروں نے تقریریں کیں۔ ابوسفیان جو اس قوم کے شیخ تھے ان کی تقریر بھی ضروری تھی انہوں نے اپنی دونوں آنکھوں کے سامنے اسلام کے جھنڈے تلے چالیس ہزار مسلمانوں کا لشکر موجود پا کر کہا:

"مسلمانوں کی جماعت! تم لوگ عرب ہو لیکن گھر بار سے کٹ کر، امیر المومنین سے دور اور مسلمانوں کی امداد سے پرے ایک عجمی ملک میں آ پڑے ہو۔ پھر تمہارا مقابلہ ایک ایسے دشمن سے ہے جس کی تعداد زیادہ اور جس کا جوش عداوت سخت ہے۔ تم نے ان کی جان، ان کے ملک اور ان کی عورتوں کے سلسلے میں انہیں سخت نقصان پہنچایا ہے۔ خدا کی قسم! سچی ٹکر اور ناگوار مواقع پر ثابت قدمی کے سوا تمہیں کوئی چیز ان لوگوں سے بچا نہیں سکتی اور کل

کو خدا کی رضا تک پہنچا نہیں سکتی۔ یاد رکھو کہ یہی سنت لازمہ ہے۔ تمہارے پرے زمین ہے اور تمہارے درمیان اور امیر المومنین اور مسلمانوں کی جماعت کے درمیان ایسے ایسے ریگستان اور بیاباں ہیں کہ وہاں اللہ کے وعدہ کی امید میں ثابت قدم رہنے کے سوا کسی کے لیے کوئی پناہ گاہ ہے نہ جائے اعتماد۔ بس اللہ ہی بہترین بھروسہ کے لائق ہے۔ اپنی تلواروں سے اپنا بچاؤ کرو اور باہم ایک دوسرے کا تعاون کرو۔ یہی تمہارا قلعہ ہونا چاہیے۔" [1]

اس کے بعد عورتوں کے پاس گئے۔ انہیں وصیت کی۔ پھر پلٹے اور پکار کر کہا:

"اے اہل اسلام! وہ چیز سامنے آ گئی ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ آگے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جنت ہیں۔ پیچھے شیطان اور جہنم۔" [2]

معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس مسلمان لشکر کے ایک سپاہی تھے۔ پہلی بار روم سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے کمر کس رہے تھے اور اپنے بھائی یزید کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار دیکھ کر اپنے نفس میں راحت محسوس کر رہے تھے۔

انہیں اس معرکہ میں عجیب گرمجوشی اور گہری پیش روی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس جنگ میں شجاعت اور دلیری سے مار دھاڑ کر رہے تھے۔ آج وہ جس عظیم مقصد کے لیے مر رہے تھے اس میں اور اپنے نفس کی گہرائیوں میں کامل ہم آہنگی محسوس ہو رہی تھی۔ آج اس ناگوار دورنگی کا احساس ختم ہو چکا تھا جو اس دن انہیں ستا رہی تھی جس دن انہیں اسلام کی سچائی کا یقین آ گیا تھا لیکن ماں باپ کے خوف سے اس کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے تھے جس دن ان کی ماں ان کے باپ کے تعلق سے یہ دھمکی دے رہی تھیں کہ وہ ان کی روزی کاٹ دیں گے اور جس دن ان کے باپ انہیں عار دلا رہے تھے کہ ان کا بھائی یزید اپنے باپ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج ۷ ص ۹۔

[2] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج ۷ ص ۹۔

کے دین پر رہتے ہوئے ان سے بہتر ہے۔

وہ جس بات پر ایمان لا چکے تھے اور جس راہ پر چلنے کے لیے مجبور تھے ان دونوں کے درمیان اس عرصہ میں کس قدر نفسیاتی قلق اور اندرونی کشمکش برداشت کر چکے تھے لیکن آج وہ کتنے خوش قسمت تھے۔ آج ان کے باپ ان کی ماں اور ان کا بھائی سب اللہ کی راہ کے سپاہی تھے۔

سب سے زیادہ خوش کن ان کے والد کا خطبہ تھا۔ جو انہوں نے سنا تھا اس سے ثابت ہوتا تھا کہ جاہلیت کا اثر ان سے پورے طور پر جا چکا ہے۔ آج وہ جن معانی کے دروازے پر دستک دے رہے تھے اور جن قدروں کی وضاحت کر رہے تھے وہ خالص اسلامی تھیں۔ آج ان کی گفتگو امیر المومنین اور جماعت مسلمین کے تعلق سے تھیں۔ آج کی بات اس ہبل کی طرف پلٹے بغیر ختم ہو گئی تھی جس کے نام کا احد کے دن نعرہ لگایا تھا اور فتح مکہ کے دن چکنا چور کر دیا گیا تھا۔ آج ابوسفیان نے قریش اور اس کے معبودوں کی بات نہیں کی تھی۔ عُزیٰ کا ذکر نہیں کیا تھا جس پر اُحد کے دن فخر کرتے ہوئے مسلمانوں کو پکار کر کہا تھا: ''ہمارے پاس عزیٰ ہے۔ تمہاری پاس عزیٰ نہیں۔'' آج وہ اللہ کے دشمن رومیوں کے بالمقابل مسلمانوں کو ان کی عظیم ترین آرزو اللہ اور جنت کی نشان دہی کر رہے تھے اور ان کے خوفناک دشمن، شیطان اور جہنم ...... سے ڈرا رہے تھے۔

ابوسفیان نے اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ جب ان کی سوچ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑی ہوئی جنگوں کا بادل منڈلاتا تو اسلام کے دامن میں ان کی پناہ گیری زیادہ سے زیادہ بڑھ جاتی۔ وہ چاہتے کہ شہید ہو کر اپنے رب کے حضور جا رہیں تا کہ انکے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے چنانچہ وہ الگ الگ ہر ٹکری کے پاس جا کر تقریر کرتے نصیحت کرتے اور کہتے اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو۔ تم لوگ عرب کے محافظ اور اسلام کے مددگار ہو اور وہ لوگ روم کے محافظ اور شرک کے مددگار ہیں۔ یا اللہ! یہ تیرے دنوں میں سے ایک دن ہے۔ یا اللہ! اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما۔ [1]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج ۷ ص ۹۔

سخت اور بے رحم مار دھاڑ چل رہی تھی۔ ابوسفیان جنگ کی ہولناکی دیکھ کر بے قرار ہوتے جا رہے تھے وہ چاہتے تھے کہ مجاہدین کی ساری صلاحیتوں کو ٹھیک ٹھیک رخ پر لگا دیں۔ تا کہ وہ اپنی امکانی قوتوں کے جواہر دکھا سکیں کیونکہ جنگ کی خونریزی نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دبنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ دبتے دبتے وہ عورتوں کی قیام گاہ تک جا پہنچے تھے ادھر شرحبیل بن حسنہ اور ان کے ساتھیوں نے میدان چھوڑ دیا تھا لیکن انہیں خالد کی ایک نصیحت پہنچی جس نے ان کے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ [۹/التوبۃ:۱۱۱]

''اللہ نے اہل ایمان سے جنت کے بدلے ان کی جان اور ان کا مال خرید لیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑائی کرتے ہیں۔ پس مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر یہ برحق وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور جو اللہ سے کیے ہوئے اپنے وعدہ کو پورا کرے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر خوش ہو جاؤ جو اللہ سے تم نے کی ہے اور یہی عظیم کامیابی ہے۔''

ابوسفیان کو یہ پسپائی خطرناک محسوس ہوئی۔ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں ان کا بیٹا یزید بھی پسپا نہ ہو جائے۔ تو عار اور نار (جہنم) دونوں سے دوچار ہونا پڑے۔ اس لیے ادھر کا رخ کیا لشکر کو چیرتے ہوئے ان کے قریب جا پہنچے اور انہیں نصیحت کرنے لگے:

بیٹے! اللہ کا تقویٰ اور ثابت قدمی کا التزام کرو۔ اس وادی کا ہر مسلمان جنگ سے گھرا ہوا ہے۔ اس لیے سوچو کہ تمہارا اور تمہارے جیسے دوسرے ذمہ داروں کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ یہ لوگ تو سب سے بڑھ کر حق دار ہیں کہ ثابت قدم اور خیر خواہ ہوں۔ اس لیے اے بیٹے! اللہ سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم سے بڑھ کر کوئی شخص اجر کا خواہاں اور جنگ میں ثابت قدم رہنے والا ہو اور نہ

تم سے بڑھ کر کوئی شخص دشمنان اسلام کے بالمقابل جرأت مند نظر آئے۔ [1]

یزید اپنے والد کے بارے میں اس وقت سب سے خوش نصیب تھے۔ جب وہ انہیں اللہ یاد دلا رہے تھے۔ چنانچہ اب وہ اپنے اعصاب پر قابو اور اپنی آنکھیں شاد کرتے ہوئے بولے میں ان شاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔

اور واقعی یزید اچھی طرح ثابت قدم رہے اور اپنے والد کے حسن ظن کے مطابق ثابت ہوئے۔ انہوں نے قلب لشکر میں رہ کر بڑی زوردار جنگ کی۔

آوازیں خاموش ہو چکی تھیں۔ صرف نیزوں کے ٹکرانے اور زمین پر جسموں کے گرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر وہی ہوا جسے سعید کے والد مسیّب نے بیان کیا ہے:

''جنگ یرموک میں آوازیں خاموش تھیں اچانک ہم نے ایک آواز سنی جس سے پورا لشکر گونج اٹھا۔ آواز کہہ رہی تھی اے نصرت الٰہی! قریب آ جا۔ مسلمانوں کی جماعت! ثابت قدم رہو، ثابت قدم رہو۔''

مسیّب کہتے ہیں۔ ہم نے دیکھا تو یہ اپنے بیٹے یزید کے جھنڈے تلے ابوسفیان بن حرب تھے۔ [2]

جانبازوں نے بڑی جانبازی دکھلائی۔ عکرمہؓ بن ابی جہل نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو آواز دی۔ کون ہے جو مجھ سے اقدام اور موت پر بیعت کرے گا چار سو مسلمانوں نے ان سے اس بات پر بیعت کی انہوں نے پھر جانباز مسلمانوں کو آواز دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر محاذ پر جنگ کی تھی۔ بھلا آج ان کو چھوڑ کر بھاگوں گا۔ کون مجھ سے موت پر بیعت کر رہا ہے! جانبازوں کا جتھا ایک ایسا قلعہ ثابت ہوا جس کی چوکھٹ پر روم کے سارے حملے دم توڑ کر ناکامی کے ساتھ پسپا ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اس کے بعد اپنے مسلسل حملے جاری رکھے اور اللہ نے فتح کا دروازہ کھول دیا۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج ۷ ص ۹۔

[2] البدایۃ والنہایۃ: ج ۷ ص ۱۴۔

حاکم دمشق یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

عظیم المرتبت خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو الوداع کہتے وقت جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کو خیرباد کہا اس وقت خلیفہ موصوف نے ابوسفیان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ دمشق پر مسلمانوں کو فتح دے گا تو دمشق کی حکومت (گورنری) ان کے بیٹے یزید بن ابی سفیان کو ملے گی۔ جس دن دمشق پر چاروں طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ تھا اس دن کے محاصرہ میں یزید اور ان کے معاون فوجی جابیہ کے باب صغیر (یعنی دمشق کی دیوار پناہ کے ایک خاص دروازہ) پر متعین تھے، چنانچہ دمشق فتح ہوا تو اس کی گورنری حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ملی۔

گورنر دمشق بننے کے بعد حضرت یزید رضی اللہ عنہ آرام و راحت کی طرف مائل نہیں ہوئے کیونکہ ان کے آس پاس کی آبادی ابھی تک کفر پر قائم تھی وہاں ابھی اسلامی فتوحات کی رسائی نہیں ہوئی تھی لہٰذا حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ایک فوجی مہم کے ساتھ شہر تدمر کو سر کرنے کے لیے روانہ کیا اور حضرت ابوالزہراء قشری رضی اللہ عنہ کو بثنیہ و حوران کی طرف بھیجا اور وہاں کے باشندوں سے مصالحت کی۔ [1] حوران و تدمر ہی پر معاملہ ختم نہیں ہوا بلکہ بقول ابوعبید قاسم بن سلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دمشق اور عام شامی شہروں کو بذریعہ صلح فتح کیا اور باقی شامی خطے اور علاقے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ [2]

شامی شہروں میں سے عظیم ترین شہر دمشق اور اس کے ماتحت آس پاس والے علاقوں کی حفاظت حضرت یزید کے ذمہ تھی دمشق ہی میں رومی حکام اور قائدین قیام کیا کرتے تھے جس دن رومیوں نے دمشق کو چھوڑا تھا اس دن انہوں نے تلخ ترین چبھن اور تکلیف محسوس کی تھی اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حمص کو فتح کرنے کے لیے جا چکے تھے رومی لشکر کا

---

[1] البدایۃ والنہایہ لابن کثیر ج ۷، ص ۲۴۔ [2] البدایۃ والنہایہ لابن کثیر ج ۷، ص ۲۴۔

سالار ''توذرا'' مسلمانوں سے بری طرح اپنی شکست خوردگی پر غصہ وندامت سے اپنی انگلیاں چبا رہا تھا اور بڑی گہری فکر میں مشغول تھا اس نے سوچا کہ دمشق کی حفاظت کرنے والے مسلم فوجی بہت کم رہ گئے ہیں (کیونکہ اکثر مسلم فوجی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت فتح حمص کی مہم پر جا چکے تھے) اس لیے بخیال خویش اس نے یہ سمجھا کہ اپنی شکست کی عار دھلنے کی صورت یہ ہے کہ دمشق پر حملہ کر کے دوبارہ قبضہ کر لیا جائے اور وہاں کے مسلم محافظین کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی بیدار نگاہ ونظر اس قسم کے اچانک حملہ سے غافل نہیں رہ سکتی تھی اس لیے انہوں نے احتیاطاً کسی بھی اچانک حملے کے مقابلہ کی پوری تیاری کر لی تھی اور اپنی طرف رومی سالار ''توذرا'' کی پیش قدمی سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو باخبر کر دیا تھا رومی لشکر کو ختم کرنے کا یہ سب سے زیادہ قیمتی موقع تھا چنانچہ رومیوں کے مقابلہ کے لیے حضرت یزید اپنے اسلامی لشکر کے ساتھ سامنے سے آئے اور پیچھے سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان پر ٹوٹ پڑے اور گنتی کے چند لوگوں کے علاوہ کوئی بچ نہ سکا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے رومی سالار ''توذرا'' کو قتل کر ڈالا اور مسلمانوں کو رومیوں سے بہت مال غنیمت ملا۔ حضرت یزید دمشق واپس آئے اور خالد بن ولید حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ [1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش تھے مگر ایسے میدان کی طرف نظر رکھتے تھے جہاں وہ اپنی صلاحیتوں اور طاقتوں کا مظاہرہ کر سکیں ادھر اسلامی فتوحات کا دائرہ ہر طرف بڑھتا جا رہا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان فتوحات میں خالص سپاہیانہ کارکردگی کے علاوہ اپنے لیے کوئی دوسرا کام مناسب نہیں پا رہے تھے۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے اندر خلیفہ عظیم کی نگاہیں اس طرح کے نوجوانوں پر لگی ہوئی تھیں وہ ان کے حالات سے باخبر رہنے کا اشتیاق رکھتی تھیں اور انکی طاقتوں کے مخفی خزانہ کو بارآور بنانے کے لیے کوشاں تھیں۔ ان نوجوانوں میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر نگاہیں نہیں جمتی تھیں بلکہ ان کے باپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور بھائی یزید کی طرف اٹھا کرتی تھیں لیکن امیر المومنین عمر بن خطاب امیر معاویہ سے غافل

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج۷ ص۵۲۔

نہیں تھے انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک منفرد تجربے یعنی فتح قیساریہ کے لیے منتخب کیا اور موصوف نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اللہ کی حمد وثنا اور اس کے رسول پر درود وسلام کے بعد واضح ہو کہ میں نے تم کو قیساریہ کا والی بنا دیا ہے تم وہاں جاؤ اور اہل قیساریہ کے خلاف اللہ سے مدد مانگو اور بکثرت ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ'' پڑھو۔ اللہ ہمارا رب ہے اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ اسی سے ہماری امیدیں وابستہ ہیں وہی ہمارا کارساز ہے وہ بہترین کارساز و مددگار ہے۔'' [1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے نوجوان کے لیے اس طرح کا خط ضروری تھا ان کے غرور کو توڑنے کے لیے، اس طرح کا خط اس لیے مناسب تھا کہ نیا عہدہ ملنے سے اس غرور میں حرکت پیدا ہونے کا امکان تھا...... کیا فتح حاصل ہونے پر غرور شباب کے بڑھ جانے کا خطرہ نہیں پیدا ہو جاتا؟

جس طرح کی شخصی تعمیر (شخصیت سازی) امیر المومنین کر رہے تھے وہ ایک ضروری اور لازمی چیز تھی قائد کو اللہ پر بھروسہ رکھنا ضروری ہے اگر مسلمان قائد اس قسم کی باتوں سے تہی دست ہو تو دو میں سے ایک نتیجہ ضرور برآمد ہو گا یا تو فتح کا غرور جس سے گھمنڈ پیدا ہو گا یا پھر ہزیمت کے سبب پست ہمتی اور حوصلہ شکنی پیدا ہو گی اور پہلے ہی معرکہ میں اعصاب کی شکست وریخت ہو جائے گی خصوصاً جبکہ بد خلق جنگجو دشمن سے مقابلہ ہو جس کا مقابلہ ساز و سامان سے نہیں ہوا کرتا اس طرح کی شکست وریخت سے کوئی آدمی تاریخ میں ذی شان نہیں ہو سکتا۔

اسلام عظیم ہی جوانوں کے نفوس کو اللہ تعالیٰ سے ہر قدم پر مربوط رکھتا ہے اور ہر لحظہ مجاہدین کے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی امیدوں سے وابستہ رکھتا ہے۔

خلیفہ کی اس بات سے عقیدہ اسلامی کا مفہوم واضح ہوتا ہے کہ نصرت و فتح صرف اللہ کے دینے سے حاصل ہوتی ہے۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج ۷ ص ۵۳، ۵۴۔

خلیفہ کی یہ بات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں گونجتی رہی وہ دشمن پر کئے جانے والے بھاری حملہ کی قیادت کررہے تھے انہوں نے شہر قیساریہ کا محاصرہ کرلیا لیکن باشندگان قیساریہ کے اعصاب قوی اور مضبوط تھے انہوں نے کئی مرتبہ مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ تلواریں اور نیزے باہم پیوست ہوگئے آخری مقابلہ ایسا تھا کہ زمین گونج اٹھی اور گھوڑ سوار گرنے پڑنے لگے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوجائے مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ثبات قدمی و پامردی اور فتح پر یقین نیز بہادروں سے جنگ آزمائی اور اس زمین پر روشنی ڈالنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے سورج کے طلوع ہونے کے اعلان کی بدولت مسلمانوں کو کامرانی حاصل ہوئی۔

مشرکوں پر لرزہ طاری ہوگیا وہ پیچھے ہٹنے لگے پھر وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے ان پر ہر طرف سے مسلمانوں کی تلواریں پڑ رہی تھیں ہزاروں مقتولین زمین پر ڈھیر ہوگئے مشرکین پر خوف زیادہ چھا گیا اور مومنوں کے دلوں میں ایمان کی نبض تیز ہوگئی۔ اب مشرک لوگ یا تو جان بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے یا موت کا پیالہ پی کر مر چکے تھے مقتولین کی تعداد بہت زیادہ ہوچکی تھی حتی کہ اسی (۸۰) ہزار مشرکین کی ہلاکت پر جنگ کا خاتمہ ہوا بلکہ قتل ہونے والوں کی تعداد اس سے بھی بڑھ کر ایک لاکھ مکمل ہوگئی اور فتح کی خوشخبری نیز اموالِ غنیمت امیر المومنین کی خدمت میں روانہ کردیئے گئے۔ [1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں یہ عظیم الشان فتح اس زمانہ میں ہوئی جب کہ ان کی عمر صرف تینتیس سال تھی یہ ۱۵ھ کا واقعہ ہے۔

امیر معاویہ کے ہاتھوں اگر صرف یہی ایک فتح ہوئی ہوتی تو ان کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے یہ فتح کافی ہوتی لیکن اسلامی جوان روزانہ ایک نئی زمین فتح کیا کرتا ہے۔ [2]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج ۷، ص ۵۴۔ [2] جس معرکہ سے امیر معاویہ نے اپنی فوجی زندگی شروع کی وہ تاقیامت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امیر معاویہ کے حق میں فخر کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ انہوں نے فلسطین میں قتال کیا اور قیساریہ کو فتح کیا جس کے مقتولین ایک لاکھ تھے پھر بھی یہ امانت دار فوجی سربراہ یعنی امیر معاویہ خلیفہ کی طرف سے نئی جنگ کا آرڈر ملنے کے منتظر تھے۔ آج کے زمانہ میں اسی کروڑ مسلمان ہیں مگر فلسطین کی ایک بالشت زمین بھی آزاد کرانے سے عاجز ہیں۔ آخر یہ کس طرح کے مسلمان ہیں؟

اور مشکل معرکہ سر کرتا ہے اگر چہ شام میں فتوحات کا سلسلہ تھم گیا تھا مگر عراق دن و رات فارسیوں کے ساتھ خونخوار جنگ میں شعلہ زن تھا۔ اس طرح شامی فتوحات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہونے سے فتح اکبر کا اعزاز ملا۔

شام میں ۱۶ھ کا سال کسی حد تک سکون کا سال تھا اس زمانے میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فارسیوں کے دارالسلطنت مدائن کے سقوط کے سبب سرزمین اسلام میں مسرت کی لہر دوڑ رہی تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۷ا ھ آیا جو اپنی سلوٹوں میں مسلمانوں کے لیے مصائب و پریشانیاں لیے ہوئے تھا رومیوں نے نئے سرے سے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کیا تاکہ ان کا محاصرہ کریں جیسا کہ انہوں نے اس سے پہلے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ امین الامہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے معاملہ میں احتیاط سے کام لیا اور انہوں نے دار السلطنت مدینہ منورہ سے امداد طلب کی۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نائب بنا کر ارادہ کیا کہ مسلمانوں کی حفاظت اور ان کی طرف سے مدافعت کے لیے حرکت کریں مگر مسلمانوں نے انہیں بنفس نفیس نکلنے سے روک دیا ادھر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مجبوراً جنگ شروع کر بیٹھے اور خطرات کی کوئی پروانہ کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینہ اور عراق کی امداد بھیجنے سے پہلے انہیں فتح حاصل ہوگئی۔

عراق کی مدد دو بھاری جماعتوں میں حرکت کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی ایک گروہ کے قائد قعقاع بن عمرو اور دوسری کے عیاض بن غنم اشعری تھے دریں اثناء امیر المومنین جابیہ تک جا پہنچے اور حمص کی مسلم آبادی ہجوم کو روکنے اور محاصرہ کو توڑنے پر قادر تھی۔

اس سال یعنی ۷ا ھ میں جو دوسری مصیبت و بلا پیش آئی وہ طاعون عمواس ہے۔ یہ طاعون زمین پر ہونے والی بارش کی طرح مسلمانوں کے اوپر نازل ہوا اس طاعون سے لوگ مر کر ڈھیر ہونے لگے۔ یہ وبا جب مشتعل ہوگئی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے لوگوں میں کھڑے ہوئے اور بولے:

"لوگو! یہ وبا تمہارے حق میں رحمت ہے اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نیز تم سے پہلے صالحین کی موت کا سبب ہے...... ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اس وبا میں سے حصہ مانگتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو طاعون لاحق ہوا اور وہ اس میں مر گئے ان کے

جانشین حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہوئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرمایا:

''لوگو! یہ وبا تمہارے حق میں باعث رحمت ہے، یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نیز تم سے پہلے صالحین کی موت کا سبب ہے معاذ رضی اللہ عنہ اللہ سے خواستگار ہیں کہ وہ اس طاعون میں سے معاذ کے متعلقین کا حصہ دے۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اس دعا کے بعد ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن معاذ رضی اللہ عنہ طاعون زدہ ہو کر فوت ہوگئے۔ پھر معاذ نے اپنے لیے دعا کی تو ان کی ہتھیلی میں طاعون کی گلٹی نکل آئی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی طاعون زدہ ہتھیلی کی طرف دیکھتے اور اس کو الٹ پلٹ کر کہتے:

''اے ہتھیلی! تمہارے اندر طاعون والی گلٹی ہے اس کے مقابلے میں مجھے دنیا کی کوئی بھی چیز زیادہ عزیز نہیں ہے۔'' [1]

دمشق بذات خود اس وبا سے دوچار تھا۔ دمشق کے حاکم اس وقت حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے امرا کی وفات پر تکلیف محسوس کرتے تھے اور انہوں نے امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس سے نکالنے کی پوری کوشش کی مگر انہوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کی پیروی کرتے ہوئے ملک شام کو ترک نہیں کیا جس وقت خلیفہ عظیم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابوعبیدہ کا مراسلہ پڑھ رہے تھے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

''کیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا؟''

امیر المومنین نے جواب دیا کہ ان کی موت قریب ہے۔

ابھی چند دن گزرے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے محبوب ترین امیر ابوعبیدہ بن

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ص ۶۹۔

جراح رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مرنے کی خبر موصول ہوئی اور اردن و دمشق بلا امیر رہ گئے۔

اردن پر حضرت شرجیل بن حسنہ حاکم بنا دیئے گئے جو پہلے سے ایک امیر اور شام کی فتوحات میں اپنے دوسرے بھائیوں کے شریک کار رہ چکے تھے۔

لوگوں کی نگاہیں دمشق کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ اس کا حاکم کون ہوگا؟

لوگ سوچ رہے تھے کہ اس منصب کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس کا انتخاب کرنے والے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت معروفہ یہ تھی کہ وہ اسی قبیل (ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ و معاذ رضی اللہ عنہ جیسے حضرات) کے لوگوں کو امیر و حاکم منتخب کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر معاویہ بن ابی سفیان کی بہادری کو بھولے نہیں تھے نہ یہ بھولے تھے کہ قیساریہ کی فتح عظیم کرنے والے یہی ہیں نیز وہ فتوحات شام میں معاویہ کی کارکردگی کو بھی نہیں بھولے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عبقری شخص کے ذہن سے امیر معاویہ کی عظیم کارگزاری اوجھل نہیں ہوئی تھی۔ امیر المومنین نے اچانک امیر معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق اور خراج دمشق کا امیر و حاکم بنا دیا اس کے پہلے امیر معاویہ قیادت کی ذمہ داری سنبھال چکے تھے اور انہوں نے ثابت کر دکھایا تھا کہ وہ قیادت کا بار اٹھانے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ جب انہوں نے قیادت میں اپنی کارگزاری ثابت کر دکھائی تو امارت (گورنری) باقاعدہ ان کے حوالہ کر دی گئی۔ اب معاویہ کے لیے وقت آ گیا تھا کہ اپنی خفیہ طاقت کا مظاہرہ گورنری کی کرسی پر متمکن ہو کر کر سکیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین کے معتمد علیہ، اپنی ماں ہند بنت عتبہ اور باپ ابوسفیان کے بھی معتمد علیہ تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو حاکم شام بنایا تھا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے یہاں چلے گئے تھے۔ اس موقع پر ابوسفیان نے ہند سے کہا تھا کہ تم نے دیکھا؟ تمہارا بیٹا (یعنی تمہارے بطن سے پیدا ہونے والا سگا بیٹا مراد امیر معاویہ) میرے سگے بیٹے یزید کے ماتحت اور تابع ہے (یزید بن ابی سفیان ہند کے علاوہ ابو سفیان کی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے) ہند نے ابوسفیان کی اس بات کا یہ

جواب دیا تھا کہ

''جب عرب لشکر حرکت میں آئیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ میرے بیٹے کے بالمقابل آپ کے بیٹے کا کیا مقام ہے۔'' [1]

جس وقت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خبر مرگ لے کر ڈاک آئی تھی اس وقت واپسی ڈاک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یزید رضی اللہ عنہ کی جگہ ان کے بھائی معاویہ کو حاکم بنا دیا پھر انہوں نے ابوسفیان سے ان کے بیٹے یزید کے سلسلے میں تعزیت کی۔

اس موقع پر ابوسفیان نے کہا۔ یزید کی جگہ پر آپ نے کس کو حاکم بنایا ہے؟

امیر المومنین نے فرمایا کہ ''ان کے بھائی معاویہ کو''

ابوسفیان نے کہا: امیر المومنین! آپ نے حق رشتہ ادا کر دیا۔ [2]

معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں ہند بنت عتبہ کو جس دن کا انتظار تھا وہ آ چکا تھا چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ ان کے بیٹے گورنر ہوگئے اور انہیں یقین تھا کہ مستقبل میں وہ پورے عرب کی سیادت کریں گے جیسا کہ انہوں نے اس بات کی پیش خبری اسی زمانے میں دے دی تھی جبکہ معاویہ چھوٹے تھے۔

چنانچہ ہند نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ہمیشہ برقرار رہنے والی اپنی وصیت بھیج دی تا کہ ان کے لیے امیر المومنین کو حسن ظن رہے اور اپنے لیے وہ جتنا بلند مقام چاہتے ہیں وہ انہیں حاصل ہو سکے چنانچہ ہند نے اس وصیت میں یہ بات کہی تھی کہ:

''میرے پیارے بیٹے! اللہ کی قسم تم جیسے لڑکے کو کوئی شریف عورت کم ہی جنم دیتی ہے اس شخص یعنی امیر المومنین نے تمہیں حکومت کے کام میں لگا دیا ہے تو تم امیر المومنین کے حکم کے مطابق عمل کرو خواہ تمہیں اچھا لگے یا برا لگے۔''

اور ماہر و تجربہ کار ابوسفیان کی وصیت یہ تھی:

''اے میرے پیارے بیٹے! گروہ مہاجرین کے لوگوں نے اسلام لانے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج ۸ ص ۱۱۸۔ [2] البدایۃ والنہایۃ: ج ۸ ص ۱۱۸۔

میں ہم سے سبقت کی اور ہم پیچھے رہ گئے اسلام لانے میں ان کی سبقت نے انہیں سربلندی بخشی اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں اس چیز نے انہیں تقدم بخشا اور ہماری تاخیر نے ہم کو قاصر بنا دیا چنانچہ مہاجرین قائد و سردار بن گئے اور ہم ان کے تابع فرمان ہو گئے انہوں نے تم کو اپنے امور سلطنت میں سے عظیم ذمہ داری سونپی ہے تم ان کی مخالفت مت کرنا اس طریق عمل سے تم بڑی ترقی کر سکتے ہو لہٰذا تم دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہو اگر تم کامیاب ہو گئے تو تمہاری نسل اس کی وارث بنے گی۔'' [1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دوسرے سانحہ کا انتظار کرنے لگے تا کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے سمندر میں غوطہ زنی کرسکیں۔ زمانۂ نبوی میں ان سے بہت سے اچھے مواقع فوت ہو گئے تھے لیکن جنگ ان کے ساتھ سختی برت رہی تھی یعنی انہیں جہاد وغزوہ کا موقع نہیں مل پا رہا تھا البتہ گورنری وامارت میں انہوں نے اس کی گنجائش دیکھی کہ لوگوں کی نظر میں پسندیدہ قرار پائیں اور ان کی نظر میں لوگ بھی پسندیدہ دکھائی پڑیں۔

سرزمین حجاز میں مسلمانوں پر قحط پڑا اور انہیں بڑی پریشان حالی لاحق ہوئی۔ خلیفہ نے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مدد دینے کی فرمائش کی خلیفہ کی آواز پر لبیک کہنے میں امیر معاویہ نے تیزی سے کام لیا اور غلوں سے لدے ہوئے اونٹ انہوں نے خلیفہ کے پاس بھیجے اور مصر میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بھی مسلمانوں کی اس بدحالی اور تنگی وسختی کو دور کرنے میں حصہ لیا جس نے عام الرمادہ (قحط کے سال کا نام عام الرمادہ ہے) میں لوگوں کو سانس لینا مشکل کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر رحمت نازل کی اور انہیں اپنے فضل عام سے سیراب کیا یعنی قحط دور کر دیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کانوں تک عراق میں اسلامی فتوحات کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں جن سے وہ خوش ہو کر جھومنے لگتے تھے لیکن اس بات کا اشتیاق رکھتے تھے کہ کاش ان عراقی

---

[1] البدایہ والنہایہ: ج ۸ ص ۱۱۸۔

فتوحات یا کسی قسم کی دوسری فتوحات میں ان کا بھی حصہ ہوتا۔

زمانہ گزرتا گیا اور ۲۱ھ آیا تو امیر معاویہ کی قیادت میں عساکر اسلامی موسم گرما میں غزوہ کے لیے متحرک ہو گئے۔ امیر معاویہ سرزمین روم میں دور تک اندر داخل ہو گئے پرچم معاویہ کے نیچے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے جنہیں صرف گھوڑوں کی پیٹھوں پر ہی آرام کا مزہ ملتا تھا۔ یہ صحابہ جب بھی دشمن کی آواز سنتے اس کی طرف مقابلہ کے لیے رواں دواں ہو جاتے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے اڑتیسویں سال اس غزوہ سے کامیاب وکامران ہوکر واپس آئے...... موصوف مال غنیمت سے بہرہ ور ہوئے اور صحیح سالم واپس ہوئے تاکہ اپنی بیوی کو دیکھیں اس وقت ان کی بیوی نے ان کے محبوب بیٹے کو جنم دیا تھا انہوں نے تبرک کے لیے بچے کا نام بچے کے چچا کے نام پر یزید بن سفیان رکھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے گھوڑوں کی سواری اور پر خطر مقامات پر یورش کی جدوجہد کی ۲۲ھ میں رومیوں سے جنگ کے لیے موسم گرما میں لشکر روانہ کئے۔ اسی طرح ۲۳ھ میں بھی ان کے بلند کردہ پرچم جہاد کے نیچے بہت سے اکابر صحابہ جمع ہو گئے مثلاً حضرت عبادہ بن صامت، ابوذر غفاری، اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہم نیز دیگر متعدد حضرات، سب کا رخ سرزمین روم کی طرف فتح اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے تھا۔ انکے سامنے زمین فراخ ہوگئی تھی۔ یہ لوگ آگے بڑھتے رہے اور اللہ کے وعدہ کی ہوئی اس سرزمین میں دور تک داخل ہو گئے جس کا اس نے مسلمانوں سے وعدہ کر رکھا تھا حتی کہ وہ عموریہ کے دروازوں پر دستک دینے لگے پھر فتح ونصرت اور مال غنیمت کے ساتھ واپس ہوئے مسلمانوں پر اموال غنیمت کی بارش ہونے لگی۔ شام میں مسلمانوں نے محسوس کیا اللہ تعالیٰ کا فضلِ عام ان کو حاصل ہو گیا ہے۔ سرحدوں پر مسلسل فتوحات ہو رہی تھیں اور مال ان کے ہاتھ میں بہت زیادہ آ گیا تھا۔ ان کے امیر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شجاعت، سیاست، سخاوت اور بردباری کے اعتبار سے بہترین امیر تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہونے والی بابرکت فتوحات کی خبریں مدینہ منورہ میں

مسلسل پہنچتی رہتی تھیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیارتِ شام کا عزم کیا اور اپنے ساتھ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی لے کر گئے۔

امیر المومنین کے آنے کی خبر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو موصول ہوئی اس لیے انہوں نے ان کے استقبال کے لیے سواروں کی ایک بھاری جماعت تیار کی اور دمشق سے باہر امیر المومنین کے استقبال کے لیے نکل پڑے اس جماعت کے ساتھ وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے کہ ان کے خواص میں سے ایک شخص نے انہیں یہ آواز دیتے ہوئے گھبرا دیا کہ:

''اے امیر! اے امیر! آپ امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ گئے ہیں۔''

یہ ایک پریشان کن اور اچانک ہو جانے والی بات تھی۔ امیر معاویہ فوراً واپس مڑے تاکہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کریں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دونوں حضرات ایک گدھے پر سوار تھے جب حضرت امیر معاویہ نے دونوں حضرات کو دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اتر کر فوراً خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے میں غصہ نمایاں تھا انہوں نے معاویہ سے کہا:

''سواروں کی اس بھاری جماعت کے تیار کنندہ و ذمہ دار تم ہی ہو۔''

امیر معاویہ نے کہا:

جی ہاں یا امیر المومنین!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تمہارا یہ حال ہے؟ حالانکہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تمہارے دروازے پر ضرورت مند لوگ دیر تک کھڑے رہا کرتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''آپ کو ملنے والی خبر صحیح ہے!''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تم ایسا کیوں کرتے ہو میں تم کو یہ حکم دینا چاہتا ہوں کہ سرزمین حجاز تک پیدل چل کر آؤ۔''

امیر معاویہ نے قلب وعزم کی مضبوطی سے جواب دیا:

''امیر المومنین! ہم لوگ ایسے ملک میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بہت ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی حکومت کی وہ شان وشوکت ظاہر کریں جس سے اسلام اور اہل اسلام کی شوکت کی دھاک قائم ہو اور دشمنوں میں خوف وہراس پیدا ہو۔''

(پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد امیر معاویہ نے مزید کہا)

''امیر المومنین! اگر آپ کا حکم ہو تو میں اس کو برقرار رکھوں اور منع کر دیں تو باز آ جاؤں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھوڑی سی خاموشی کے بعد کہا (اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دُرّہ کو کرید رہے تھے) کہ

''جب میں نے تم سے کوئی باز پرس کی تم نے مجھے لاجواب کر دیا اگر تمہاری بات حق ہے تو یقیناً یہ دانشمندانہ اور ٹھوس رائے ہے اور اگر باطل ہے تو یقیناً یہ ایک ادیب شخص کا فریب ومکر ہے۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''آپ جو حکم بھی مجھے دینا چاہیں میں اس کی تعمیل کروں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''اس سلسلے میں میں تم کو نہ کوئی حکم دوں گا نہ کسی بات سے منع کروں گا۔''

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے متوجہ ہو کر کہا۔ (اس وقت عبدالرحمٰن کے چہرے پر مسرت ظاہر ہو رہی تھی)

''اس نوجوان کو آپ نے جس کام میں لگا دیا ہے اس کو یہ کتنی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔!''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

''اس کی حسن کارکردگی ہی کے سبب ہم نے اسے یہ سرکاری خدمات اور ذمہ داریاں سونپی ہیں۔'' [1]

رومیوں کو معلوم ہو گیا کہ معاملہ سنجیدہ ہے اور ان کے حریف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ ان کے ملک میں جنگ کر کے بڑے پیمانے پر فتح نہ حاصل کر لیں۔ یہ دو سال ۲۲۔۲۳ھ مسلسل اس طرح گزر رہے تھے کہ ہر سال ان کے خلاف جنگجو لشکر روانہ کرتے اور اندرون ملک تک گھستے چلے جاتے۔ رومی لوگ امیر معاویہ کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے لگے اور لشکر پر لشکر مسلمانوں کی زمین پر بھرپور حملے کے لیے بھیجتے رہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح پر فتح کرتے رہے۔ جب رومیوں سے موسم گرما کی جنگ ختم ہوتی تھی تو وہ دوبارہ فلسطین کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اہل فلسطین کے ساتھ ان کا یہ دوسرا موقف تھا اہل عسقلان (عسقلان فلسطینی شہر ہے) اطمینان و راحت کی زندگی گزار رہے تھے کہ انہوں نے اسلامی لشکر کو اپنا محاصرہ کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے امیر لشکر کا نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ امیر لشکر امیر معاویہ ہیں۔

یہ وہی معاویہ تھے جن کے ہاتھوں اہل قیساریہ کو دو تلخ ترین چیزوں کا مزہ چکھنا پڑا تھا۔ یہ معاویہ ہی تھے جنہوں نے قیساریہ میں ایک لاکھ آدمیوں کا صفایا اس طرح کیا تھا کہ کوئی قتل کیا گیا تھا، کوئی گھائل و زخمی ہوا تھا، کوئی قیدی بنایا گیا تھا۔ اس وقت عسقلان رومیوں کے زیر حکومت تھا، معاویہ چاہتے تھے کہ ان کی سرزمین میں زلزلہ برپا کر دیں جب وہ رومیوں کے شمالی ممالک کو ہموار کر چکے تو اس کے بعد جنوبی علاقوں کی طرف متوجہ ہونا لازمی تھا جنوب ہی میں عسقلان تھا اور ابھی تک فتح نہیں کیا جا سکا تھا۔

مسلمانوں کے سالار لشکر کو رومیوں نے جونہی پہچانا ان کے دلوں میں کمزوری سرایت کر گئی اور وہ لرزہ براندام ہو گئے ان کے عزائم اور حوصلے اس وجہ سے پست ہو گئے کہ ان پر وہی آفت و بلا آنے والی ہے جو اہل قیساریہ پر آئی تھی لہٰذا وہ سپر انداز ہو گئے

[1] البدایہ والنہایہ: ج ۸، ص ۱۲۴۔

اور حضرت معاویہ سے صلح جوئی کے لیے تیز گام چل کر آئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی مصالحانہ پیشکش قبول کی اور عساکر اسلام نئے ملک میں نزول پذیر ہوئے تاکہ وہاں کلمۂ توحید کا اعلان کریں۔

مسلمانوں کی جنگی مہم جوئی اس مقصد سے نہیں تھی کہ وہ لوگوں کو تباہ و برباد کر دیں اور امن پسند لوگوں کو تاخت و تاراج کر ڈالیں یہ لوگ پیغام الٰہی کے علَم بردار تھے جہاں کہیں اور جب بھی دشمن مسلمانوں کی بات ماننے پر تیار ہوئے ان کی دعوت صلح کو برضا و رغبت قبول کر لیا تاکہ وہ اللہ کی شریعت اور آدمیوں کے درمیان حائل ہونے والی طاغوتی طاقت و تسلط اور قوت کا خاتمہ کر دیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی شریعت کا پیغام ہر شخص تک پہنچ جائے پھر گمراہی کے مقابلہ میں ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد جس کا جی چاہے وہ ایمان لائے جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔ دین میں کسی قسم کی زبردستی اور دباؤ نہیں ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور بیت الحرام (خانہ کعبہ) کی زیارت کا مشتاق ہوا۔ جوں ہی موسم حج کا چاند نمودار ہوا وہ بعض اکابر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حسب عادت ان کے تیار کردہ سواروں کی جماعت نگاہوں کو ابھارنے والی تھی۔ مدینہ منورہ کے مرد اور عورتیں اسی وارد عظیم کے متعلق بات کرتی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"ہمارے یہاں (مدینہ منورہ میں) معاویہ آئے وہ گورے چٹے، نرم و نازک اور خوبصورت و پروردۂ نعمت تھے۔"

معاویہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو ان کے جسم پر سبز رنگ کا جوڑا تھا۔ اس جوڑے کی دلفریبی و کشش اور خوبصورتی کے سبب اس کی طرف تمام صحابہ کی نظریں مڑ گئیں۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کیا۔

"انہوں نے اچھل کر درہ اٹھالیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو مارنے لگے!

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے جاتے تھے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریئے۔

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دانائی کام آئی انہوں نے اعصاب کو قابو میں رکھا جبکہ درہ ان کے سر پر تمام لوگوں کے سامنے برس رہا تھا)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر واپس آ کر بیٹھے تو لوگوں نے ان سے کہا:

امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیوں مارا جبکہ پوری قوم میں ان کا مثل کوئی نہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

''بخدا! میں نے خیر کے علاوہ ان میں کوئی چیز نہیں دیکھی اور ان کی بابت خیر کے علاوہ مجھے کسی قسم کی دوسری اطلاع بھی موصول نہیں ہوئی اگر اچھی بات کے علاوہ کوئی دوسری چیز ان کی بابت مجھے معلوم ہوئی ہوتی تو ان کے ساتھ میرا برتاؤ مختلف ہوتا، لیکن میں نے ان میں گھمنڈ کی جو بو دیکھی اسے میں نے اتار دیا۔'' [1]

لوگوں پر خاموشی اور سکوت طاری ہو گیا۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ امیر المومنین امرا کی تادیب کرنے والے ہیں۔ سب نے خاموشی سے اپنے سر جھکا لیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر معاویہ کو سب سے زیادہ مانتے تھے اور جیسا کہ انہوں نے خود شہادت دی کہ ''ان میں خیر کے علاوہ میں نے دوسری چیز نہیں دیکھی اور خیر کے علاوہ ان کی بابت مجھے کوئی دوسری خبر نہیں ملی۔'' لیکن وہ چاہتے تھے کہ ان کے غرور کو توڑ دیں تاکہ وہ رعایا و پبلک پر برتری کا مظاہرہ نہ کریں اور خود پسندی و غرور انہیں باطل پرستی کی طرف دھکیل کر نہ لے جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کر کے امیر معاویہ ملک شام واپس آئے۔ رومیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور بہت بڑا لشکر جمع کیا تاکہ سرزمین اسلام پر چڑھائی کریں

[1] البدایہ والنہایہ: ج ۸ ص ۱۲۵۔

لیکن جوان مرد امیر معاویہ اس قسم کی تحریکات سے لحظہ بھر بھی غافل نہیں رہ سکتے تھے جوں ہی انہیں اس جمع شدہ لشکر کی خبر ملی جس کو رومی لوگ تیار کر رہے تھے انہوں نے فوراً ہی مدد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ مسلمانوں کے لیے یہ خزاں کا گرم موسم تھا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۲۳ھ میں اپنے رب کے جوار رحمت میں جا چکے تھے اور ان کی جگہ پر مسلمانوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا لیا تھا...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلی مشکل جو پیش آئی وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط تھا اس خط میں شام پر رومیوں کے حملے کی تیاری کی خبر تھی۔

یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہوشیاری و احتیاط پسندی میں ممتاز تھے بنا بریں انہوں نے اس معاملہ کے لیے سامان کر لیا تھا چنانچہ انہوں نے معاملہ کے زور پکڑنے سے پہلے ہی مدینہ منورہ کو صورتحال سے باخبر کر دیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے والی عراق ولید بن عقبہ کو خط لکھا اور اس خط میں حکم دیا کہ رومیوں کے خلاف ہونے والی جنگوں میں اہل شام کی مدد کریں۔ خط میں تحریر تھا:

"جب تمہارے پاس میرا یہ مراسلہ پہنچے تو ایک بہادر امانتدار و سخی آدمی کی قیادت میں آٹھ سے لے کر دس ہزار تک مجاہدوں کو شام میں رہنے والے اپنے دینی بھائیوں کے پاس روانہ کر دو۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خط ملتے ہی ولید بن عقبہ لوگوں میں تقریر کے لیے کھڑے ہوئے، انہیں امیر المومنین کے حکم سے باخبر کیا اور لوگوں کو اہل شام نیز امیر معاویہ کی معاونت اور جہاد کرنے کی دعوت و ترغیب دی اور شام کی طرف جانے والے مجاہدین کا امیر حضرت سلیمان بن ربیعہ کو مقرر کیا...... تین دن میں آٹھ ہزار مجاہدین شام جانے کے لیے تیار ہو گئے ان سب کو ولید نے شام کی طرف روانہ کر دیا۔ مسلمانوں کے لشکر کے قائد حبیب بن مسلمہ فہری تھے۔ [1]

[1] البدایہ والنہایہ: ج ۸، ص ۱۰۵۔

رومیوں کی طرف روانہ ہونے والے لشکر کی قیادت حضرت حبیب بن مسلمہ کو ملی ہوئی تھی امیر معاویہ اس قائد پر اعتماد اور وثوق رکھتے تھے اور حبیب اس اعتماد و وثوق کے لائق بھی تھے۔

رومیوں اور ترکوں پر مشتمل اسی ہزار فوجیوں کے ساتھ دشمن قریب آ چکے تھے اس سے حبیب نہ گھبرائے اور نہ انہوں نے کسی قسم کی کمزوری محسوس کی چنانچہ حبیب نے رومی لشکر پر راتوں رات حملہ کا عزم کیا۔ حبیب کی بیوی نے سن لیا کہ وہ اپنے ماتحت امیروں سے یہ بات کہہ رہے تھے (یعنی کہ راتوں رات رومی لشکر پر چڑھائی کرنی ہے)

زوجۂ حبیب نے پوری رات جاگ کر گزاری وہ اپنے شوہر حبیب کے انجام کی بابت فکر مند تھیں۔

بیوی نے کہا: ''آپ کے ساتھ ہماری ملاقات کہاں ہوگی؟''

ان کے شوہر حبیب بن مسلمہ نے دور افق کی طرف دیکھتے ہوئے یہ بات کہی:

''تم سے ہماری ملاقات رومی لشکر کے قائد موریان کے خیموں میں ہوگی یا پھر جنت میں۔''

رومی لوگ ابھی نیند میں خوش آئند فتح کے خواب دیکھ رہے تھے کہ انہیں محسوس ہوا کہ مسلمانوں کے فوجی دستے ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ نعرۂ اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی ہر طرف سے رومیوں کی قیام گاہ میں لرزہ طاری ہو گیا اور موریان کے خیموں کے پاس مڈ بھیڑ ہوئی!

اسلامی سالار حضرت حبیب خیموں میں داخل ہوئے تو پہلی نظر میں اس جگہ موجود ایک آدمی نے انہیں حیرت زدہ کر دیا...... وہ جانتے تھے کہ موریان ذبح کیا جا چکا ہے (پھر اس کے خیمہ میں یہ کون شخص ہے؟) ابھی انہوں نے اپنی نظر جمائی نہیں تھی کہ طاری شدہ ذہول سے انہیں افاقہ ہو گیا...... یہ حبیب کی بیوی تھی جو ان سے پہلے موریان کے خیمے میں پہنچ گئی تھی اس طرح عظیم شجاعت کا سہرا مسلم خاتون کو ملا۔

رومیوں کا جتھا مضطرب و مطرود ہو کر نجات کی تلاش کرتا ہوا فرار ہوا مگر اسے جائے نجات نہیں مل رہی تھی ...... ملک شام میں رومیوں کے لیے یہ ایک تلخ سبق تھا جس نے ہمیشہ کے لیے ان کی شوکت کا خاتمہ کر دیا تھا۔

اپنے دشمنوں سے حاکم شام امیر معاویہ کو جس قلق و اضطراب کا سامنا تھا وہ رخصت ہو چکا تھا۔ اپنی حکومت میں امیر معاویہ نے اپنی سیرت حسنہ کو اس عظیم مذہب اسلام کے اصول کے تابع بنا دیا تھا جس کے وہ پابند تھے۔

مسلسل چار سال گزر گئے ان میں کوئی قابل ذکر فتح نہیں ہوئی لیکن دوسری فتوحات نے زمین کو خیر و برکت سے بھر دیا اور وسیع پیمانے پر مسلمانوں کو کشادہ بخشش حاصل ہوئی۔ امیر معاویہ نے ایک دن دنیا پر نظر ڈالی یہ دنیا ان پر متوجہ ہو چکی تھی۔ ان کا سینہ خوشی سے کھل گیا وہ گزری ہوئی باتیں یاد کرنے لگے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا جو یہاں ایک دن اپنے گدھے پر سوار ہو کر آئے تھے انہوں نے اسے تھکا ڈالا تھا اور پیچھے سے ایڑ لگاتے رہتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی اور اس چیز کو بھی یاد کر رہے تھے جو موصوف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے چھوڑ کر گئے تھے پھر وہ اپنے گردو پیش اپنے محل، فراخی و نعمت پر نظر ڈالتے اور ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہتے کہ:

> "ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نہ دنیا نے چاہا نہ ابو بکر نے دنیا کو چاہا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو دنیا نے چاہا مگر انہوں نے دنیا کو نہیں چاہا لیکن ہم سر سے پیر تک اس میں لت پت ہیں۔" [1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ چار سال گزر گئے مگر وہ عیش و عشرت کی طرف مائل ہونے پر قانع نہیں ہوئے۔ موصوف عظیم ارادوں اور امیدوں کے مالک تھے۔ ان ارادوں کے سر فہرست سمندر کے بیچ ایک عظیم ترین جزیرے کے معاملہ کی فکر تھی جوان سے قریب پڑوس میں واقع تھا وہ اس سمندر کو ایک اسلامی سمندر دیکھنا چاہتے تھے جہاں کلمۂ توحید بلند ہو۔

[1] البدایہ والنہایہ: ص ۱۳۴، ج ۷۔

رومیوں کی حکومت میں اس جزیرہ کا برقرار رہنا معاویہ کی نیند غائب کئے ہوئے تھا۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس جزیرے کو فتح کرنے کی اجازت مانگی تھی مگر انہوں نے اجازت نہیں دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہیں تھے کہ مسلمانوں کو بحری مہم کے خطرہ میں ڈالیں۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی مگر انہوں نے بھی اجازت نہیں دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس ممانعت کے باوجود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس نامعلوم چیز کا اشتیاق رکھتے لہٰذا انہوں نے مکرر سہ کرر اجازت طلب کی اور الحاح واصرار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔

کئی سال پہلے جس کو تقریباً بیس سال گزر چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحان کے گھر گئے اور وہیں سو گئے ام حرام کے نزدیک دنیا میں اس سے زیادہ بڑھ کر کوئی خوش نصیبی نہیں تھی کہ ان کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیلولہ فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو ہنس رہے تھے ام حرام نے عرض کیا۔ آپ کو کیوں ہنسی آ رہی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ”میری امت کے کچھ لوگ خواب میں میرے سامنے لائے گئے جو اس سمندر کے بڑے حصہ پر سوار ہو کر مہم جوئی کریں گے یہ لوگ شاہی تخت پر بیٹھنے والے بادشاہوں کی طرح ہوں گے۔“

یہ سن کر ام حرام رضی اللہ عنہا کا دل شدت سے دھڑکنے لگا اور ان کے دل میں اشتیاق ہوا کہ ان مجاہدین میں وہ بھی رہیں۔ بنابریں انہوں نے عرض کیا:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے کر دے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم انہیں میں سے ہو۔“

ام حرام نے محسوس کیا کہ انہیں پوری دنیا کی بادشاہت مل گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ سو گئے، پھر بیدار ہوئے تو ہنس رہے تھے اور اس مرتبہ بھی پہلے جیسی بات کہی۔

ام حرام نے پھر عرض کیا کہ "اللہ سے دعا کر دیجئے کہ مجھے بھی ان لوگوں میں کر دے۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"تم پہلے لوگوں ہی میں رہو گی۔" [1]

سالہا سال گزر گئے۔ ام حرام یہ خواب دیکھا کرتی تھی کہ وہ سمندر میں غزوہ کرنے جائیں گی یہاں تک کہ وہ دن آ گیا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا وعدہ غزوۂ قبرص میں پورا ہو گیا۔

اس بحری غزوہ کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت بلا قید و شرط نہیں تھی۔ بحری حملہ کی بابت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ لکھا تھا ان کے کان میں صدائے عمر تبھی سے گونج رہی تھی۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا:

"اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا، میں کسی بھی مسلمان کو کبھی بھی بحری مہم پر روانہ نہیں کروں گا۔ مجھے خبر ملی ہے کہ بحر شام روزانہ زمین کے بلند ترین مقام پر جھانک کر اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگتا ہے کہ وہ زمین کو غرق کر دے۔ دریں صورت میں اس کافر (دشوار گزار) سمندر پر فوج کشی کی اجازت کیونکر دے سکتا ہوں؟ اللہ کی قسم! میرے نزدیک رومیوں کی ساری دولت و سلطنت کے بالمقابل صرف ایک مسلمان کہیں زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے میں تمہیں پہلے سے بتلا چکا ہوں تم میرے سامنے یہ مسئلہ پیش کرنے سے پرہیز کرو تمہیں معلوم ہے کہ بحری فوج کشی کرنے کی پاداش میں علا بن حضرمی کو میری طرف سے کیا سزا ملی تھی [2] جب کہ میں نے پہلے سے انہیں اس کی ممانعت نہیں کی تھی۔"

---

[1] البدایہ والنہایہ: ج ۷، ص ۱۵۳۔ [2] الکامل لابن اثیر: ج ۳، ص ۴۰۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات ایسی نہیں تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس غزوہ کی اجازت بغیر احتیاط وحذر کے یوں ہی دے دیں۔

جس مہم کی دعوت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دے رہے تھے وہ بہت جرأت مندانہ اور شجاعت و بہادری والی مہم تھی۔ یہ دعوت پہلی بار مسلمانوں کو بحری مہم جوئی کی دعوت تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

''تم اس مہم کے لیے خود سے لوگوں کا انتخاب مت کرو اور نہ ہی قرعہ اندازی سے کام لو۔ لوگوں کو پورا اختیار دو جس کا جی چاہتا ہو کہ رضا کارانہ طور پر بخوشی یہ غزوہ کرے اسی کو روانہ کرو اور اس کی مدد بھی کرو۔'' [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ مراسلہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملا یہ خط ان کے ہاتھ سے الگ نہیں ہوا کہ انہوں نے لوگوں کو بلایا۔ جہاد کی ترغیب دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سامنے کبار صحابہ اس دعوت کو لبیک کہتے ہوئے تیزی سے آنے لگے ان میں حضرت ابوذر غفاری عبادہ بن صامت اور ان کی بیوی ام حرام بنت ملحان، مقداد بن عمرو، ابودرداء، شداد بن اوس رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔

پہلی بار لشکر اسلام جہازوں پر سوار ہو کر اس طرح روانہ ہوا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یعنی شاہی تختوں پر بادشاہوں کی طرح...... تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ شام کے لوگ سمندر کے سفر پر اپنے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہو رہے تھے تا کہ وہ قبرص پہنچیں اور اس کا محاصرہ کریں۔ عبداللہ بن سعد بن السرح مصر سے روانہ ہوئے تھے۔ دونوں لشکروں کی ملاقات قبرص کے قلعوں پر ہوئی۔ اچانک قبرصی لوگ محاصرہ میں تھے۔ انہوں نے بار بار مقابلہ کرنا چاہا پھر ان کے اعصاب جواب دینے لگے اور توشہ ختم ہونے لگا دریں صورت خود سپردگی اور مصالحت کے علاوہ ان کے لیے کوئی چارہ نہ رہا۔

مسلمانوں نے ان کی دعوتِ صلح قبول کر لی سالانہ انہیں سات ہزار دینار جزیہ میں

---

[1] الکامل لابن اثیر: ج ۳ ص ۴۸۔

حاصل ہونے والی فتح عظیم کا مشاہدہ کرلیا تھا وہ خچر پر سوار ہونے کے لیے آئیں تا کہ خوش نصیب لوٹنے والے اسلامی لشکر میں وہ بھی شامل ہو جائیں۔ ابھی موصوفہ رضی اللہ عنہا خچر پر بیٹھ نہیں سکی تھیں کہ وہ بدک گیا اور اس نے موصوفہ رضی اللہ عنہا کو اپنی پیٹھ سے نیچے گرا دیا۔ موصوفہ رضی اللہ عنہا اپنی گردن کے بل زمین پر گریں اور لاشئہ بے جان ہو گئیں۔ اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ خبر ان کے شوہر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ان کا غم بھڑک اٹھا۔ یہ خبر مسلمانوں کو ملی تو سب پر اس باعظمت مجاہدہ خاتون کی وفات کے سبب تھوڑی دیر کے لیے سکتہ طاری ہو گیا پھر سب لوگ انکی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے حاضر ہوئے اور انہیں سرزمین قبرص میں سپردخاک کر دیا تا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والی مسلم خواتین کے لیے ایک دائمی یادگار رہے۔ شریعت سے ناواقف لوگ جب اس قبر کی زیارت کے لیے آتے ہیں تو اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور اسے ''نیک خاتون کی قبر'' کا نام دیتے ہیں۔

ابر آلود اُفق

خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ کے گزشتہ چند سال مسلمانوں نے عافیت اور راحت میں گزارے۔ اموال غنیمت نے ان پر خیر کے دروازے کھول دیئے اور ثروت کے ذرائع مہیا کردیئے تھے۔ مسلمانوں کی صفوں میں دولت اور امن و عافیت پھیل گئی تھی لیکن دشمنوں کے دلوں میں کدورت حرکت کرنے لگی تھی جہاد کی طرف مسلمانوں کی توجہ، سکون واطمینان کے پھیلاؤ اور ان میں ہم آہنگی کو دیکھ کر دشمنوں کو قرار نہیں تھا...... ایک خوفناک اور عجیب منصوبہ بندی کے ساتھ اس یہودیت کی انگلیاں متحرک ہوگئیں جس نے خیبر میں بدترین شکست کا مزہ چکھا تھا۔ یہ ۳۰ھ کی بات ہے یہودیت نے اپنے بال و پر پھیلانے کے لیے دمشق کو منتخب کیا اور یہ اس وجہ سے کہ اسے وہاں کے حاکم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نرم خوئی اور بردباری معلوم تھی۔ اس فتنہ کا قائد وسردار عبداللہ بن سبا یہودی تھا جو اسلام کا دعویدار بنا ہوا تھا۔

غزوۂ قبرص سے جو لوگ واپس آئے تھے ان میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دنیا پر لوگوں کے انہماک نیز دولت وثروت کے سیلاب نے موصوف کو خوف زدہ کردیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ کل مال کو راہ خدا میں خرچ کر دینا واجب ہے۔ موصوف مال کے سبب دنیا داری کی طرف پھرنے اور دلوں کے بگڑ جانے سے خائف تھے۔ وہ لوگوں کو ڈرانے لگے اور انہیں آخرت کی یاد دلانے لگے اور فرمانے لگے:

> ''اے مالدار لوگو! محتاجوں کے ساتھ ہمدردی کرو۔ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں بتا دو کہ ان کی پیشانیاں اور پہلو آگ سے داغے جائیں گے۔''

جہاد و عمل سے پیچھے ہٹنے اور بیٹھ رہنے والوں، نیز راستوں اور گلی کوچوں میں بے فائدہ اور بے کار گھومنے والے لوگوں کو مذکورہ بالا نظریہ میں ایسی بات دکھائی پڑتی تھی جو ان کے لیے بغیر کچھ کئے دھرے محو خواب ہونے کے باوجود ثروت فراہم کر سکتی تھی۔ لہٰذا یہ نظریہ انہیں اچھا لگا اور اللہ کا داعی بننے کے بجائے دنیا کی خاطر لڑنے مرنے کی طرف مسلمانوں کا رخ

پھیرنے کے لیے اس قسم کی تاریکیوں میں سازگار ماحول پیدا کرنا عبداللہ بن سبا کے لیے ممکن بن گیا۔ چنانچہ وہ لوگوں کے سامنے اس بات کو آراستہ کر کے پیش کرنے لگا اور جتنا چاہا اس نے اس سے ناجائز کام لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قلاش اور فقیر لوگ مالداروں سے اموال کا مطالبہ کرنے لگے:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک روز بات کر رہے تھے کہ سرگرم جوشیلے لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

''ابوذر! آپ کو معاویہ رضی اللہ عنہ پر تعجب نہیں ہوتا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ سارا مال اللہ کا ہے اور سبھی چیزیں اللہ کی ہیں۔ گویا وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کا سارا مال خود اپنے لیے جمع کر لیں اور مسلمانوں کا نام مٹ جائے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس آدمی کی طرف دیکھتے رہے اور خاموش رہے۔ یہ آدمی عبداللہ بن سبا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ نظریہ فتنے کا ایک دروازہ ہے۔ یہ شخص اس نظریہ سے غلط کام لے رہا ہے چنانچہ انہوں نے طے کیا اور فیصلہ کیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اس کے نتیجہ سے آگاہ و خبردار کر دیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو خوش آمدید کہا اور انہیں اپنے قریب کیا۔ پھر ابوذر رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال قرار دینے کا داعیہ آپ میں کیوں پیدا ہو گیا؟''

امیر معاویہ نے کہا:

''ابوذر! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ کیا ہم سب اللہ کے بندے نہیں ہیں؟ اور سارا مال کیا اللہ کا مال نہیں ہے۔ ساری مخلوق کیا اللہ کی مخلوق نہیں ہے۔ اللہ ہی کا حکم کیا اصل حکم نہیں ہے؟''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات پر کوئی نکیر نہیں کرتے تھے۔ لیکن انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ناکارے ونکمے قسم کے لوگ اس بات کا غلط استعمال کریں گے اس

لیے انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے جواب دیا: ''آپ یہ بات مت کہا کیجئے''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بات کو خوشی کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے کہا: ''تو میں یہ کہوں گا کہ سارا مال مسلمانوں کا ہے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے اور اپنے امیر سے راضی ہو کر چلے گئے۔

لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات سے غافل نہیں تھے کہ معاشرہ میں کیا ہو رہا ہے؟ اس شورش کی خبریں انہیں پہنچتی رہتی تھیں جس کو خود غرض لوگ برپا کرنا چاہتے تھے انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تک یہ خبریں پہنچائیں اور پوری توجہ سے ماحول کا مطالعہ کرنے لگے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو ایک دن کے کھانے سے زیادہ کوئی چیز روک کر نہیں رکھنی چاہیے ان کا یہی مذہب تھا۔ انکی زندگی بھی اسی طرح تھی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کی زندگی گزارتے دیکھا تھا موصوف طریق نبوی کے پیرو تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے خیالات لوگوں کو مالداروں کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ وہاں ایسے لوگ موجود تھے جو در پردہ بگاڑ پھیلانا چاہتے تھے۔

ابن السوداء (عبداللہ بن سبا) نے محسوس کیا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ زہد اور دنیا سے قلت انتفاع کے معاملہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی سچی تصویر ہیں۔ اس کو امید ہوئی کہ عبادہ رضی اللہ عنہ اس کی بات مان لیں گے۔ اس سے پہلے اسی طرح کی امید اس نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے بھی وابستہ کر رکھی تھی لیکن حضرت ابودرداء نے اس سے اعراض کیا تو وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ پاس اس امید پر آیا کہ وہ فتنہ خیزی میں ایک نئی گاڑی چلا سکے۔

ابن السوداء (عبداللہ بن سبا) فریب دے کر حضرت ابودرداء کے سامنے سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا انہوں نے ابن السوداء کو صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا تھا:

''تم کون ہو؟ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو کوئی یہودی ہے۔''

ابن السوداء رضی اللہ عنہ نے سمجھ رکھا تھا کہ اگر اس کے خلاف کسی قسم کا شک وشبہ پیدا ہوگا

تو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی وہ چھپ جائے گا اور ان کے پاس سے اسی طرح کھسک جائے گا جس طرح حضرت ابودرداء کے پاس سے کھسک گیا تھا۔

لیکن حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کے ہاتھ سے خبیث یہودی کا نکل بھاگنا ناممکن تھا چنانچہ اس نے جوں ہی عبادہ رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا اور اسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیا:

''اسی شخص نے تمہارے خلاف ابوذر رضی اللہ عنہ کو ابھارا ہے۔''

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے دونوں باتوں کو باہم ملایا۔ ایک وہ جس کے ذریعہ ابن سبا نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف استدلال کیا تھا۔ دوسری وہ جس کا تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گفتگو کے دوران کیا تھا۔ حالانکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس یہودی کے فتنہ کا قلع قمع کرنے کے لیے حرکت میں آئے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی دعوت میں مصروف رہے وہ سواروں کو اللہ کی طرف چلانے کی کوشش کرتے اور لوگوں کو دنیا کے ساتھ کم آمیزی اور زہد کی دعوت دیتے۔ اس دعوت سے پیدا ہونے والے خطرناک نتائج سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حیران ہو گئے۔ انہوں نے ایسی معین تدبیر کار پر غور کیا جس کے ذریعہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس طرح کی دعوت سے باز رکھ سکیں تاکہ اس کا غلط اور ناجائز استعمال نہ کیا جا سکے۔ وہ ابوذر رضی اللہ عنہ کو زہد کی دعوت و تبلیغ سے روکنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ اس رقم کو کس طرح صرف کرتے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امید تھی کہ اس سے ان کا ابھرتا ہوا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا۔ شاید وہ اس عظیم المرتبت صحابی کے جوہر سے ناآشنا تھے۔

یہ دینار حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ موصوف نے قسم کھا رکھی تھی کہ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حالت میں ملیں گے جس حالت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ کر دنیا سے گئے تھے۔ بنابریں ہزار دینار کی یہ رقم جوں ہی موصوف کے پاس پہنچی انہوں نے ساری

رقم اسی رات میں بانٹ دی اوراس میں سے موصوف کے پاس ایک دینار بھی باقی نہیں بچا۔

منہ اندھیرے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قاصد کو بلا کر کہا:

''ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ کی سزا سے بچاؤ انہوں نے مذکورہ رقم آپ کے علاوہ دوسرے کو دینے کے لیے مجھے بھیجا تھا مگر میں نے غلطی سے یہ رقم آپ کو دے دی۔''

قاصد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس نے موصوف کے سامنے معاملہ پیش کیا۔ اس پر زاہد اعظم نے کہا کہ:

''پیارے بیٹے! جا کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہو کہ بخدا آپ کے بھیجے ہوئے دیناروں میں سے ہمارے پاس ایک دینار بھی نہیں رہ گیا ہے لیکن ہم کو تین دن کی مہلت دو تو ہم یہ رقم جمع کر کے دے دیں گے۔''

قاصد ابوذر رضی اللہ عنہ کا جواب لے کر واپس ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابوذر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل نے ہکا بکا کر دیا کیونکہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ جس طریق عمل پر ابوذر رضی اللہ عنہ کاربند ہیں اس پر کوئی شخص عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ موصوف کا عمل ان کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی ضروریات کے لیے ایک دینار بھی محفوظ نہیں رکھا بلکہ انہوں نے ایک ہزار دینار بلا اس پروا کے تقسیم کر دیئے کہ ہر دینار سے ضروری سامان، لباس اور نعمت کی حاجت پوری کی جا سکتی تھی۔ اس قسم کا طرز عمل لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دے گا جبکہ وہ زہد کے داعی کو اس طریق پر کاربند دیکھیں گے...... لوگوں کی عادت ہے کہ بڑوں کی بات قبول کرتے اور ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کریں کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا لیں نیز دعوتِ ابوذر رضی اللہ عنہ کے نتائج واثرات سے امیر المومنین کو باخبر کر دیں خصوصاً اس صورت میں کہ وہ جن لوگوں میں رہتے ہیں وہ سب کے سب فقہ وتقویٰ اور زہد میں اُن سے کمتر ہیں نیز وہ دوسری طرح کے کچھ ایسے لوگوں کے

درمیان رہتے ہیں جو ناجائز فائدہ اٹھا کر اختلاف ونزاع کو مستحکم کرنا چاہتے تھے اور اندرونی طور پر اتحاد کو توڑنا چاہتے تھے۔ اسی بات کو لے کر یہ لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر مطالبہ کرتے تھے کہ ان کے پاس مسلمانوں کا جو مال موجود ہے سب کو خرچ کر ڈالیں حالانکہ ایسا کرنے میں امت کی ہلاکت اور سرحدوں کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے انہیں تنگ کر رکھا ہے نیز معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال کی مفصل تشریح پیش کی جو فقرا اور قلاش لوگوں کے ذہن میں تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فتنہ بھڑکانے والوں کی باتوں سے بعض لوگوں کی اثر پذیری قریب سے دیکھ رہے تھے لہٰذا انہوں نے امیر معاویہ کو لکھا:

> ”فتنے نے اپنے بال و پر پیدا کر لیے ہیں اور اب وہ نکلنا ہی چاہتا ہے اس لیے تم زخم کو نہ کریدو۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کو میرے یہاں روانہ کر دو ان کے ساتھ کوئی راہبر بھی بھیجو۔ انہیں زاد راہ دو اور ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرو اور جہاں تک ہو سکے لوگوں کو اور اپنے آپ کو روکو تم خود سے جتنا رکنا چاہو گے صرف اتنا ہی رک سکو گے۔“ [1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے سامنے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حکم مدینہ منورہ جانے کے لیے پایا۔ چنانچہ وہ راہبر کے ساتھ اللہ کی نگرانی میں مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے اور شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایسے بڑے بڑے بھاری مسائل چھوڑ گئے جن کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے ماہر سیاسی آدمی نے جلد ہی اپنے کندھوں سے اتار پھینکا۔ مہارت فائقہ کی بدولت وہ شگاف کو بند کرنے پر قادر ہو گئے اور منتشر کلمہ کو متحد کرنے لگے اور فتنہ ابن سبا کو گود ہی میں ختم کرنے لگے۔ مسلمانوں کے اتحاد کی طرح کوئی اور چیز دشمنوں کو غصے میں نہیں ڈالتی تھی۔ انہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وہ قوی شخصیت غصہ دلا رہی تھی جو مسلمانوں کے مشترک دشمن کے خلاف تمام طاقتوں کو جمع کر رہی تھی

---

[1] تاریخ طبری: ج ۳، ص ۳۳۶۔

کامیابی کی راہ کا روڑا

پورے ملک شام میں چار سال سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلی اور یکتا شخصیت بنے ہوئے تھے۔ انہیں ممتاز کارکردگی میسر تھی۔ نادرۂ روزگار صلاحیت حاصل تھی۔ ان دونوں خوبیوں کے آثار ان کے بھائی یزید رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد دمشق میں اس وقت سے نمایاں ہونے لگے تھے جب سے وہ عہدۂ حکومت پر فائز ہوئے تھے...... ان کے ساتھ شام کی طرح اردن کا بھی معاملہ تھا۔ حمص کو دمشق کے ساتھ کس طرح ضم کیا گیا؟ اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ والی حمص حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی کو جب بیماری لاحق ہوگئی تو انہوں نے گورنری سے استعفیٰ دے دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کا استعفیٰ قبول کرلیا...... اور نگاہیں اس بات کی طرف متوجہ ہوگئیں کہ اس عظیم صحابی یعنی عمیر رضی اللہ عنہ بن سعد کا جانشین کون ہو گا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر طرف نظر دوڑاتے تھے پھر ان کے فاروقی عزم و فیصلے نے اعلان کیا کہ حمص کے امیر و گورنر بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھرپور ذکاوت اور زندہ عزائم کے مالک تھے۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کم عمری کی بنا پر اس طرح کے انتخاب کے حق میں نہیں تھے نیز ان کے خیال میں مسلمانوں کے اندر ان سے افضل، قبول اسلام میں مقدم، جہاد میں زیادہ راسخ حضرات موجود تھے۔ دھیرے دھیرے پست آوازیں افواہیں پھیلنے لگیں اور تھوڑے ہی دنوں میں یہ آواز بلند ہوئی کہ ''نوعمر آدمی کو گورنر وحاکم بنا دیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بآواز قوی فرمایا:

''مجھے تم لوگ معاویہ کو گورنر بنانے پر ملامت کرتے ہو حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَھْدِیًّا وَاھْدِبِہٖ)) ''یعنی اے اللہ! معاویہ کو راہبر و راہ یاب بنا اور ان کے

ذریعے دوسروں کی رہنمائی کر)'' [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس طرح کی دعا سننے کے بعد کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو پورے شام کا گورنر بنانے میں ہچکچا سکتے تھے؟

ایسا کرنا ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اسی طرح وہ یہ نہیں بھول سکتے تھے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کے ساتھ ابوبکر و عمر اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسلمانوں کے معاملات میں شریک کیا اور ان سے مشورہ لیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اپنی دائمی وصیت میں فرمایا:

''انہیں اپنے معاملہ میں بلایا کرو اور شریک کیا کرو کیونکہ یہ امانتدار اور طاقت ور ہیں۔'' [2]

جس وقت لوگ زچ ہو کر آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہنے لگے:

''عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ جیسے صحابی معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ پر معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر بنائے گئے۔

اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''لوگو! معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ خیر کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ مت کرو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاویہ کے لیے فرماتے سنا ہے کہ ''اَللّٰھُمَّ اھْدِ بِہٖ'' اے اللہ ان کے ذریعہ لوگوں کو راہ یاب بنا۔'' [3]

جوں جوں معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ طویل ہوتا گیا۔ امن و امان زیادہ سے زیادہ قائم

---

[1] تاریخ طبری: ج ۳، ص ۳۳۶ ۔ اس جملہ کے قائل حضرت عمر ہیں نہ کہ عمیر بن سعد اور ترمذی نے عبدالرحمن بن ابی عمیرہ سے اسی کے مثل روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۲۱ و ۱۲۲۔

[2] طبرانی بحوالۂ البدایہ والنہایہ: ج ۸ ص ۱۲۲۔

[3] اسے ترمذی نے ابوادریس خولانی سے روایت کیا ہے۔ پھر ابن کثیر نے ترجیح دی ہے کہ یہ عمر کی روایت ہے عمیر کی نہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ج ۸، ص ۱۲۲)

ہوتا گیا اور ان کی گورنری کے زمانہ میں خوش حالی، راحت ولذتِ زندگی حاصل تھی۔

قدرت خداوندی کی مرضی ہوئی کہ والیٔ فلسطین عبدالرحمٰن بن حلقمہ وفات پا گئے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس میں تردد نہیں ہوا کہ فلسطین کی گورنری بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیں۔ اس طرح ابوسفیان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ بلاکسی مخالف کے پورے ملک شام کے سردار بن گئے۔ رومیوں کو معلوم ہوگیا کہ اس سرزمین میں امیر معاویہ کی برقراری ان کے گلے کی ہڈی ہے۔ اس لیے رومیوں نے طے کیا کہ آخری مرتبہ جنگی کارروائی کرکے یا تو ملک شام کو مسلمانوں سے واپس لے لیا جائے اور اس سرزمین میں اسلام کو ختم کردیا جائے یا پھر وہاں خود ان کا خاتمہ ہوجائے۔

اس طرح جنگ ''ذات الصوری'' پیش آئی...... اس جنگ میں لشکر اسلام کی قیادت وسالاری عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کے حوالہ کی گئی...... مڈبھیڑ کا وقت آ گیا...... دونوں لشکر ایک دوسرے کی طرف آگے بڑھے...... جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو رومی لوگ رات بھر پادریوں کی دینی باتیں سن کر جھومتے اور صلیب کا نشان بناتے رہے...... اور مسلمان تلاوت قرآن کرتے اور نمازیں پڑھتے رہے۔ صبح ہوئی تو عبداللہ بن سعد نے کشتیوں اور جہازوں میں اپنے لشکر کی صف بندی کی اور لوگوں کو ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن کرنے کا حکم دیا۔

اس جنگ میں شریک ہونے والے بعض حضرات نے کہا کہ ہمارے دشمن جس طرح ہماری طرف بڑھے اس طرح کا منظر کبھی دیکھا نہیں گیا تھا اتنی زیادہ کشتیاں جنکے بادبان لکڑیوں کے ساتھ انہوں نے باندھ رکھے تھے کبھی نہیں دیکھی گئی تھیں۔ ہوا دشمنوں کے موافق اور ہمارے خلاف تھی۔ پھر ہم لنگر انداز ہوگئے اور ہوا رک گئی۔ ہم نے دشمنوں سے کہا اگر تمہاری مرضی ہو تو ہم اور تم خشک میدان میں نکل چلیں اور ہم میں سے یا تم میں سے جس کی موت زیادہ قریب ہو وہ مر کر ختم ہوجائے...... راوی نے کہا...... رومی لوگ ایک آواز ہو کر کہنے لگے کہ پانی۔ پانی یعنی کہ سمندر ہی میں جنگ ہوگی...... راوی نے کہا...... ہم

رومیوں سے قریب ہو گئے اور ہم نے اپنی کشتیاں ان کی کشتیوں سے ملا دیں پھر دونوں تیغ آزمائی کرنے لگے۔ لوگ تلواروں اور خنجروں سے ایک دوسرے پر حملے کرنے لگے...... کشتیوں کو سمندری لہروں نے تھپیڑے مار مار کر ساحل سے لگا دیا...... موجوں نے مُردوں کی لاشوں کو ساحل پر لا ڈالا حتیٰ کہ لاشیں بڑے پہاڑ کی طرح ڈھیر ہو گئیں...... خون کا رنگ پانی پر غالب آ گیا۔ مسلمانوں نے جس صبر و ثبات سے کام لیا وہ کبھی دیکھا نہیں گیا مسلمانوں میں سے بہت سارے لوگ قتل کیے گئے لیکن رومی مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ مقتول ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل کی۔ قسطنطین (قیصر روم) اور اس کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ قسطنطین پر بہت سے کاری زخم لگے تھے اپنے فرار کے بعد وہ عرصہ تک ان زخموں کا علاج کراتا رہا۔

عبداللہ بن سعد ابن ابی السرح چند دن ''ذات الصوری'' میں مقیم رہے پھر وہ فتح یاب و کامران ہو کر واپس آئے۔ [1]

جس سال قسطنطین بن ہرقل اپنی پانچ سو جنگی کشتیوں سمیت زوال پذیر ہوا۔ اس کا یہ زوال رومیوں کے مغلوب ہونے کا اعلان تھا...... بالکل اسی سال کسرائے فارس شاہ یزدگرد بن شہریار کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ اسے سرزمین خراسان میں ذبح کر دیا گیا۔

خلفائے راشدین کے دور کا یہ سال اسلامی فتوحات کے عروج کا سال تھا۔ اس سال روئے زمین کی دو عظیم الشان بادشاہتوں کے قائدین کے قتل ہو جانے پر دونوں سلطنتوں کی پامالی کا اعلان ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ شرف عظیم کی بات تھی کہ وہ اس سال پورے شام کے امیر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ پیش گوئی کی تھی:

((اِذَا هَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَهٗ وَ اِذَا هَلَکَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ))

''جب کسریٰ ہلاک ہو گا تو پھر اُس کے بعد دوسرا کسریٰ اس کا جانشین نہیں ہو سکے گا۔ اسی طرح جب قیصر ہلاک ہو تو دوسرا قیصر نہیں ہو گا''

[1] البدایہ والنہایہ: ج ۷ ص ۱۵۷۔

بالکل اسی طرح ہوا...... قیصر روم قسطنطین کی ہلاکت خود رومیوں کے ہاتھوں ہوئی......
جب مسلمانوں سے شکست خوردہ ہوکر سسلی پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے اس کا حال پوچھا۔ اس نے لوگوں کو اپنی حالت سے آگاہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ "تم نے نصرانیت اور پیروان نصرانیت کو تباہ کر دیا۔ اگر عرب ہم پر حملہ آور ہوں تو انہیں روکنے والا ہمارے یہاں کوئی نہیں رہ گیا...... پھر قسطنطین کو ان لوگوں نے حمام میں لے جا کر قتل کر ڈالا اور اس کے ساتھ جو لوگ کشتیوں میں سوار تھے انہیں چھوڑ دیا اور ان کو قسطنطنیہ جانے کی اجازت دے دی۔ [1]

لیکن کمال کے بعد زوال شروع ہو جاتا ہے۔

چنانچہ جس وقت دمشق میں عبداللہ بن سبا کو گرفتار کرلیا گیا اور وہاں اس کی تحریک ناکام ہوگئی اور اس نے دیکھا کہ اس کی خفیہ تدبیر کا راز فاش ہو گیا تو وہ سمجھ گیا کہ وہ دمشق میں کچھ کامیاب نہیں ہوسکتا...... کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیدار نگاہیں اس کی گھات میں تھیں۔ اس کی حرکات وسکنات پر نظر رکھتی تھیں۔ لہٰذا وہ لوگوں کی نظروں سے دور جا چھپا۔ پھر وہ دوسرے اسلامی شہروں کی طرف چلا گیا تا کہ وہاں اپنی آتش فتنہ کو بھڑکائے...... اس کی خبیث کوشش نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ردوقدح کے سلسلے میں تلخ ثمرہ دو نتیجہ ظاہر کیا اس نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ردوقدح چھوڑ کر پورے نظام خلافت کے سرتاج خلیفہ عظیم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اپنا نشانہ بنایا۔

اگرچہ وہ اس بات میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ حضرت ابوذر، ابودرداء اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کے بیچ دمشق میں تحریک چلا سکے مگر محمد بن ابی بکر ومحمد بن ابی حذیفہ کے بیچ وہ مصر میں تحریک چلانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ دونوں ترقی کے خواہاں نوجوان تھے...... اس وقت محمد بن ابی بکر کی عمر بائیس سال سے زیادہ نہیں تھی اور محمد بن ابی حذیفہ تقریباً انہی کے ہم عمر تھے۔

غزوۂ ذات الصوری کی معراج نصرت اور اس فتح مبین کی بلندی نیز اس پر رونق

[1] الکامل لابن اثیر: ج ۳، ص ۵۹۔

عظیم فضا میں محمد بن ابی بکر و محمد بن ابی حذیفہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے امراء کے خلاف اپنے قاتلانہ تیر درست کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کامیاب فتح کے قائد عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کے بھی یہ دونوں مخالف ہو گئے۔

چنانچہ ان دونوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی تبدیل کردہ پالیسی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف موصوف کی اختیار کردہ باتوں کے عیوب ظاہر کئے اور دونوں کہنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون حلال ہے کیونکہ انہوں نے عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کو عامل بنادیا جو مرتد ہو گیا تھا اور قرآن عظیم کے ساتھ کفر کرنے لگا تھا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون مباح کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو خارج کر دیا تھا انہیں عثمان نے عامل و حاکم بنادیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عثمان نے معزول کر دیا اور ان کے بجائے سعید بن العاص و عبداللہ بن عامر جیسے لوگوں کو والی بنایا۔ [1]

اس مقام پر ہمیں اس سخت تنقید پر ایک نظر ڈالنی چاہیے جسے ابن ابی بکر اور ابن ابی حذیفہ حضرت عثمان کے سلسلے میں کرتے تھے۔

① دونوں حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تبدیلیوں اور حضرت ابوبکر و عمر سے مخالفتوں کے عیوب ظاہر کئے۔ حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اجتہاد کرنے کا پورا حق حاصل تھا اور اس میں ان کی اطاعت ہونی چاہیے تھی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت عثمان پر حجت نہیں تھے ان پر صرف کتاب اللہ اور سنت نبوی حجت تھی۔ یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد معاملات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تنقید کیوں نہیں کی گئی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقسیم مال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی۔ یہ کام انہوں نے مسلمانوں کی فضیلت اور مسابقت کے مطابق کیا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے مابین مال کی تقسیم یکساں کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین پر مفتوح شدہ اراضی کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور اپنے پاس

---

[1] البدایہ والنہایہ: ج ۷، ص ۱۵۷، بحوالہ واقدی عن معمر عن الزہری (واقدی غیر ثقہ متروک اور کذاب ہے)

مدینہ منورہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو روک رکھنے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی، لیکن کوئی بھی شخص ان پر اعتراض کرنے کے لیے نہیں کھڑا ہوا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ تنقید کیوں کی جانے لگی؟

② دونوں (محمد بن ابی بکر و محمد بن ابی حذیفہ) یہ کہنے لگے کہ ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون حلال ہے کیونکہ انہوں نے عبداللہ بن سعد کو عامل بنادیا جو مرتد و بے دین ہوگیا تھا اور قرآن مجید کا کفر کر بیٹھا تھا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مباح الدم قرار دیا تھا۔''

اس میں کون سی غرابت تھی؟ عبداللہ بن سعد کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالی تھی تب سے موصوف عبداللہ بن سعد اسلام کی حفاظت میں تھے۔ موصوف مسلمانوں کے ایک فرد قرار پاگئے تھے جس کے قاتل کے خلاف جنگ بھڑک سکتی ہے۔ گزری ہوئی بات سے تعرض نہ کرنا اور ایسی بات کو دفن کر دینا اسلام کا موقف ونظریہ ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کو مباح الدم قرار دیدیا تھا پھر وہ مسلمان ہوگئے اور اچھے مسلمان بنے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا اور خود غزوۂ یرموک میں شہید ہوگئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر اسلام میں ایسے مدعیان نبوت کو قبول کر لیتے تھے جو اپنے تائب ہونے کا اعلان کر دیتے تھے مثلاً طلحہ بن خویلد اسدی اور عمرو بن معدی کرب زبیدی جو غزوۂ نہاوند کے بعد شہید ہوئے...... جب عبداللہ بن سعد کی توبہ قبول کر لی گئی تھی تو انہیں مسلمانوں کے درمیان جینے کا حق حاصل تھا۔ نیز انہیں یہ حق بھی تھا کہ ایسے منصب پر سرفراز ہوں جس کو ان کے لیے خلیفہ مناسب سمجھیں اس کے بعد کہ معیوب ماضی کو نسیان کے گڑھوں میں دفن کر دیا جائے کیونکہ اسلام پہلے کی ساری باتوں کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

③ دونوں نے کہا تھا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو نکال باہر کیا تھا انہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے حکام بنادیا۔'' اس میں کوئی غرابت نہیں ہے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سمجھ پر شبہ نہیں

کیا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کچھ لوگوں کو مدینہ منورہ سے باہر نکال دیا تھا تو اس کا سبب یہ تھا کہ اسلام کے خلاف جنگ اور بغض میں ان کا بڑا ہاتھ تھا لیکن اب وہ زمانہ گزر چکا تھا اب زمانہ کا تقاضا یہ تھا کہ ان لوگوں کو مدینہ منورہ کی گود میں واپس لایا جائے تا کہ وہ اپنا پرانا عار دھو ڈالیں اور اسلامی معاشرہ میں ضم ہو جائیں۔ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سربرآوردہ صحابہ کی موجودگی میں مدینہ منورہ آئے۔ ان صحابہ میں جنت کے بشارت یافتہ چھ حضرات زندہ تھے ان میں اصحاب بدر، اصحاب بیعت الرضوان، کبار مہاجرین وانصار بھی تھے مگر اس معاملہ میں ہم کسی بھی طرح کی تنقید ان حضرات کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نہیں پاتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اجتہاد، مشورہ اور احکام نافذ کرنے کے خلیفہ مجاز تھے...... ان لوگوں کا مدینہ منورہ میں داخل کرنا کوئی تشریعی اقدام نہیں تھا، پھر اگر ان لوگوں کو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے حاکم بنایا تو اس میں کوئی غرابت نہیں۔ کیونکہ نظام اسلامی میں حکام کی تقرری اور معزولی خلیفہ کے حقوق واختیارات میں سے ہے اب ہمیں بدلی ہوئی صورت حال کے تصور کی کوشش کرنی چاہیے! ہم کو سوچنا چاہیے کہ مدینہ منورہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالے ہوئے جن لوگوں کو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے واپس بلا لیا تھا اسلامی معاشرہ میں ان کی جدید حالت وروش کیا تھی کیا وہ لوگ اسلامی معاشرہ کے افراد میں اس وجہ سے خس وخاشاک اور آنکھ کے تنکے کی طرح قرار پا جائیں کہ ان کا ماضی خراب رہ چکا ہے؟ اور لوگوں کا ان کو اپنے درمیان دیکھنا ان کے داغدار ومعیوب ماضی کے احساسات کو اس لیے ابھار دے گا کہ وہ کسی زمانہ میں راہ خدا سے روکا کرتے تھے؟ کیا خلیفہ ان کے ماضی کی بنیاد پر انہیں قتل کر دیں؟ اور بذریعہ جہاد وقربانی اس لاحق شدہ عار کو دھلنے کا انہیں موقع نہ دیں۔ جس سے ان کے عظیم حال کے سبب خراب ماضی کا بھلا دینا آسان ہو سکے؟

اس طرح کی بات اسلام نے کبھی نہیں کی...... ہم دیکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو غزوۂ موتہ میں بھیجا۔ حالانکہ انہیں مسلمان ہوئے چند مہینوں سے زیادہ نہیں گزرا تھا...... حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ

ذات السلاسل میں امیر لشکر بنا کر بھیجا حالانکہ وہ ابھی نو مسلم تھے، پھر حضرت خالد کو مختلف غزوات میں امیر لشکر بنایا گیا۔ یہ سب اس لیے ہوتا تھا کہ اس نوعیت کے لوگوں کے لیے میدان تیار ہو سکے اور وہ جہاد کرنے اور قربانی دینے کی مشق کر سکیں اور اسلامی معاشرہ میں گھل مل سکیں اور اللہ کی راہ میں ایسے قابل فخر صفحات ہو جائیں جن کی بدولت راہ خدا سے رکاوٹ کے صفحات لپیٹ دیئے جائیں...... یہی چیز امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اختیار کی تھی۔ موصوف نے ان لوگوں کو اس لیے عامل بنایا کہ اسلامی معاشرہ میں انضمام و شمولیت کے کام میں مشق و مہارت حاصل کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں صحابیوں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا یہی طرزِ عمل تھا۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لوگوں نے کیوں تنقید و عیب گیری کی؟

④ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو معزول کر کے ان کی جگہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص اور عبداللہ بن عامر کو حاکم بنایا۔''

حالانکہ اس طرح کے کام امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی کئے پھر ان پر لوگوں نے کیوں تنقید نہیں کی؟ کیا انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو معزول کر کے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو والی نہیں بنایا تھا حالانکہ سعد و عمار کی قدر و منزلت اور اسلام میں مسابقت معروف چیز ہے۔

کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمیر بن سعد انصاری صحابی عظیم کو معزول یا مستعفی کر کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم نہیں بنایا تھا حالانکہ معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والوں میں سے تھے۔

علاوہ ازیں اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہونے والی یہ تنقید اصل میں وزن دار تھی کہ انہوں نے اپنے اقربا کو سرکاری عہدے دیئے تو اس کے فکری اور سیاسی دواعی و اسباب تھے جن کا تقاضا تھا کہ ایسا ہی کیا جائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس قبیلہ کے آدمی تھے جو آخری دم

تک کفر کا عَلَم بردار رہا۔ یہ قبیلہ اسلام کے خلاف جنگ کا عَلَم بردار تھا۔ یہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور نسب کے اعتبار سے شریف و اصل تھا یعنی بنو امیہ کا قبیلہ۔ بنو امیہ کے لیڈر ابوسفیان اسلام کے خلاف جنگ کرتے رہے اور اسلام کے خلاف لڑنے والے لشکر کی قیادت کرتے رہے۔ ان کے قبیلہ کے تقریباً سبھی لوگ اور باقی مشرکین ان کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف لڑتے رہے حتی کہ موصوف فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے۔ اگر ہم چند لمحات کے لیے پیچھے کی طرف لوٹ آئیں اور صلح حدیبیہ کے واقعات کے ساتھ ٹھہریں تو مندرجہ ذیل حادثہ ہم کو ٹھہرنے پر مجبور کر دے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کہا تھا کہ مکہ مکرمہ قاصد کی حیثیت سے جائیں تا کہ اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا سبب بتلائیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں جنگ کرنے نہیں آئے ہیں...... اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیا تھا؟

انہوں نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی جان پر قریش سے ڈرتا ہوں۔ مکہ مکرمہ میں میرے قبیلہ بنو عدی بن کعب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو مجھے بچا سکے۔ قریش کو اپنے ساتھ میری عداوت و سختی کا حال معلوم ہے۔ لیکن میں آپ کو ایک ایسا آدمی بتاتا ہوں جو میرے بالمقابل قریش میں کہیں زیادہ معزز ہیں یعنی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ!

حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک غیر مشہور قبیلہ کے فرد تھے، اس قبیلہ سے صرف تھوڑے سے لوگ نمایاں ہو سکے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس قبیلۂ بنی امیہ سے تھے جو اسلام کے خلاف شرک کا علم بردار تھا جس وقت عام لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو گئے اس وقت بنو امیہ کے لوگ شرمسار و خجل ہو کر اپنے غم کھا رہے تھے...... اور نادم و تائب ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کر رہے تھے...... یہ لوگ چونکہ اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور آج اپنے کئے پر شرمسار و نادم تھے اس لیے ان کی ندامت و شرمساری کا مشاہدہ کر کے بغض سے اگر نہیں تو ہمدردی بھری نگاہوں سے انہیں ضرور دیکھتے تھے...... یہی وجہ تھی کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کی زمام کار سنبھالی تو ان کے لیے

ضروری ہو گیا کہ ان لوگوں کا اعتبار واپس لائیں اور انہیں تجربات کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھیں اور انہیں اللہ کی راہ میں جہاد اور خطرناک مہموں میں بھیجیں اور ان کے لیے سازگار فضا فراہم کریں تا کہ دوسروں کی طرح وہ بھی شرف جہاد حاصل کر سکیں اور عقیدۂ اسلام کی خاطر مر مٹنے کے لیے تیار رہیں...... لہٰذا یہ فطری بات تھی کہ بنو امیہ کے بہت سے لوگوں کو معاملات کی ذمہ داریاں سونپی جائیں...... ان لوگوں نے میدان قیادت میں اپنی قابلیت وصلاحیت کی برتری اور فوقیت نیز حکومت کے مختلف شعبوں میں عظیم قوت بھی ثابت کر دکھائی۔

ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح ثابت ہوگئی:

((خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوْا))

''زمانۂ جاہلیت کے اچھے لوگ علم دین سے آراستہ ہونے کے بعد اسلام میں بھی اچھے ہی رہتے ہیں۔''

ہم تھوڑی دیر کے لیے محمد بن ابی بکر و محمد بن ابی حذیفہ کی بات چھوڑ کر عبداللہ بن عامر کو گورنر بنانے میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ برکتوں کا مشاہدہ کریں جن کے گورنر بنائے جانے پر لوگ تنقید کرتے تھے۔

۳۲ھ میں یعنی جس زمانہ میں امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت سرزمین روم کی طرف لشکر اسلام کی روانگی کے لیے ملک شام میں تیاری کی جا رہی تھی۔ اسی زمانے میں سرزمین فارس وترکستان میں عبداللہ بن عامر نے پرچم جہاد بلند کیا اور میدانِ قیادت میں انہوں نے فائق مہارت ظاہر کر دکھائی اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے فتح عظیم دی جس سے مومنوں کو فرحت ہوئی اور منافقوں کو غم ہوا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب محمد بن ابی بکر و محمد بن ابی حذیفہ غیر شعوری طور پر ابن سبا یہودی کے دام فریب میں پھنس گئے (اللہ انہیں معاف فرمائے) یہ وہی زمانہ تھا کہ یہ دونوں عبداللہ بن عامر، امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی السرح رضی اللہ عنہ پر تنقید کر رہے تھے...... یہ وہی زمانہ تھا جس میں عبداللہ بن سعد بن ابی السرح نے مغربِ اسلامی میں عظیم ترین فتح کی قیادت کی تھی۔ یہ

رومیوں کے خلاف عظیم ترین بحری معرکہ آرائی تھی جو رومیوں کی پشت توڑ دینے والی تھی۔ یہ ذات الصوری کا معرکہ تھا جس میں دشمن کے پاس پانچ سو کشتیاں تھیں۔ جس میں قیصرِ روم قسطنطین اپنے زخم چاٹتا ہوا فرار ہو گیا تھا۔ یہ معرکہ مصر میں رومیوں کے خاتمہ کا باعث تھا اس طرح کہ اس فتح کے ساتھ نوبہ وافریقہ میں بھی بابرکت فتح حاصل ہوئی۔

لیکن مشرق اسلامی میں عبداللہ بن عامر لشکر اسلامی کے سرخیل تھے جو فارس و خراسان کی سرزمین میں دور تک گھستے چلے گئے اسی سال ۳۲ھ میں عبداللہ بن عامر نے مردروز، طالقان، فاریاب، جوزجان اور طخارستان کو فتح کیا اور یہ فتوحات گزشتہ سال یعنی ۳۱ھ کی فتوحات کے بعد ہوئیں مطلب یہ کہ ۳۱ھ میں بھی عبداللہ بن عامر کے ذریعہ متعدد فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔

یہاں ہم کو دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہیے۔

پہلی: پہلی ۳۱ھ میں پیش آمدہ بات جس کا ذکر حافظ ابن کثیر نے اس طرح کیا ہے:

''اس سال (۳۱ھ میں) ابن عامر نے بہت سی فتوحات کیں جن لوگوں پر یہ فتوحات حاصل کی گئیں ان لوگوں نے مصالحت کے بعد عہد شکنی کر ڈالی تھی، کچھ فتوحات بذریعہ جنگ حاصل ہوئیں اور کچھ صلح سے، جن شہروں سے مصالحت کی گئی تھی ان میں سے ایک ''مرو'' تھا۔ ایک روایت کے مطابق دو لاکھ بیس ہزار درہم بطور جزیہ دینے کی شرط پر صلح ہوئی تھی اور دوسری روایت کے مطابق دو لاکھ ساٹھ ہزار درہم۔'' [1]

دوسری: دوسری بات ۳۲ھ کی ہے جس میں عبداللہ بن عامر کے ہاتھوں مردروز، طالقان، فاریاب، جوزجان اور طخارستان فتح ہوئے۔

بنابریں عبداللہ بن عامر سے کہا گیا:

''جتنی فتوحات آپ کے ہاتھوں ہوئیں اتنی کسی کے ہاتھوں نہیں ہوئیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ: ج ۷ ص ۱۵۹۔

فارس، کرمان، سجستان اور خراسان۔"

عبداللہ بن عامر نے جواب دیا:

"یقیناً میں اس پر اللہ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کمر بستہ ہو کر اپنی اس اقامت گاہ سے عمرہ کا احرام باندھوں گا۔"

چنانچہ ابن عامر نے نیشاپور سے عمرہ کا احرام باندھا۔ [1]

مغرب کے اسلامی خطہ میں سرحد اسلام کے محافظ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح اور مشرق کے اسلامی خطہ میں اسلامی سرحد کے محافظ ابن عامر سے محمد بن ابی بکر و محمد بن ابی حذیفہ کو کیا ضرر ہو رہا تھا؟ اسلام کتنی اچھی حالت میں ہوتا اگر وہ داخلی سازشیں نہ ہوتیں جن کو عبداللہ بن سبا حرکت دے رہا تھا، پھر خلیفۃ الاسلام اور ان کے امرا کے خلاف بناوٹی معاملات ابھار رہا تھا!

ابن سبا اور اس کی پارٹی کو ان اسلامی فتوحات نے خوف زدہ اور حیران کر دیا تھا لہٰذا اس کے سامنے داخلی جنگ و جدال برپا کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ اگر عبداللہ بن سعد بن ابی السرح مغرب کے اسلامی خطہ اور ابن عامر مشرق میں تھے تو سرحد شام اور تمام شمالی اسلام کے حامی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟

امیر معاویہ قسطنطنیہ کے دروازے کھٹکھٹا رہے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ اس پر فوج کشی کر رہے تھے۔ دشمن محاصرہ میں تھا۔ ممکن تھا کہ وہ زوال پذیر اور شکستہ ہو جائے اور ساری زمین اپنے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دے بشرطیکہ وہ اندرونی بلا نہ آئی ہوتی جس کا منصوبہ یہود نے ہر خطے اور ملک میں بنا رکھا تھا۔ اس آفت کے سبب محافظین سرحد سرحدوں پر رک گئے اسلامی مغرب میں عبداللہ بن سعد بن ابی السرح رک گئے۔ مشرق میں عبداللہ بن عامر اور شمال میں امیر معاویہ، تاکہ نگاہیں اس شدید ترین داخلی فتنہ کی طرف متوجہ ہو جائیں جس سے صدرِ اسلام کی تاریخ آشنا ہوئی۔

---

[1] البدایہ والنہایہ: ج ۷ ص ۱۵۹، ۱۶۰۔

داعیانِ فتنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

''بیشک اہل کوفہ نے تمہاری طرف کچھ ایسے لوگوں کو روانہ کیا ہے۔ جو فتنہ خیزی کے لیے پیدا ہوئے ہیں تم انہیں باز رکھو اور ان پر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر ان کی طرف سے تم کسی قسم کی خیر و خوبی محسوس کرو تو اسے قبول کرو اور اگر وہ تمہیں عاجز کر دیں تو انہیں کوفہ والوں پر واپس کر دو۔''

یہ افراد جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے خوش آمدید کہا اور انہیں مریم نامی کلیسا میں ٹھہرایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ان پر وہ وظائف و اخراجات جاری کر دیئے جو ان کے اوپر عراق میں جاری تھے...... نیز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ صبح و شام کا کھانا بھی کھایا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ان لوگوں سے کہا:

''بیشک تم عربی النسل ہو۔ تمہاری اچھی خاصی عمریں اور زبانیں ہیں۔ بذریعہ اسلام تمہیں دوسری امتوں پر غلبہ و شرف حاصل ہوا ہے۔ تم نے دوسری امتوں کے مراتب اور میراثیں سمیٹ لی ہیں۔ مجھے خبر ملی ہے کہ تم قریش پر نقد و نظر کرتے ہو اگر قریش نہ رہیں تو تم دوبارہ اسی طرح ذلیل ہو جاؤ گے جس طرح کہ تھے۔''

یقیناً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے والے ہیں۔ ان میں اتنی فصاحت و بلاغت، حلم و صبر اور ذکاوت و چالاکی ہے جس سے وہ فتنوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی کوئی پیچیدگی پیدا ہوتی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجتے تا کہ وہ اسے سلجھا دیں اور عملاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان افراد کو راضی کرنے کے لیے اپنی وسعت بھر محنت صرف کی۔ اولاً ان کی تکریم کی۔ ان کے ساتھ مل جل کر رہے۔ ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہے۔ ان کے ساتھ مجالست کے

دوران اُن کے بھید سے واقف ہوئے۔ قبل اس کے کہ ان کی بابت نقل کی جانے والی باتوں کے مطابق ان پر حکم لگائیں...... اپنے اور ان کے درمیان تکلف اور وحشت کو دور کر دینے کے بعد انہوں نے یہ ملاحظہ کیا کہ قبائلی غرور ہی ان میں یہ تحریک پیدا کر رہا ہے اور حکومت و سلطنت کی خواہش انہیں بھڑکا رہی ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ دو زاویوں سے ان پر کسی چیز کا اصرار کیا جائے۔

① عربوں کی عزت میں اسلام کا اثر۔

② اشاعت اسلام اور اسلام کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے میں قریش کا کارنامہ۔

اگر عربوں کے بنانے، سنوارنے میں اسلام کا کوئی اثر تھا تو انہیں اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری تھا۔

اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے وضع عرب کی تصویر کشی کی۔ اسلام کی بدولت یہ لوگ ایک امت بن کر صرف ایک امام کی اطاعت کرنے لگے اور مطلق العنان، خونریزی اور گھناؤنی قبائلی عصبیت کو انہوں نے چھوڑ دیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ اپنی اس بات کے بعد یہ بھی کہا:

''تمہارے خلفا تمہارے لیے ڈھال ہیں لہٰذا اپنی اس ڈھال سے تم علیحدگی مت اختیار کرو۔ آج تمہارے خلفا تمہارے جور پر صبر کرتے ہیں اور تمہارے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ تو اس لیے کہ تم اپنے اس موقف سے باز آ جاؤ ورنہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسے حکمرانوں کے ساتھ مبتلا کر دے گا جو تم کو بری طرح ستائیں گے، پھر صبر کے باوجود بھی وہ تمہاری تعریف نہیں کریں گے۔ پوری رعیت پر تمہاری وجہ سے جو مصیبت آئے گی اس میں تم ان حکمرانوں کے حصہ دار دنیاوی زندگی میں بھی ہو گے اور مرنے کے بعد آخرت میں بھی۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس بات کے بعد ان میں سے ایک نے کہا:

''آپ نے قریش کی جو اہمیت بیان کی ہے تو قریش نہ جاہلی دور میں عام عربوں کے بالمقابل اکثریت میں تھے اور نہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ محفوظ و مامون اور طاقتور ہی تھے کہ آپ ہم کو ان سے ڈرائیں اور آپ نے ڈھال ہونے کا جو ذکر کیا ہے لیکن ڈھال اگر پھٹ جائے تو دشمن کا وار ہم پر اثر انداز ہو جائے گا۔''

اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اب میں تمہیں جان گیا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ تمہیں تمہارے اس کام پر قلتِ عقل نے ابھارا ہے (جس شخص نے مذکورہ بات کہی تھی اس سے مخاطب ہوتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا) تم ان لوگوں کے خطیب ہو مگر میں تمہارے اندر عقل نہیں دیکھتا میں تمہارے سامنے عظمت اسلام پیش کرتا ہوں لیکن تم مجھ سے جاہلی دور کی باتیں کرتے ہو۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں مگر تم یہ خیال خام رکھتے ہو کہ جو ڈھال تمہاری حفاظت کر رہی ہے وہ پھٹ رہی ہے اور جو ڈھال پھٹ رہی ہو وہ ڈھال، ڈھال نہیں رہ جاتی ہے...... اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے جنہوں نے تمہارے معاملہ کو اہمیت دی اور تمہارے معاملہ کو تمہارے خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ جان لیا کہ سرسری اشارہ ان لوگوں کو کبھی راضی نہیں کر سکتا اس لیے سب سے پہلے قریش عرب کی وقعت کی تشریح مفصل ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

''میرا خیال ہے کہ تم سمجھتے نہیں ہو مگر یہ سمجھ لو کہ جاہلی اور اسلامی دور میں قریش اللہ کے فضل ہی سے باعزت و معزز رہے۔ وہ عرب کی اکثریت یا عربوں میں زیادہ قوی نہیں تھے مگر باعتبار حسب و نسب، وہ سب سے زیادہ شریف اور اصیل تھے۔ نیز اہمیتوں کے لحاظ سے سب سے زیادہ باعظمت اور بلحاظ مروت سب سے زیادہ کامل تھے۔ لوگ ایک دوسرے

کو کھائے جارہے تھے لیکن قریش جاہلی دور میں بھی اس اللہ کے فضل سے محفوظ و مامون تھے جس کا معزز بنایا ہوا ذلیل نہیں کیا جا سکتا اور جس کا بلند کردہ آدمی پست نہیں کیا جا سکتا چنانچہ اللہ نے قریش کو امن والے حرم میں ٹھکانہ دے رکھا تھا جس کے ہر چہار جانب سے لوگ اچک لیے جایا کرتے تھے کیا تم نہیں جانتے کہ عرب ہوں یا عجم۔ سیاہ رنگ کے لوگ ہوں یا سرخ، سب کے ملک وعزت پر گردش ایام نے مصیبت ڈھائی مگر قریش اس سے مستثنیٰ رہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس کسی نے بھی کوئی بری تدبیر کرنی چاہی اس کی گردن کو اللہ نے پست کر دیا...... یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو آخرت کے انجام بد اور دنیا کی ذلت سے نجات دلائے جو اس کے دین کے تابع ہوں اور جن کو وہ عزت دینا چاہے لہٰذا اس نے اس چیز کے لیے اپنی بہترین مخلوق کو پسند کیا یعنی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ، پھر ان کے لیے اصحاب کو پسند کیا ان اصحاب میں سب سے زیادہ بہتر قریش تھے پھر اس حکومت کی بنیاد اللہ نے انہیں قریش پر رکھی اور موجودہ خلیفہ کو انہیں قریش میں بنایا اور اس کے لائق وہی تھے...... اللہ تعالیٰ زمانہ جاہلیت میں بھی ان کی نگہبانی کرتا تھا باوجود کہ وہ کفر پر تھے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ ان کی نگہبانی نہیں کرے گا جبکہ وہ اس کے دین پر قائم ہوں حالانکہ اس نے ان کی حفاظت دور جاہلیت میں بھی ان بادشاہوں سے کی جو تم کو اپنا غلام و فرمانبردار بنائے ہوئے تھے؟''

تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر افسوس ہے۔ کاش اس مجلس میں تمہارے علاوہ کوئی دوسرا بولتا (یعنی تو وہ اتنی غلط سلط باتیں نہ کہتا) لیکن تم ہی ابتدا کر بیٹھے اور صعصعہ تمہارا حال یہ ہے کہ تمہاری بستی بدترین عربی آبادی ہے۔ نشو ونما کے اعتبار سے تمہاری بستی بہت گندی ہے اور اس کی وادی زیادہ عمیق ہے۔ شر انگیزی میں زیادہ ماہر اور پڑوسی کے اعتبار سے کمینہ تر ہے۔ تمہاری اس بستی میں شریف یا ذلیل جو بھی رہے گا وہ بہت گالیاں کھائے گا اور اس پر یہ بستی باعث عار وعیب ہوگی۔ تمہاری بستی کے لوگ عربوں میں قبیح ترین القاب والے ہیں نیز رشتہ وناطہ کے اعتبار سے یہ لوگ بدترین قوم ہیں تمہاری بستی کے لوگ قوموں میں اجنبی

کی طرح ہیں۔ تم لوگ خط نامی خطہ کے پڑوس میں رہنے والے فارسیوں کے آلۂ کار ہو (خلیج فارس کے ساحل پر آباد شدہ بحرین کے ایک خطہ کو خط کہتے ہیں جو کسی زمانہ میں فارسیوں کی نوآبادیات میں شامل تھا۔)

تمہاری قوم کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے خیر ہوئی مگر یہ دعائے نبوی تم سے ٹکرا گئی اور تمہیں میسر نہ ہوئی کیونکہ تم عمان میں جا کر اجنبی کی طرح آباد ہو گئے تھے۔ بحرین میں سکونت نہیں رکھتے تھے کہ تم بھی دعائے نبوی میں شریک ہو سکو تم اپنی قوم میں سب سے بدتر ہو۔ یہاں تک کہ جب گم نامی کے بعد اسلام نے تمہیں شہرت بخشی اور لوگوں میں تمہیں شامل کر دیا اور تم کو ان لوگوں پر برتری اور فوقیت عنایت کی جن کو تم پر برتری حاصل تھی۔ تو تم اللہ کے دین میں کجی پیدا کرنے میں مصروف ہو گئے اور کمینگی و ذلت کے شیدا بن گئے۔ تمہارا یہ کام قریش کو ذلیل نہ کر سکے گا نہ ضرر پہنچا سکے گا اور نہ انہیں ان کی ذمہ داری کی ادائیگی سے مانع ہو سکے گا۔

شیطان تم سے غافل نہیں ہے...... پوری قوم میں سے اس کو تمہاری شرارت کا علم تھا۔ اس لیے اس نے تم کو لوگوں پر ورغلایا۔ وہ تم کو پٹخنا چاہتا ہے۔ بے شک اسے معلوم ہے کہ وہ تمہارے ذریعے اللہ کے کئے ہوئے کسی فیصلہ اور اس کے چاہے ہوئے کسی معاملہ کو بدل نہیں سکتا جب کبھی برائی کے ذریعے تم کوئی چیز حاصل کرو گے تو اس سے زیادہ بری اور رسوا کن چیز کا دروازہ اللہ تعالیٰ تم پر کھول دے گا۔"

یہ کہہ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں چھوڑ دیا۔

اس طرح موصوف نے انہیں باز رکھنے کے لیے اپنی تمام فکری، ثقافتی اور سیاسی صلاحیتیں خرچ کیں۔

سب سے پہلے انہوں نے قریش کے جاہلی اور اسلامی معاملہ کو پیش کیا۔ دنیا کے کس مسلمان پر سورۂ فیل کا ذکر نہیں گزرا جس میں اللہ تعالیٰ نے ہم سے ابرہہ اور لشکر ابرہہ کی ہلاکت اور اپنے گھر کی تکریم کی خاطر حفاظت قریش کا تذکرہ کیا ہے؟ اور کس مسلمان پر سورۂ

قریش کا ذکر نہیں گزرا جس میں اس قبیلہ یعنی قریش پر یہ احسان جتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی خاطر اس قبیلہ کو عزت بخشی؟ چنانچہ فرمایا:

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ ۝ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝﴾ [۱۰۶/قریش:۱تا۴]

''یعنی قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب انہیں اس گھر کے رب کی پرستش کرنی چاہیے جس نے انہیں کھانا کھلایا اور خوف سے محفوظ رکھا۔''

نیز اس قبیلہ (قریش) پر معرض احسان میں یہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ۝﴾ [۲۹/العنکبوت:۶۷]

''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو امن گاہ بنا دیا جبکہ ان کے چاروں طرف سے لوگ اچک لیے جایا کرتے ہیں پھر بھی وہ باطل پر ایمان رکھتے اور اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں؟''

اپنے گھر کی تکریم کی خاطر کفر کے باوجود قریش پر اللہ کا انعام تھا پھر وہ حالت اسلام میں قریش کو کیونکر چھوڑ دیتا؟

جب ہم فتنہ ارتداد کے واقعات اور حکومت پر قریش کی تولیت کے خلاف قبائل کے احتجاج پر نظر ثانی کرتے ہیں اور اس زمانے کے شاعر ارتداد حطیہ کے اس قول کو ذہن میں لاتے ہیں کہ:

اَطَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذْ کَانَ بَیْنَنَا   فَیَا لِعِبَادِ اللّٰهِ مَا لِاَبِیْ بَکْرٍ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے تو ہم نے ان کی اطاعت کی لیکن ان کے بعد بندگان خدا کو ابوبکر کی اطاعت کرنے کی کیا حاجت رہ گئی ہے؟''

اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کے قائدین امت حضرت ابوبکر صدیق، عمر

فاروق اور امین الامۃ ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہم نے تیز تند آندھیوں کے مقابلہ میں کس طرح کا طرز عمل اختیار کیا تو پتا چلتا ہے کہ یہ حضرات ایک طرف اس فرمان نبوی کی تائید و اثبات کرتے ہیں:

((اِنَّ الْاُمَرَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ))

''حکومت چلانے والے امرا قریش سے ہوں گے۔''

اور دوسری طرف سیاسی اعتبار سے یہ لوگ اس بات کی تائید واثبات کرتے ہیں:

((اِنَّ الْعَرَبَ لَا تَدِيْنُ اِلَّا لِقُرَيْشٍ))

''قریش کے علاوہ عرب کسی اور کے مطیع نہیں ہو سکتے۔''

اگرچہ اس وقت انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات مان لی تھی اور سب لوگ فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے، لیکن یہ لوگ نئے سرے سے فتنہ بھڑکانے لگے تھے۔

یہ تھے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ جاہلی دور میں قریش کو اللہ سے مربوط قرار دیں۔

یعنی اس زمانہ میں یہ لوگ اللہ کے گھر کے حامی ومحافظ تھے پھر وہ اسلامی دور میں ان کے کارناموں کو بھی بیان کرتے تھے جس زمانہ میں نوجوانان قریش نے دعوت اکبر کی ذمہ داری سنبھال لی اور اللہ نے انہیں بذریعہ اسلام عزت بخشی۔

اس میں شک نہیں کہ فتح مکہ مکرمہ کے دن جبکہ پرچم اسلام حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا تو سعد نے کہا تھا کہ ''آج اللہ نے قریش کو ذلیل کر دکھایا'' اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سعد کی بات پسند نہیں آئی اور آپ نے پرچم سعد سے چھین کر ان کے بیٹے قیس کو دیدیا اور فرمایا: ''آج اللہ نے قریش کو عزت بخشی ہے۔''

لیکن کلام معاویہ کا دوسرا فقرہ ان فتنہ پرور لوگوں کے قبائل اور ان کے جاہلی دور کی حالت پر فٹ ہوتا ہے۔ یہ قبائل جغرافیائی اعتبار سے خراب آب وہوا اور گندی مرز بوم کے

شدائد جھیلا کرتے تھے اور سیاسی اعتبار سے فارسیوں کی اطاعت و ذلت کی سختیاں برداشت کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ اسلام عزت بخشی تو ذلت کے بعد یہ معزز بن گئے اور پستی کے بعد بلند ہو گئے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تیسرا فقرہ ان لوگوں کے خطیب صعصعۃ بن صوحان پر منطبق ہوتا ہے اور اس بات کی ترجمانی کرتا ہے کہ صدائے رسالت کو لبیک کہنے میں انہوں نے کیسی پس و پیش کی تھی؟ جبکہ ان کی قوم کے لوگ داخل اسلام ہو گئے تھے پھر صعصعۃ اسلام سے منسلک ہو گئے تھے اور اسلام نے انہیں پستی کے بعد بلندی بخش دی تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقریر کا چوتھا فقرہ صعصعۃ اور ان کے ساتھیوں کے منصوبوں کو واضح کرتا ہے نیز اس بات کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرنی چاہتے تھے اور اللہ کے دین میں کجی کے خواہاں تھے نیز یہ کہ شیطان اس فتنے کا آشیانہ اور اس شر کا محرک تھا۔

اس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تاریخ امت کو اللہ جل شانہ، پھر اسلام اور عقیدہ کے ساتھ مربوط کیا پھر انہوں نے ان لوگوں کا کھوٹا پن ظاہر کیا اور انہیں فضیحت کی اور ان کے منصوبوں کا دعویٰ جاہلیت کے ساتھ تعلق واضح کیا۔

ہمارے سامنے ایک دوسری روایت ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے وہ روایت اس طرح ہے:

دوسری نشست کا آغاز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوا:

”بخدا! میں تم کو جس چیز کا حکم دیتا ہوں اس کی ابتدا میں اپنی ذات، اپنے گھر والوں اور اپنے خاص لوگوں کے ساتھ کرتا ہوں۔ قریش کو یہ معلوم ہے کہ ابوسفیان (والد معاویہ رضی اللہ عنہ) قریش میں خود سب سے زیادہ باعزت تھے اور سب سے زیادہ باعزت کے بیٹے تھے مگر اتنی بات تھی کہ اللہ نے اپنے نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو سب پر فوقیت بخشی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا تھا اور انہیں باعزت بنایا تھا...... کسی میں اخلاق صالحہ میں سے کوئی

چیز اللہ نے اگر پیدا کی تھی تو اس سے کہیں زیادہ عمدہ اور بہتر اخلاق کے ساتھ اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص کر دیا تھا اور برے اخلاق میں سے کوئی چیز اگر اس نے کسی میں پیدا کر رکھی تھی تو اس سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے پاک اور محفوظ رکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر سبھی لوگ ابوسفیان سے پیدا ہوئے ہوتے تو ہر شخص عقلمند ہوتا۔''

ہم نہیں جانتے کہ ابوسفیان سے متعلق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس بات کے لیے کون سی مناسبت اور گنجائش تھی۔ ممکن ہے کہ اس کا محرک یہ ہو کہ لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے باپ ابوسفیان کی تنقیص کیا کرتے تھے اس لیے انہوں نے یہ کہنا ضروری سمجھا جس سے ان کی عصبیت مزید بڑھ گئی چنانچہ صعصعۃ نے کہا:

''تم جھوٹ بکتے ہو، تمام لوگ تمہارے باپ ابوسفیان سے کہیں زیادہ بہتر یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا اور ان میں اس نے اپنی روح پھونکی تھی اور ان کے لیے تمام فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ سب نے سجدہ بھی کیا تھا لیکن آدم کی اولاد میں اچھے، برے اور احمق وزیرک ہر طرح کے لوگ ہیں۔''

چونکہ اس معاملہ میں حق صعصعۃ اور ان کے گروہ کے ساتھ تھا اور ابوسفیان کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی حقیقت سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر تھی اور ان لوگوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حجت بھی قائم کر دی تھی اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور نشست برخواست کر دی۔

تیسری مجلس

پھر دوسری رات آئی تو ان لوگوں سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیر تک بات چیت کی پھر انہوں نے کہا:

''لوگو! مجھے یا تو اچھا سا جواب دو ورنہ خاموش رہو اور سوچ بچار سے کام لو اور ایسی چیزوں کو دیکھو جو تمہیں تمہارے اہل وعیال تمہارے خاندان وقبائل اور مسلمانوں کے لیے نفع بخش ہوں تم اس طرح کی نفع بخش چیز تلاش کرو تو تم خود زندہ رہو گے اور تمہارے ساتھ ہم بھی زندہ رہیں گے۔''

صعصعہ نے کہا:

''تم اس لائق نہیں کہ تمہیں اچھا جواب دیا جائے اور نہ اس میں تمہارے لیے کوئی عزت ہے کہ اللہ کی معصیت میں تمہاری بات مانی جائے۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا میں نے ابتدا ہی میں تم کو اللہ کے تقویٰ و طاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ نیز یہ کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور افتراق مت پیدا کرو؟''

ان لوگوں نے جواب دیا:

''بلکہ آپ نے تفرقہ کی بات کہی ہے نیز اس کے خلاف بھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر میں نے تفرقہ کی اور خلاف فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات کہی ہے تو میں اسی دم اللہ سے توبہ کرتا ہوں اور آپ لوگوں کو تقویٰ، اطاعت خداوندی، اطاعت نبوی، جماعت سے وابستگی اور افتراق سے ناپسندیدگی کا حکم دیتا ہوں۔ نیز اس بات کا حکم بھی آپ کو دیتا ہوں کہ اپنے حکام کی توقیر کریں اور جس قدر ہو سکے آپ ہر بھلائی پر ان کی رہبری کریں اگر ان میں کسی طرح کی خرابی ہے تو نرمی و لطف کے ساتھ ان کو نصیحت کریں۔''

صعصعہ نے کہا:

''آپ کی اس بات کے پیش نظر ہم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اپنے عہدہ سے علیحدگی اختیار کرلیں کیونکہ آپ کے بالمقابل مسلمانوں میں اس عہدہ کے زیادہ حق دار لوگ موجود ہیں۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''وہ کون ہیں؟''

ان لوگوں نے کہا:

''جس کے باپ آپ کے باپ کے بالمقابل باعتبار شرافت و تقدم میں کہیں زیادہ بہتر ہیں اور وہ بذات خود بھی اسلام میں آپ کے بالمقابل باعتبار شرف و تقدم میں کہیں زیادہ بہتر ہیں۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بخدا مجھے اسلام میں تقدم حاصل ہے البتہ کچھ لوگ مجھ سے زیادہ بہتر شرف و تقدم والے ہیں لیکن میرے اس زمانہ میں اس عہدہ کو سنبھالنے والا مجھ سے زیادہ قوی کوئی نہیں ہے۔ یہ بات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھی تھی اگر میرے علاوہ کوئی دوسرا اس عہدہ کی زیادہ طاقت رکھنے والا ہوتا تو میرے یا کسی کے لیے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں کوئی سستی و نرمی نہ ہوتی۔ میں نے کوئی ایسی نئی بات بھی نہیں کی جس کے سبب مجھے اپنے عہدہ سے معزول ہو جانا بہتر ہو۔ اگر امیر المومنین اور جماعۃ المسلمین نے ایسی بات دیکھی ہوتی تو خلیفہ اپنے ہاتھ سے میری معزولی کا حکم لکھتے اور میں معزول ہو جاتا۔ اگر اللہ نے یہ مقدر کر رکھا ہے کہ وہ مجھے معزول کریں تو مجھے امید ہے کہ وہ اچھی ہی چیز کا عزم کریں گے۔ لہٰذا آپ لوگ توقف سے کام لیں کیونکہ اس طرح کی باتیں شیطان چاہتا ہے اور ان کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔

میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری رائے اور چاہت کے مطابق معاملات

طے ہوں تو امور اہل اسلام ایک دن اور ایک رات کے لیے بھی درست نہ رہ جائیں گے لیکن معاملات اللہ طے کرتا اور ان کی تدبیر کرتا ہے۔ لہٰذا تم خیر کی طرف مراجعت کرو اور اچھی بات کہو۔"

ان لوگوں نے جواب دیا:

"آپ اس کے لائق نہیں۔"

امیر معاویہ نے کہا:

"خبردار رہو! بخدا! اللہ کے سخت مواخذات اور انتقامات ہیں مجھے تم پر اس کا خوف ہے کہ تم شیطان کی مسلسل پیروی کرتے رہو گے یہاں تک کہ شیطان کی پیروی اور اللہ کی معصیت تم کو ذلت گاہ میں اللہ کے انتقام کے سبب جلد ہی پہنچا دے گی نیز آخرت میں دائمی رسوائی میں تمہیں ڈال دے گی۔"

یہ سن کر یہ لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اچھل پڑے اور انہوں نے موصوف کی داڑھی و سر کو پکڑ لیا...... تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے:

"اب زندگی بھر میں تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔" [1]

یہ آخری کوشش تھی جس میں امیر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری طاقت کو صرف کر دیا اور ان لوگوں کو فتنہ سے باز رکھنے کے لیے اپنے اعصاب، ثقافت اور حلم کا استعمال کیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں اللہ کی اطاعت وتقویٰ، جماعت سے وابستگی اور علیحدگی سے دوری کی دعوت دے رہے تھے مگر یہ لوگ اپنی آواز بلند کر کے کہتے تھے کہ "یہ جائز نہیں کہ اللہ کی معصیت میں تمہاری اطاعت کی جائے اور وہ اپنی بڑی بردباری اور کشادہ دلی سے مکرر کہتے کہ وہ اللہ کی اطاعت کا حکم دے رہے ہیں اور اگر ان کے خیال کے مطابق ان سے معصیت سرزد ہوئی ہے تو اس سے موصوف نے توبہ بھی کی پھر مکرر وہ انہیں اطاعت، جماعت لازم پکڑنے اور اتحاد امت میں تفرقہ سے دور رہنے کی دعوت دیتے رہے۔ اگر

[1] تاریخ طبری: ج ۳ ص ۳۶۶، ۳۶۷ بروایت سری عن شعیب عن سیف۔

وعظ انہیں فائدہ پہنچاتا تو اس برتاؤ، اس مہربانی ونرمی اور بردباری سے انکے قلوب ضرور متاثر ہوئے ہوتے۔ لیکن ان لوگوں نے اس کو امیر معاویہ کی کمزوری اور مداہنت سمجھا۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ انہوں نے ان لوگوں کو توجہ دلائی کہ وعظ ونصیحت میں نرمی ومتانت سے کام لیں اس سے ان لوگوں نے اپنے دل کی پوشیدہ بات ظاہر کر دینے کے لیے میدان کو کشادہ سمجھ لیا اور کہا:

"ہم آپ کو معزول ہونے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ اس عہدہ کا آپ سے زیادہ حق رکھنے والے مسلمان موجود ہیں"۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فوراً بھانپ گئے کہ یہ لوگ کوئی چیز چھپاتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے اوپر مخفی گوشہ کی معلومات حاصل کرنی چاہی۔ شاید ان معلومات میں ایسی بات مل جائے جس سے اس شخص کی طرف رسائی حاصل ہو سکے جو انہیں حرکت دے رہا ہے اور ان کے دماغوں میں خود غرضی پر مبنی خوفناک، بناوٹی جھوٹی افواہیں بٹھا رہا ہے لیکن ان لوگوں نے اس بات کو مخفی رکھا جس کو وہ چھپائے ہوئے تھے۔ انہوں نے صرف اس بات کی طرف اشارہ پر اکتفا کیا کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہدہ اس شخص کے لیے چھوڑ دیں جو ان سے افضل ہے اور جس کے باپ ان کے باپ سے افضل ہیں۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حلم وبردباری کا مظاہرہ کیا یعنی ان لوگوں کے طرز عمل کے بالکل خلاف جس پر وہ چل رہے تھے۔ یہ لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عہدہ سے معزول ہونے کو کہہ رہے تھے۔

اس جگہ ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب کو ایسا پاتے ہیں جو حکومت، امارت اور قیادت کے مقابلہ میں موصوف کے نقطۂ نظر سے اخذ کیا گیا تھا وہ ایک حساس نقطہ ہے جس کا ہمارے ذہنوں میں منقش ہونا اور ہمارے قلوب پر اثر انداز ہونا ضروری ہے۔ ان باتوں سے امیر شام حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بہت سے تصرفات پر فیصلہ کن رائے قائم کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جواب کو چھ بنیادی اور اہم نقطوں میں ملخص طور پر پیش کیا:

① انہیں اسلام میں سبقت و تقدم و شرف حاصل ہے۔ انہوں نے یہ بات بطور فخر و مباہات نہیں کہی تھی بلکہ ان تعنت پسند لوگوں کے سامنے ایضاح حقیقت کے لیے کہی تھی۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں۔ موصوف اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کی وفات کے بعد سرحد شام کے محافظ رہے جیسا کہ ہم نے دیکھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال مسلمانوں کے لشکر کے قائد بن کر کسی زمین کو فتح کرتے یا کسی شہر کا محاصرہ کرتے یا کسی نئی سرزمین اور نئے لوگوں میں اسلام کے لیے کوئی فضا ساز گار بناتے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے بحیرۂ روم کو بحیرۂ اسلامی میں بدل دیا تھا۔ اگرچہ مسلمان ہونے سے پہلے ہونے والے اسلامی معرکوں میں ان سے سبقت کی فضیلت فوت ہو گئی تھی لیکن اسلام میں داخل ہونے کے بعد اللہ کی راہ میں اپنے سارے ممکن وسائل اور قوتوں کو پیش کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

② بیشک مسلمانوں میں وہاں ان سے افضل و معزز لوگ موجود تھے نیز ان سے بہترین مسابقت اور کارکردگی والے بھی تھے لیکن وہ خود کو تمام مسلمانوں سے فائق نہیں قرار دیتے تھے البتہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ شام کی عظیم اسلامی سرحد کی حفاظت کرنے والوں میں وہ قوی تر تھے۔ چنانچہ جب سے وہ حاکم شام ہوئے تھے تب سے انہوں نے اس کے نظم و نسق اور سیاست کو درست رکھا تھا اور انہوں نے وہاں کے باشندوں کی نفسیات کو سمجھ لیا تھا حتی کہ باشندگان شام ان سے محبت کرنے لگے تھے اور ان پر کسی کو وہ ترجیح نہیں دیتے تھے جبکہ ہم دوسرے صوبوں اور سرحدوں کو دیکھتے ہیں کہ ایک امیر پر وہ قرار نہیں پکڑتے تھے اور وہاں بغاوتیں اور فتنے نہیں رکتے تھے وہ قوی بھی تھے اور امارت کے لائق بھی، گورنروں میں ان کے طرز کا کوئی نہیں تھا۔

③ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حکام اور گورنروں کی تقرری کرنے کے حساس اور دقیق معیار استعمال کرتے تھے۔ انہیں اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت نہیں روک سکتی تھی اگر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوئی خامی و نقص، انحراف و غلط روی یا کمزوری پاتے تو ضرور معزول کر دیتے اور موصوف کو ایک دن کے لیے بھی برقرار نہ

رکھتے۔ حق کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی استقامت و پختگی اور عزیمت میں شک کی گنجائش نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ تھے کہ کسی راستہ میں انہیں آتا ہوا دیکھ کر شیطان بھاگ جاتا تھا۔ ان کے پورے دور خلافت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کام کیا تھا۔ اسی طرح اس سے پہلے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض ذمہ داریاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونپی تھیں اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کاتب وحی بنا رکھا تھا اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حاکم بنایا تھا مگر کسی نے بھی ان کی کارکردگی پر اعتراض وطعن نہیں کیا تھا۔

④ عہدہ سے معزول کئے جانے کے لیے ضروری ہے کہ معزولی کو واجب قرار دینے والے اسباب پر اعتماد کیا جائے۔ دریں صورت داعیان فتنہ وہ کون سی دلیل پیش کرتے تھے جس کی بنیاد پر معزول کیا جائے؟ امیر معاویہ نے کسی ایک حادثہ وسبب کو پیش کرنے کا مطالبہ کیا جس کے سبب انہیں عہدہ سے معزول ہونا چاہیے تھا۔ اس کے پس منظر میں وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ یہ لوگ ان کے خلاف اپنے جی میں کیا مقصد رکھتے ہیں؟ نیز یہ جاننا چاہتے تھے کہ امت میں آتش فتنہ بھڑکانے کے لیے وہ کس قسم کی چیزیں پھیلا سکتے ہیں۔

⑤ عہدہ سے معزول کرنے یا امارت کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کرنے کا حق ان مدعیانِ اصلاح کو نہیں حاصل تھا بلکہ اس کا حق امیر المومنین حضرت عثمان کو تھا، نصیحت اور ان کو معروف (بھلائی) کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا حق حاصل تھا اور ان پر یہ فرض تھا کہ اگر حکام کسی معصیت وگناہ کا حکم دیں تو اطاعت نہ کریں کیونکہ اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ یہ سارے حقوق انہیں حاصل تھے لیکن کسی دوسرے کے لیے معزولی وتقرری کا حق ہونا یہ حق نہیں بلکہ بے راہ روی، مطلق العنانی، بربادی اور فساد ہے یہی بات ان سے امیر معاویہ نے پوری تاکید کے ساتھ ان الفاظ میں کہی تھی:

> ''اگر تمہاری رائے اور چاہت کے مطابق معاملات طے کئے جائیں تو مسلمانوں کے معاملات ایک دن بھی درست نہیں رہ سکیں گے۔''

⑥ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں چھٹا نقطہ سب سے زیادہ خوشگوار ہے وہ یہ کہ

امیر المومنین جس دن معاویہ کی معزولی کا فیصلہ کریں گے وہ ٹھیک ہی ہوگا انہیں اس بات پر پورا اعتماد تھا کہ امیر المومنین کا ہر حکم بہتر ہوگا...... اس میں ذلت کی کوئی بات نہیں، وہ تو ایک مامور کردہ امیر تھے جو خلیفۃ المسلمین کا پابند ہوتا ہے، اگر وہ اپنے کو اس امارت کے سنبھالنے میں تمام مسلمانوں سے زیادہ قوی سمجھتے تو بھی امیر المومنین کا فیصلہ ان کی اپنی رائے سے کہیں زیادہ بابرکت تھا...... چنانچہ انہوں نے کہا تھا:

"اگر امیر المومنین اور مسلمانوں کی رائے ہوتی تو وہ خود اپنے ہاتھ سے مجھے لکھتے تو میں معزول ہو جاتا اور اگر اللہ نے اس طرح کا فیصلہ کیا تو مجھے امید ہے کہ امیر المومنین اچھی ہی بات کا فیصلہ کریں گے۔"

اس مجلس کا خاتمہ بہت افسوسناک اور المناک ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ کے انتقام اور غضب سے ڈرایا تھا۔ نیز انہوں نے لوگوں کو شیطان کے پھسلانے اور گرانے کی جگہوں سے آگاہ کیا تھا...... نیز انہوں نے خلیفہ کی نافرمانی اور تفرقہ اندازی سے خبردار کیا تھا۔ انہوں نے خواہشات نفسانی اور غرور کی پیروی سے ہوشیار کیا تھا مگر اس کے بالمقابل ان لوگوں کا کیا موقف وطرز عمل تھا؟

یہ لوگ امیر معاویہؓ پر کود پڑے تھے اور انہوں نے موصوف کی داڑھی وسر پکڑ لیے تھے۔ اس موقعہ پر موصوف نے انہیں ڈانٹا اور ہٹایا تھا اور ان سے سخت کلامی کی تھی جس میں تہدید اور دھمکی پوشیدہ تھی۔ موصوف سمجھ گئے تھے کہ حق کی طرف ان کا لوٹنا محال ہے۔ لہٰذا ان کے معاملہ کو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچانا ضروری تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بنام امیر المومنین عثمان از معاویہ بن ابی سفیان

امابعد...... آپ نے میرے پاس جن لوگوں کو بھیجا ہے وہ شیاطین کی زبان میں بات کرتے ہیں، نیز وہ شیطانوں کی املا کرائی ہوئی بولیاں بولتے ہیں، وہ بزعم خویش لوگوں کے

پاس قرآن کی باتیں لاتے ہیں اس لیے لوگوں کو شبہات میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ تمام لوگ ان کے اصل مقصد کو نہیں جانتے۔

یہ لوگ تفرقہ چاہتے ہیں، اور فتنہ کو قریب کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں اسلام گراں اور پریشان کن معلوم ہوتا ہے، ان کے قلوب میں شیطان کا اثر جاگزیں ہو گیا ہے، باشندگان کوفہ میں جن لوگوں کے مابین یہ رہا کرتے ہیں ان میں سے بہت سارے لوگوں کو انہوں نے بگاڑ دیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ اگر یہ باشندگان شام کے درمیان رہے تو اپنے جادو منتر اور بدکرداری سے انہیں بھی آپس میں بھڑکا دیں، لہٰذا آپ انہیں ان کے شہر میں واپس کر دیجیے، ان کا قیام ان کے اسی شہر میں رہنا چاہیے جہاں ان کا نفاق رونما ہوا ہے۔...... [1] والسلام۔

یہ مجلسیں ان لوگوں کی حالت معلوم کرنے، ان کے باطن کو ظاہر کرنے اور ان کے مقصد کی حدیں بتلانے کے لیے کافی تھیں۔ معاویہ نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صریح طور پر بتلا دیا تھا، یہ لوگ شیطان کے سپاہی اور اسلام کے دشمن ہیں، دل میں جو رکھتے ہیں ظاہر اس کے خلاف کرتے ہیں، ان کا مقصد لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈالنا اور فتنہ ابھارنا ہے تاکہ وہ لوگوں کو حق سے پھیر دیں، اور لوگوں کو بگاڑنے کی اس مہم میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں لیکن ان کی بابت رائے یہ تھی کہ انہیں ان کے شہر کوفہ میں محبوس رکھا جائے اور وہ وہاں سے نکلنے نہ پائیں تاکہ دوسروں کو نہ بگاڑ سکیں اور اس کے بعد امیر المومنین کی سمجھ میں جو آئے وہ کریں۔

[1] تاریخ طبری: ج۳ ص ۳۶۶، ۳۶۷۔

فتنے کا سیلاب امنڈ پڑا

سن پینتیس ۳۵ آیا اور اپنے ساتھ ہولناک حوادث کا طوفان لایا، ان الم خیز حوادث کا محرک اور ذمہ دار عبداللہ بن سبا تھا۔ ہم عبداللہ بن سبا کی داستان یزید فقعسی کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

عبداللہ بن سبا صنعا کا ایک یہودی تھا، اس کی ماں کا نام سوداء تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مسلمان ہوا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے شہروں میں منتقل ہو گیا سب سے پہلے وہ حجاز گیا، اس کے بعد کوفہ، بصرہ اور پھر شام کا سفر کیا۔ شام والوں سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں وہ ناکام رہا۔ شامیوں نے اسے وہاں سے نکال دیا۔ پھر وہ مصر آیا اور یہیں سکونت اختیار کی۔ مصریوں میں اسی نے مندرجہ ذیل غلط عقائد کی ترویج شروع کی۔

"عبداللہ بن سبا نے لوگوں سے یہ کہا کہ مجھے تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جو یہ سمجھتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ تشریف آوری کو جھٹلاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ﴾ [۲۸/ القصص:۸۵]

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کے مستحق ہیں۔"

رجعت کا یہ عجیب وغریب عقیدہ لوگوں نے اس سے قبول کر لیا۔ اس نے اس عقیدہ کو عوام کے سامنے پیش کیا اور عوام اس کے بارے میں رائے زنی کرنے لگی۔

اس کے بعد اس نے لوگوں سے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہزارہویں نبی ہیں، ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔

اس نے لوگوں سے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں اور حضرت علی خاتم الاوصیا ہیں۔

اس نے کہا: اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو جائز نہیں سمجھا۔ آپ کے وصی پر چڑھ دوڑا اور امت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔

اس کے بعد اس نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بغیر حق کے حکومت چھین لی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی موجود تھے۔ تم لوگ اس معاملے کو ابھارو اور حرکت دو۔ اپنے کام کی ابتدا اپنے امراء پر طعن و تشنیع اور بہتان تراشی سے کرو۔ بظاہر معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو لیکن بباطن لوگوں کو اس معاملے کی طرف راغب کرو اور ان کو اس کی طرف بلاؤ۔ [1]

مذکورہ بالا اقتباس از ابتدا تا انتہا سازش کی تمام کڑیوں کی پوری وضاحت کر رہا ہے۔

عبداللہ بن سبا نے اپنے دام فریب کی ابتدا رجعت کے عقیدے سے کی۔ جب اس کے اس خیال نے عوام وخواص میں مقبولیت کا درجہ حاصل کرلیا اور فتنے کی یہ کڑی مضبوطی سے پھنس گئی تو عیاری وچالاکی سے اس نے دوسری کڑی پھنسا دی اور رجعت سے وصیت اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی۔ ان کڑیوں کو ایک دوسرے سے ملاتا گیا۔

اس مقصد تک پہنچنے کے لیے اس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا چغہ زیب تن کیا اور خفیہ طور سے امرا و حکام کے خلاف طعن و تشنیع اور الزام تراشی کرنے لگا۔ بہت ہی باریک بینی اور محکم تنظیم کے ساتھ آہستہ آہستہ اس نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ اس طرح فتنہ پھٹ پڑا اور اس نے قوم کو ہلاکت کے دہانے تک پہنچا دیا۔

اس سازشی خاکہ کی عملی تطبیق کے یہ نمونے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فتنہ پردازوں کے موقف کا جائزہ ہم پہلے لے چکے ہیں۔ فتنہ پردازان سے گورنری سے علیحدگی کا مطالبہ کر رہے تھے انہیں بدنام کر رہے تھے اور

[1] بحوالہ طبری: ج ۳، ص ۳۷۸، بروایت سری عن شعیب عن سیف عن عطیہ عن یزید الفقعسی۔

حکومت کے لیے ان کی صلاحیت اور مرتبہ کو گھٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ان کا دوسرا نشانہ حضرت سعید بن عاص والیٔ کوفہ تھے اور یہ نشانہ فتنہ پردازوں کے شام سے نکل جانے کے بعد گویا سازشی کڑی کا ایک تتمہ تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے داعیوں کو شام سے جلاوطن کر دیا حالانکہ اس سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں شام میں سکونت کی اجازت دے چکے تھے فتنہ کے ایجنٹوں نے عراق میں بھی مستقل سکونت اختیار کرنے میں خوف محسوس کیا کیونکہ وہاں ان کا پردہ فاش ہو چکا تھا۔ انہوں نے ان دو شہروں کے بیچ میں الجزیرہ جیسے مقام کو منتخب کیا، جہاں ایک طرف وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہ سکتے تھے، دوسری طرف بے خوف ہو کر اپنی سرگرمیوں کی رفتار تیز کر سکتے تھے۔

لیکن عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیر جزیرہ کا وجود ان کے لیے خطرناک تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جزیرہ کا حاکم عبدالرحمٰن بن خالد کو بنایا تھا انہوں نے شرپسندوں کی گردنیں ناپنی شروع کر دیں اور ان کے استیصال کی پوری کوشش کی۔

کوفہ کے فتنہ پردازوں کا سرغنہ اشتر نخعی تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے دارالخلافہ میں طلب کیا تاکہ اس سے متعارف ہو جائیں آپ نے اس کی باتوں کو سنا اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔

ابن سبا شام میں نہیں رہ سکا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس نے اپنے دام میں گرفتار کرنا چاہا، لیکن وہ اتنے زیادہ محتاط اور سمجھ بوجھ والے تھے کہ اس کے جال میں نہ پھنس سکے۔ [1] اس نے جزیرہ میں بھی جانے کی جرأت نہ کی کیونکہ وہاں عبدالرحمٰن بن خالدؓ کی سطوت اور انتقام بہت زیادہ قوی تھا۔ اس لیے اس نے فسطاط میں رہنا زیادہ مناسب سمجھا تاکہ وہاں سے شام، عراق اور جزیرہ میں موجود اپنے معاونین کو حرکت میں لا سکے۔

فتنے کی ابتدا مسجد میں یزید بن قیس سے ہوئی۔ وہ اپنے سبائی ساتھیوں کو لے کر

[1] دیکھیے مؤلف کی کتاب "ابوذر الغفاری الزاہد المجاہد۔"

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی معزولی کے مطالبہ کا اعلان کرتے ہوئے مدینہ کی طرف چلا لیکن قعقاع بن عمرو نے آگے بڑھ کر اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ دیکھ کر یزید بن قیس کو امیر المومنین کے خلاف پروپیگنڈے کی جرأت نہ ہوئی اور اس نے تنقید کا رخ کوفہ کے امیر سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف پھیر دیا۔ یہ واقعہ ہمیں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی یاد دلا رہا ہے جب انہوں نے ابن سبا کو گرفتار کر کے امیر معاویہ کے سامنے پیش کیا۔

یزید بن قیس نے کہا: ہم سعید کی معزولی کا مطالبہ کرنے جا رہے ہیں۔

قعقاع نے جواب دیا: اس سے تمہارا کچھ تعلق نہیں ہے اس کے لیے نہ تم مجلسیں جماؤ اور نہ تمہارے پاس لوگ جمع ہوں۔ تم اپنی ضرورت بتاؤ، خدا کی قسم! وہ ضرور پوری کی جائے گی۔

یزید نے محسوس کر لیا کہ وہ خطرے میں گھر چکا ہے۔ صورت حال ایسی ہے کہ معمولی سی حرکت بھی کینہ پروروں کو حرکت میں لا سکتی ہے اس نے اجرت پر ایک آدمی کو طلب کیا اور اسے کچھ درہم اور ایک خچر دے کر کوفہ کے جلاوطن لوگوں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا:

"میرے خط کو اپنے ہاتھوں سے اس وقت تک نہ رکھنا، جب تک کہ تم یہاں پہنچ نہ جاؤ۔ مصر والے ہمارے خلاف متحد ہو چکے ہیں۔"

اب ہم پھر اشتر نخعی کے قصے کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس نے جب توبہ کا اعلان کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا۔ اشتر مدینہ سے ٹھیک اسی وقت جزیرہ پہنچا جب یزید کا ہرکارہ جزیرہ پہنچا۔

جزیرہ والوں نے ہرکارہ سے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا اشتر۔

لوگوں نے کہا: کس قبیلہ سے تمہارا تعلق ہے؟ اس نے جواب دیا کلب سے۔ اس پر اہل جزیرہ نے کہا: کلب ایک ذلیل درندہ ہے جو لوگوں میں افتراق پیدا کرتا ہے۔ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے لیکن اشتر نخعی جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر توبہ کا اعلان کیا تھا۔ اپنی بات سے پھر گیا، وعدہ خلافی کی اور بغاوت پر جما رہا۔ اس نے لوگوں کی

مخالفت کی اور رات کی تاریکی میں باغی و نافرمان بن کر فرار ہو گیا۔

اس کے ساتھیوں نے کہا: اس نے تو ہم پر تنگی ڈال دی۔ اللہ اس پر تنگی ڈالے، اس کے کرتوت کے بارے میں ہمارے پاس کوئی توجیہ نہیں ہے اگر ہمارے متعلق عبدالرحمٰن کو علم ہو گیا تو وہ نہ ہماری باتوں کی تصدیق کریں گے اور نہ چھوڑیں گے۔ بہتری اسی میں ہے کہ اشترنخعی ہی کی پیروی کرو، ان لوگوں نے اشترنخعی سے جا ملنے کا عزم کر لیا اور عبدالرحمٰن کے پاس نہیں حاضر ہوئے۔

عبدالرحمٰن کو جب ان کے فرار کا پتا چلا تو انہوں نے ان کی تلاش میں آدمی دوڑائے اور مجبوراً انہیں عبدالرحمٰن کے پاس آنا پڑا۔

اب پھر یزید فقعسی کی روایت کی طرف آیئے۔ سازشیوں کے بعض خاص اور اہم پہلوؤں کا وہ ہمارے سامنے انکشاف کرتے ہیں۔

ابن سبا نے اپنے ایجنٹوں کو تمام شہروں میں بھیجا اور ان شہروں کے مفسدین سے خط و کتابت کی۔ یہ لوگ خفیہ طور سے لوگوں میں اپنے خیالات پھیلاتے اور بظاہر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا لبادہ اوڑھے رہتے، یہ لوگ دوسرے شہروں سے لوگوں کو اپنے حکام کے جھوٹے عیوب لکھ کر بھیجتے اور وہاں کے مفسدین بھی ایسا ہی کرتے ان میں سے ہر ایک اپنے شہروں کی سرگرمیاں دوسرے مقامات پر تفصیل سے لکھ کر بھیج دیتے یا ہر شہر والے دوسرے مقام کے خطوط اپنے شہروں میں پڑھتے حتیٰ کہ مدینہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہو گیا۔ مفسدین کا ارادہ کچھ ہوتا اور ظاہر کچھ کرتے، ان افواہوں کے پھیلنے کے بعد ہر شہر کے عوام کہتے: شکر ہے کہ ہم اس مصیبت سے بچے ہیں جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہیں اور جب مدینہ والوں کے پاس بھی اسی قسم کی خبریں تمام شہروں سے موصول ہونے لگیں تو وہ بھی کہنے لگے: شکر ہے کہ ہم اس مصیبت سے محفوظ ہیں جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہیں۔ [1]

بلادِ اسلامیہ کے متعلق اس قسم کی ہولناک اور الم انگیز خبریں سُن کر حضرت محمد بن مسلمہ اور طلحہ بن عبیداللہ حرکت میں آ گئے۔ یہ دونوں حضرات امیر المومنین حضرت عثمان بن

[1] بحوالہ طبری: ج ۳ ص ۳۷۹۔ تذکرہ ۳۵ھ۔

عفان رضی اللہ عنہ کے پاس فوراً تشریف لے گئے اور کہا: امیر المومنین! کیا آپ کو بھی لوگوں کے متعلق ایسی خبریں مل رہی ہیں جیسے ہمیں مل رہی ہیں؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، نہیں خدا کی قسم! ہم کو تو صرف امن و امان کی خبریں ملی ہیں۔

دونوں صحابیوں نے کہا۔ ہمارے پاس دوسری ہی قسم کی خبریں آ رہی ہیں۔ [1]

اس کے بعد ان دونوں حضرات نے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس فتنہ کے متعلق جو بلاد اسلامیہ میں موجیں مار رہا تھا اور ان کے حکام کے خلاف ہر علاقہ میں طعن و تشنیع اور عیب جوئی کا بازار گرم تھا۔ تفصیل سے بتلایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ میرے شریک کار ہیں۔ مسلمانوں میں معتبر اور مقبول ہیں مجھے مشورہ دیجئے۔

دونوں صحابیوں نے کہا: ہمارا مشورہ ہے کہ آپ تمام بلاد اسلامیہ میں اپنے کچھ معتمد لوگوں کو روانہ کریں تا کہ وہ لوگ آپ کو صحیح حالات کے متعلق رپورٹ دیں۔ [2]

بلاشبہ وہ بیج جسے زمین نے اپنے اندر رکھ چھوڑا تھا، اس کی جڑیں پھیلنے لگی تھیں اور فتنے کی ہوا زمین کی سطح پر بھی چلنے لگی۔ بلاد اسلامیہ افواہوں سے گونج رہے تھے۔ تمام شہروں میں مراسلت کی بھرمار تھی، امراء و حکام کے خلاف بہتان تراشی اور عیب جوئی کی بدبو دار ہوا سے کوئی بے خبر نہ تھا، حتیٰ کہ یہ افواہیں امیر المومنین کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں۔

اصحاب شوریٰ نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ امیر المومنین اپنے کچھ خاص لوگوں کو حکام کے متعلق الزامات کی تحقیق کے لیے ممالک محروسہ میں بھیجیں۔

چنانچہ محمد بن مسلمہ کو کوفہ کی جانب، اسامہ بن زید کو بصرہ کی طرف، عمار بن یاسر کو مصر اور عبداللہ بن عمر کو شام کی طرف بھیجا گیا۔ یہ لوگ کبار صحابہ میں سے تھے اور خاصا

---

[1] بحوالہ طبری: ج ۳ ص ۳۷۹۔ ۳۵ھ [2] ایضاً۔

وزن رکھتے تھے، کسی قسم کے شک وشبہ سے بالاتر تھے۔ خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ ان افواہوں کی وجہ سے بے چین رہنے لگے۔ ان کا دل یہ سوچ کر دھڑکنے لگا تھا کہ ان کے حکام اور ماتحت اس قسم کے ہوگئے ہیں جیسا کہ افواہیں پھیلانے والے بتلا رہے ہیں۔

وفد واپس آیا اور ان کے ترکش ایسی خبروں سے پُر تھے جو لوگوں کے مضطرب دلوں کو ٹھنڈا کردیں۔

وفد نے کہا: لوگو! نہ ہم نے اور نہ ان مقامات کے سربرآوردہ اور نہ عوام نے کوئی قابل اعتراض بات دیکھی۔

ان لوگوں نے کہا: حکومت مسلمانوں کی ہے۔ ان کے حکام انصاف کرتے ہیں اور پوری ذمہ داری سے اس پر قائم ہیں۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عمار بن یاسر کے رویہ سے تکلیف پہنچی۔ انہوں نے مصر میں پھیلی ہوئی افواہوں پر کان دھرا اور سبائیوں کے دام تزویر میں آگئے۔ فتنے کے بڑے بڑے سرغنے عبداللہ بن سبا، خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر مصر ہی میں موجود تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف تحقیقات ہی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے علاوہ اصلاح حال کے لیے دو بہت ہی ٹھوس اور ضروری اقدام کیے۔

پہلا اقدام:

پورے بلاد اسلامیہ میں ذیل کے مضمون پر مشتمل ایک عام اعلان نادر بھجوایا:

"حمد وصلوٰۃ کے بعد! میں ہر حج کے موقع پر اپنے تمام عمال کا محاسبہ کروں گا۔ جب سے مجھے خلافت سونپی گئی، میں نے خود کو تمام امت پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ذمہ دار بنالیا ہے جب بھی میرے پاس یا میرے عمال کے پاس کوئی شکایت پہنچتی ہے میں اسے دور کرتا ہوں۔

رعایا کے اسی مال میں میرا اور میرے اہل و عیال کا حق ہے جو ان سے بچ رہے۔ مدینہ والوں نے مجھ سے یہ شکایت کی ہے کہ کچھ لوگوں کو مارا جاتا اور گالیاں دی جاتی ہیں۔ اس خفیہ ضرب و شتم پر مجھے ندامت اور افسوس ہے جس کو کسی قسم کی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر آئے اور اپنا حق مجھ سے یا میرے عمال سے لے لے۔ یا صدقہ کر دے کیونکہ اللہ صدقہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ [1]

آپ نے دیکھا اس انصاف سے بڑھ کر روئے زمین پر کون سا انصاف ہو سکتا ہے۔ اس احتیاط کے معیار کو کوئی احتیاط پہنچ سکتی ہے، عوام کی اس آزادی اور اکرام سے بڑھ کر کوئی آزادی اور عزت ہو سکتی ہے۔ آپ نے امت کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق عطا کیا۔ حکام اور عمال کا فیصلہ کھلی عدالت میں اور بر سر مجلس حج کے موقع پر کیا۔ جس شخص کا ذرا سا بھی ربط آپ کی ذات یا اہل و عیال سے ہے اس کا حق صرف رعیت کے بچے ہوئے مصارف میں سے ہے، حق دار حج کے موقع پر آئے اور پوری امت کی موجودگی میں اپنا حق خلیفہ یا اس کے عمال سے لے لے۔

خلیفہ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں جو بے اعتمادی پیدا ہو گئی تھی، یہ اعلان اسے ختم کرنے میں تریاق ثابت ہوا جیسا کہ ابن جریر" فرماتے ہیں:

"بلاد اسلامیہ میں جب یہ اعلان پڑھ کر سنایا گیا تو لوگ رو پڑے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے خیر کی اور کہا: امت شر میں پڑ گئی۔"

دوسرا اقدام:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ عبداللہ بن عامر، معاویہ اور عبداللہ بن سعد کو فوراً طلب کیا۔ سعید بن عاص اور عمرو بن عاص (جو سابق گورنر مصر تھے) کو بھی بلایا اور ایک اہم اور خفیہ نشست ہوئی، جس میں اسلام کے دارالخلافہ مدینہ میں پہنچنے والی خبروں

---

[1] بحوالہ طبری: ج ۳، ص ۳۷۹۔ بروایت سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ۔

کی روشنی میں مندرجہ ذیل بات چیت ہوئی اور تجاویز پیش کی گئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: یہ کس قسم کی افواہیں اور شکایتیں سننے میں آ رہی ہیں، خدا کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مصداق تمہیں لوگ نہ ہو اور اس کی ذمہ داری میرے سر ہو۔

حکام: کیا کچھ لوگوں کو آپ نے تحقیق کے لیے نہیں بھیجا؟ کیا ہم لوگ آپ کے پاس قوم کے بارے میں صحیح خبریں نہیں پیش کرتے ہیں؟ کیا تحقیقاتی کمیشن واپس نہیں آیا اور ان سے کسی نے ہمارے خلاف کوئی شکایت کی؟ نہیں خدا کی قسم! نہ تو انہوں نے تصدیق کی اور نہ برأت کا اظہار کیا۔ ہمارے خیال میں ان افواہوں کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور ان کی بنا پر کسی سے مواخذہ کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: تو مجھے اس بارے میں مشورہ دو۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ: یہ ایک خفیہ سازش ہے، یہ افواہیں سادہ لوحوں سے بیان کی جاتی ہیں اور وہ اسے اپنی مجلسوں میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: اس کا حل کیا ہے؟

حضرت سعید رضی اللہ عنہ: آپ شر پسندوں کو طلب کیجئے اور جو لوگ اس قسم کی افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ انہیں قتل کر دیجئے۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ: جب آپ لوگوں کے حقوق ادا کر رہے ہیں تو ان سے بھی ان کے فرائض کی ادائیگی کا مطالبہ کیجئے، یہ اس بات سے بہتر ہے کہ آپ انہیں یوں ہی چھوڑ دیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: آپ نے مجھے حاکم بنایا ہے، تو میں ایسی قوم کا حاکم بنا ہوں، جن کے پاس سے آپ کو صرف امن و امان اور خیر کی خبریں موصول ہوں گی اور یہ دونوں اشخاص اپنے خیالات کے بارے میں زیادہ جان کاری رکھتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: تو تمہاری کیا رائے ہے؟

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: مناسب گوش مالی کیجئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: عمرو! تمہاری کیا رائے ہے؟

عمرو: میرا خیال ہے کہ آپ نے ضرورت سے زیادہ نرمی برتی ہے، آپ نے انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ڈھیل دی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں کا طریقہ اختیار کیجئے۔ آپ سختی کی جگہ سختی کیجئے اور نرمی کی جگہ نرمی برتئے۔ سختی اس کے لیے زیادہ مناسب ہے جو شر وفتنہ میں لوگوں کی پروانہ کرتا ہو اور اس شخص کے لیے نرمی مناسب ہے جو لوگوں کی نصیحت سنتا ہو۔ اس کے برعکس آپ نے دونوں جگہ نرمی ہی کا مظاہرہ کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: حمد وصلوٰۃ کے بعد!

آپ لوگوں کے مشوروں کو ہم نے سنا، ہر واقعہ کے لیے ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ داخل ہوتا ہے۔ اس امت پر جس حادثے کا خوف ہے وہ آ کر رہے گا۔ اس کا دروازہ صرف نرمی اور محبت سے بند کیا جائے گا، لیکن اللہ کے حدود میں کوتاہی نہ کی جائے گی، اللہ جانتا ہے کہ خیر کے بارے میں نے اپنی، نہ لوگوں کی پروا کی ہے۔

خدا کی قسم! فتنہ کی چکی چلنے والی ہے۔ اگر عثمان اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے بشارت ہے۔ لوگوں سے نرمی برتو، ان کے حقوق ادا کرو، انہیں معاف کردو۔ لیکن اللہ کے حقوق میں سہل انگاری سے کام نہ لو۔ [1]

مذکورہ بالا اقتباس سے ان تمام خیالات کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے جو اس وقت عمال اور زُعما کے دماغ میں چکر لگا رہے تھے۔ تمام لوگوں کے ذہن میں یہ بات تھی کہ صورت حال زیادہ تشویشناک نہیں ہے۔ تاہم سب نے یہ بات محسوس کی کہ کچھ شورش پسند فتنے کو بھڑکا رہے ہیں اور اسے ہوا دے رہے ہیں۔ ان کا مقصد مسلمانوں کے شیرازہ کو پارہ پارہ کرنا ہے اور اکثر زعما کی یہی رائے تھی کہ ان شورش پسندوں سے سختی کے ساتھ نمٹا جائے۔ فتنہ کے سرغنوں اور دعاۃ کو قتل کر دیا جائے اور ان کا مکمل استیصال کر دیا جائے۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اعلیٰ دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ ان کی رائے اور

[1] بحوالہ طبری: ج ۳، ص ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۵ھ بروایت سری عن شعیب عن سیف۔

خیال کے ماحصل کو تین حصوں میں رکھا جا سکتا ہے۔

(الف) آپ اس مسئلہ کے بارے میں عمال کے مشورے سن رہے تھے، لیکن آپ کے ذہن میں فتنہ کی وہ تصویر ابھر رہی تھی جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا اور اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

"عنقریب بہت سے فتنے اٹھ کھڑے ہوں گے، سن لو، پھر فتنے ہوں گے ان میں بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا فتنوں کی طرف دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ جب یہ فتنے پیدا ہوں تو جس کے پاس اونٹ ہو وہ اسی سے چمٹا رہے، جس کے پاس بکری اور جس کے پاس زمین ہو وہ اسی سے چمٹا رہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان فتنوں کو گویا اپنے دروازے پر دیکھ رہے تھے۔ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق بڑی دوراندیشی کی بات کہی تھی: (یہ ایک بناوٹی معاملہ ہے جسے خفیہ طور پر گھڑا جاتا ہے اور سادہ لوحوں سے بیان کیا جاتا ہے اور پھر وہ اسے ان کی مجلسوں میں بیان کرتے ہیں)

(ب) فتنہ کے لیے کوئی دروازہ ضرور ہونا چاہیے۔ جس سے اس کی تاریک موجیں داخل ہو کر خشک و تر سب کو بہا لے جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تیز حس نے اسے اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔ دو یا تین سال قبل جب عبداللہ بن سبا نے شام میں قدم رکھا تھا، اسی وقت سے وہ اس فتنہ کے منتظر اور متوقع تھے۔

آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے متعلق جو خط لکھا تھا، اس میں اس بات کی طرف ان الفاظ کے ساتھ اشارہ کیا تھا:

"یقیناً فتنہ بے نکیل ہو چکا ہے، اب صرف اس کا چھلانگ لگانا باقی ہے، تم زخم کو تراش کر اور گہرا نہ کرو۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس بات سے بچ رہے تھے کہ فتنہ کا دروازہ خود ہی بنیں۔

(ج) ان تمام مسائل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حسب ذیل منصوبہ تھا جسے پڑھ کر ان کے موقف کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا جا سکتا ہے:

وہ فتنہ کا دروازہ ہرگز نہ بنیں گے، قتل و تعذیب اور سختی کے ذریعے اس کی آگ کو نہ بھڑکائیں گے۔ فتنہ پر وہ موت کو ترجیح دیں گے تاکہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ کی اس دعا پر عمل ہو جائے:

"اے اللہ! اگر تو قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو مجھے فتنہ میں ملوث ہوئے بغیر اٹھا لے۔"

فتنہ کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تنہا یہ موقف نہیں تھا، بلکہ یہی موقف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ چنانچہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

"ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے کہا: فتنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کسے یاد ہے؟ میں نے کہا: مجھے یاد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "تم حدیثیں بیان کرنے میں بہت جری ہو، وہ حدیث کیا ہے؟ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "انسان کا فتنہ اس کے اہل، مال و اولاد، اس کا نفس اور اس کے پڑوسی میں ہے جس کا کفارہ روزہ، نماز، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا مطلب اس حدیث سے نہیں ہے۔ میں اس فتنہ کے متعلق حدیث سننا چاہتا ہوں، جو سمندری موجوں کی طرح موجزن ہوگا۔" میں نے کہا: امیر المومنین! آپ کو اس حدیث سے کیوں دلچسپی ہے؟ آپ اور اس فتنے کے درمیان ایک بند دروازہ ہے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا یا کھولا جائے گا" میں نے کہا۔ "بلکہ وہ توڑ دیا جائے گا" حضرت عمر نے کہا: پھر شاید وہ کبھی بند نہ ہوگا۔ راوی کہتے ہیں: ہم لوگوں نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ دروازہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، انہیں اس کا ایسے ہی علم تھا جیسے یہ معلوم تھا کہ کل سے پہلے رات ہے" میں نے جو حدیث

بیان کی ہے اس میں کسی قسم کی غلطی نہیں ہے۔ حضرت ابو حذیفہ سے پوچھا گیا: ''دروازہ کون تھے؟ آپ نے فرمایا (عمر)'' اس حدیث کی تخریج بخاری، مسلم اور ترمذی نے کی ہے۔

(د) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عزم کہ وہ اللہ کے حدود میں نرمی نہیں برتیں گے۔ حقیقت میں اس میں کسی قسم کی سہل انگاری اور مداہنت کا دخل ہو ہی نہیں سکتا ہے کیونکہ امام کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی حدود کو نافذ کرے۔

لیکن دوسرے معاملات میں وہ طاقت کے استعمال سے مطلق گریز کرتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان واقعات سے نابلد نہیں تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھا کہ آپ کو شام کے متعلق کسی شورش کی خبر نہیں پہنچے گی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مناسب گوش مالی کا مشورہ دیا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مختصر اور بلیغ جملہ اس بات کی پوری طرح وضاحت کررہا ہے کہ انہوں نے اپنی رعیت کے ساتھ کس قسم کی پالیسی اختیار کی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے حج سے واپس آنے تک مدینہ میں رکے رہ گئے۔ امرا کی جماعت اپنے شہروں کو واپس چلی گئی، حج کے موقع پر کسی نے بھی عمال کے خلاف کوئی شکایت پیش نہیں کی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مدینہ سے رخصت ہونے سے قبل اگرچہ وہاں کی فضا پرسکون تھی لیکن ان کی تیز نظروں نے آنے والے خطرے کو بھانپ لیا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ عنقریب بلاد اسلامیہ کی فضا مسموم ہو جائے گی اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تخلیہ میں وہ تمام باتیں گوش گزار کردیں جو وہ محسوس کررہے تھے۔ حضرت معاویہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے تین تجاویز رکھیں اور ان کے بارے میں دونوں حضرات میں حسب ذیل مکالمہ ہوا:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ: امیر المومنین! اس سے قبل کہ آپ کے اوپر ناقابل برداشت حملہ کیا جائے، آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیے۔ شام والے پوری طرح آپ کے وفادار ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: میں جوار نبی کو کسی شے کے بدلے فروخت نہیں کر سکتا خواہ میری گردن اڑا دی جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ: میں آپ کے پاس ایک لشکر بھیج دوں جو مدینہ کے قریب موجود رہے تاکہ اگر اہل مدینہ یا آپ پر کوئی آفت آئے تو وہ مقابلہ کرے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: میں لشکر رکھ کر ہمسائیگانِ رسول کی روزیاں بند کروں اور دار الہجرۃ والنصرۃ کے سکان کو مفلسی میں ڈال دوں؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ: خدا کی قسم، امیر المومنین! آپ اچانک قتل کر دیئے جائیں گے یا آپ پر چڑھائی ہوگی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ (میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ اس فتنے کے آثار نمودار ہو رہے ہیں جو امیر المومنین کو ہلاک کر دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس حقیقت کو سمجھ رہے تھے، انہیں محسوس ہو گیا تھا کہ یہ شورش برپا ہو کر رہے گی لیکن اگر وہ فتنہ پردازوں سے نپٹنا شروع کر دیں اور محض گمان کی بنا پر انہیں قتل کر دیں تو عنقریب وہ بھی فتنہ میں ملوث ہو جائیں گے اور وہ اس فتنہ کی بھنور میں چھلانگ لگانا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ جب قتل و خون ریزی کا دروازہ کھل جاتا ہے تو وہ کبھی بند نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو وہ قیامت تک امت سے نہیں اٹھائی جائے گی۔" [1]

اس لیے جب تک کوئی تدبیر بن پڑے گی، وہ فتنے کا دروازہ نرمی سے بند کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں، وہ شام چلے جائیں اور وہاں سے صورتحال کے مطابق تغیر و تبدل کریں یا مدینہ کے تحفظ کے لیے شام سے ایک لشکر منگوا لیں،

---

[1] ترمذی۔

دوسری صورت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے قطعاً نا قابل قبول تھی اس لیے کہ اس طرح وہ مدینہ والوں کے لیے تنگیٔ رزق کا باعث بن رہے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تینوں تجاویز تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے نہایت ہی غمگین اور رنجیدہ ہو کر اٹھے۔ شام کی واپسی میں ان کی ملاقات صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ہوئی، انہوں نے بے اختیار ہو کر ان کے سامنے اپنا دل کھول دیا اور ان کو اپنا راز بتا دیا اہم بات یہ تھی کہ اس جماعت میں ایسے کبار صحابہ بھی موجود تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے امیدوار تھے، کسے جرأت تھی کہ ان کے علم میں آئے بغیر انہیں بغاوت کے سرغنوں میں شمار کرتا، اس جماعت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ موجود تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے اثر و رسوخ اور عوام میں ان کی مقبولیت سے بخوبی واقف تھے۔ وہ تلوار کو گلے میں لٹکائے اپنی کمان کا سہارا لے کر ان کے سامنے کھڑے ہوئے اور ان سے سلام عرض کرنے کے بعد فرمایا:

"آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس سے قبل لوگ سرداری حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے تھے، تم میں سے ہر ایک کے کنبہ کا ایک سردار ہوتا تھا جو ہمیشہ سب پر فائق رہتا تھا اور صرف اپنا حکم چلاتا تھا، اس میں نہ تو کسی سے شہادت لیتا تھا اور نہ کسی سے مشورہ لیتا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعہ آپ کے متبعین کو عزت بخشی۔ آپ کے انتقال کے بعد لوگوں نے جسے ریاست سونپی، وہ باہم مشورہ کے ذریعے کوئی فیصلہ کرتے تھے، وہ لوگ اسلام میں سبقت، اجتہاد میں مہارت اور ایمان میں اولیت کو فضیلت کا معیار سمجھتے تھے۔ اگر لوگوں نے اسی راستہ کو اپنایا اور اسی پر قائم رہے تو ریاست و سرداری ان کو حاصل ہو گی اور عوام ان کے وفادار ہوں گے اور اگر

وہ دنیا کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے باہم مباحث کے ذریعہ حاصل کرنا چاہا تو وہ ان سے چھن جائے گی اور اللہ ریاست کسی دوسرے کے حوالہ کر دے گا۔ لوگوں کو چاہیے کہ انانیت اور غیرت سے پرہیز کریں کیونکہ اللہ امارت کی تبدیلی پر قادر ہے اور اس کے ملک اور حکم میں اس کی مشیت چلتی ہے۔

تمہارے درمیان ضعیف خلیفہ کو چھوڑے جا رہا ہوں، انہیں مناسب اور صحیح مشورہ دیجئے؟ آپ لوگ ان کا تعاون کیجئے آپ اس کے بارے میں ان سے زیادہ خوش نصیب ہوں گے۔"

یہ کہہ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں رخصت کیا اور شام روانہ ہو گئے۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس شخص کے اندر کوئی خیر نہیں دیکھتا تھا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں خدا کی قسم! ابھی چند دن قبل ہمارے اور آپ کے دلوں میں اس کی شخصیت اتنی عظیم نہ تھی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوچ لیا کہ انہوں نے امانت پہنچا دی اور یہ امانت ان کا یہی بے حد مختصر اور بلیغ کلام تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ماقبل اسلام اور مابعد اسلام کی دو متقابل صورتیں پیش کیں۔ اسی طرح امت کے زعما کی بھی تصویر سامنے رکھ دی۔ ان دونوں پہلوؤں میں بہت گہرا اور مضبوط ربط تھا۔

یہ قائدین جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شامل تھے اسلام کی آمد کے قبل حکومت میں ان کا کوئی عمل دخل نہ تھا حتی کہ اسلام کے ذریعہ یہ لوگ مدینہ میں جمع ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کی فضیلت اور اسلام میں سبقت اور ان کے جہادی کارناموں کا اعتراف تھا انہیں معلوم تھا کہ اسی جہاد نے انہیں مسلمانوں کا پیشوا بنایا ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ قیادت میں شخصیت کا اتنا اعتبار نہیں ہوتا جتنا نوعیت کا ہوتا

---

[1] بحوالہ طبری: ج ۳، ص ۳۸۱، ۳۵ھ روایت سری عن شعیب عن سیف۔

ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ کے راستہ میں جہاد سے ہوتا ہے، لیکن جب دنیا ان کی حرکت کا سبب بن جائے گی تو یہ لوگ اس مرکز کو کھودیں گے جہاں اللہ کی راہ میں بلائے عظیم برداشت کرتے ہوئے یہ لوگ اکٹھا ہوئے تھے۔

یہ کلام ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وصیت کی یاد دلا رہا ہے جو آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کی تھی:

"اے سعد! اگر کوئی تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں یا صحابی رسول کہے: تو اس سے دھوکہ نہ کھانا، کیونکہ اللہ عزوجل برائی کو برائی سے نہیں ختم کرتا ہے بلکہ برائی کو اچھائی سے مٹاتا ہے اور اللہ اور اس کے بندے کے درمیان صرف اطاعت کا رشتہ ہے کسی نسبت کا رشتہ نہیں ہے۔" [1]

یہ ایک فقیہہ اسلام کا فرمان ہے جو امارت اور حکومت کا سب سے بڑا جان کار تھا۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ امیر معاویہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کی گفتگو کا تجزیہ کرتا چلوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات صرف اس وقت ہوئی جب امیر معاویہ مشرکین کے لشکر کے ایک سپاہی بن کر آئے تھے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے اس وقت متعارف ہوئے جب مشرکین مکہ سے جنگ کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ جب اسلام نے دونوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کر دیا۔ اس وقت تعارف اور مصاحبت کا سلسلہ شروع ہوا لیکن یہ عرصہ بھی زیادہ طویل نہیں رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کو خطوط نویسی پر مامور کیا اور اس کے بعد کسی قبیلے کا والی بنا دیا۔ پھر وہ مدینہ کی فضا سے دور شام میں تقریباً بیس سال مقیم رہے۔ ایسی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی شخصیت کے بارے میں کیسے پوری طرح معلومات رکھ سکتے تھے؟

یقیناً شام کی فتوحات جن کی قیادت امیر معاویہ کر رہے تھے ان کی خبریں حضرت علی رضی اللہ عنہ

[1] بحوالہ البدایہ والنہایہ: ج ۷، ص ۳۵، ۱۴ھ۔

کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں، لیکن شام کی یہ فتوحات ان عظیم فتوحات کی معمولی سی کڑی تھیں، جن کی قیادت، حضرت سعد، خالد، مثنیٰ اور قعقاع وغیرہ جیسے عظیم الشان فوجی قائدین کر رہے تھے۔ حالات نے ان دونوں کو کبھی موقع فراہم ہی نہیں کیا کہ دونوں اشخاص مدینہ میں ملتے جلتے اور ایک دوسرے کے متعلق پوری واقفیت حاصل کرتے۔ البتہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ اہمیت تھی وہ ان کے جہادی کارناموں کی شہرت اس وقت سے سن رہے تھے جب وہ مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ صف آرا تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظروں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بے حقیقت آدمی تھے۔ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اتنا ہی معلوم تھا کہ انہوں نے اپنی جوانی اسلام کی مخالفت اور اس کے خلاف محاذ آرائی میں گزاری، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور شام کے والی بنے۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت علی کی نظروں میں حضرت معاویہ ایک کامیاب اور بے نظیر حکمران ثابت ہوئے ہوں لیکن ان کے اسلامی اور عقائدی معیار کے متعلق انہیں کچھ خبر نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہ کی نظروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو عظمت اور اہمیت تھی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظروں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہیں تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جو کہا کہ ہم اس شخص کے اندر خیر کا پہلو نہیں دیکھتے تھے، ان کے اس قول سے ہمارے سامنے ایک نئی چیز آئی لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔ ''نہیں، خدا کی قسم! وہ ہمارے اور آپ کے دلوں میں آج کی طرح کبھی عظیم نہیں تھا۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاموشی ان کے اس سے اتفاق کا پتا دیتی ہے اور دونوں کی گفتگو سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ انہوں نے ایک نئی شخصیت کا انکشاف کیا ہے جسے قدرت نے انوکھی صلاحیتوں اور قوتوں سے نوازا تھا اور وہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی شخصیت تھی۔

حج کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد

مدینہ میں فتنہ کی دوسری کڑی وجود میں آئی۔ اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی ایک بڑی تعداد مدینہ میں پہنچ گئی یہ وہ لوگ تھے جو حج کے موقع پر امیر المومنین کے پاس حاضر نہیں ہوئے تھے، کیونکہ وہاں تمام حکام اور عمال موجود تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ذہانت اور فطانت سے ان کے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ آپ نے ان کے پاس دو آدمیوں کو جن میں ایک بنی زہرہ کا تھا اور دوسرا بنی مخزوم کا تھا، بھیجا تاکہ مظاہرہ کرنے والوں کی نیتوں کا علم حاصل کر سکیں۔ چونکہ ان دونوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی جرم میں سزا بھی دی تھی۔ اس لیے مظاہرین کا ان پر بھروسہ قرین قیاس تھا۔ (جب مظاہرین نے ان دونوں کو دیکھا تو ان کو اپنے مقاصد سے آگاہ کیا)

ان دونوں نے پوچھا: اس معاملہ میں مدینہ والوں میں سے تمہارا کون کون معاون ہے؟

مظاہرین: تین اشخاص۔

ان دونوں نے کہا: کیا اس کے علاوہ اور کوئی ہے؟

مظاہرین: نہیں۔

ان دونوں نے کہا: اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟

مظاہرین: ہمارا منصوبہ ہے کہ ہم خلیفہ سے چند امور کا تذکرہ کریں گے جنہیں ہم نے لوگوں کے دلوں میں بویا ہے، پھر ہم لوٹ کر لوگوں کو یہ یقین دلائیں گے کہ ہم نے خلیفہ سے ان امور کے بارے میں بات چیت کی۔ وہ نہ تو ان چیزوں سے باز آئے اور نہ رجوع کیا۔ پھر ہم حاجیوں کی شکل میں نکلیں گے اور ان کا محاصرہ کر لیں گے اور تخت خلافت سے اتار دیں گے اگر انہوں نے انکار کیا تو ہم انہیں قتل کر دیں گے اور یہی ہوا۔ [1]

[1] بحوالہ طبری: ج ۳ ص ۲۷۲، ۲۷۳، بروایت سری عن شعیب عن سیف عن شیوخہ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں سے خطاب

اس موضوع پر بہت زیادہ روایتیں منقول ہیں، لیکن یہاں پر ہم طبری کی سب سے معتبر روایت، سری عن شعیب عن سیف کے بیان پر اکتفا کریں گے۔

مذکورہ بالا موضوع کے مشکل مرحلہ سے گزرے بغیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں تحریر کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد ہی وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ مسلمانوں کے متعلق اپنی سیاست کو عملی جامہ پہنانے کی طرف متوجہ ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا یہ المناک حادثہ دوسرے ناحیے سے عالم اسلامی کے تمام فتنوں کی ابتدا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفیوں اور بصریوں کو بلا بھیجا اور اعلان کروا دیا کہ ''الصلوٰۃ جامعۃ'' یہ لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس منبر کے چاروں طرف بیٹھ گئے، اس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور ان لوگوں کو اپنے نرغہ میں لے لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور قوم کے تمام حالات سے انہیں باخبر کیا پھر دو آدمی کھڑے ہوئے۔ [1]

پھر سب مسلمانوں نے کہا: ان کو قتل کر دیجیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جس نے امام کی موجودگی میں اپنی طرف یا کسی اور کی طرف (امامت کے لیے) دعوت دی۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو اور اسے قتل کر دو۔'' نیز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے: میں تمہارے لیے حلال نہیں سمجھتا ہوں مگر جسے تم لوگوں نے قتل کر دیا ہو اور اس میں میں بھی تمہارا شریک ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں بلکہ ہم ان لوگوں کو معاف کر دیں گے اور ان کی معذرت قبول کریں گے، اور ان کو اپنی کوششوں سے آگاہ کر دیں گے، ہم کسی سے دشمنی کا

[1] اشارہ ہے زہری اور مخزومی کی طرف جنہوں نے سازش کا انکشاف کیا تھا۔

اظہار نہیں کریں گے، حتیٰ کہ وہ کسی حد کا ارتکاب کرے یا کفر کا اظہار کرے۔

ان لوگوں نے کچھ امور کا ذکر کیا ہے جن کے بارے میں انہیں اتنا ہی معلوم ہے جتنا تمہیں معلوم ہے مگر ان کا خیال یہ ہے کہ وہ ان امور میں مجھ سے تبادلۂ خیال کریں گے تا کہ انہیں نہ جاننے والوں کی نظر میں مجھ پر واجب قرار دیں۔

① ان لوگوں کا اعتراض ہے کہ میں نے سفر کی نماز میں قصر نہیں کیا حالانکہ سفر کی نماز میں قصر کیا جاتا ہے۔

میں ایک ایسے شہر میں وارد ہوا تھا جہاں میرے اہل وعیال موجود تھے اور ان دو وجوہ [1] کی بنا پر میں نے نماز میں قصر نہیں کیا...... کیا ایسا نہیں ہے؟

مسلمانوں نے کہا: ''آپ نے صحیح فرمایا:''

② ان لوگوں کا اعتراض ہے کہ میں نے اپنے لیے چراگاہ مخصوص کر لی ہے۔

(الف) خدا کی قسم نہ میں نے کسی چراگاہ کو مخصوص کیا ہے اور نہ میرے پیش رووں [2] نے کسی کے لیے مخصوص کیا ہے، مگر صرف چراگاہ مخصوص تھی جس پر اہل مدینہ غالب آ گئے تھے، پھر ان لوگوں نے کسی کو چرانے سے روکا نہیں۔

(ب) میرے پیش رووں نے کچھ چراگاہیں بیت المال کے لیے مخصوص کر دیں تھیں جس میں بیت المال کے اونٹ چرتے تھے۔ ایسا اس وجہ سے تھا کہ ان چراگاہوں کے والی اور کسی اور کے درمیان کسی طرح کا نزاع نہ پیدا ہو۔

(ج) پھر نہ تو ان لوگوں نے کسی کو روکا اور نہ کسی کو منع کیا الا یہ کہ جس کا جی چاہا بطور اجرت ایک درہم دے دیا۔

---

[1] اس روایت میں صرف ایک ہی وجہ کا تذکرہ ہے یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال مکہ میں موجود تھے، لیکن ابن کثیر کی بعض روایتوں میں دوسری وجہ کا بھی تذکرہ آیا ہے، آپ نے مکہ میں اقامت کی نیت کی تھی شاید تسامح کی بنا پر دوسری وجہ یہاں مذکور نہیں ہے۔ دیکھئے ابن کثیر: ۷ص ۱۷۱، ۳۵ھ۔

[2] اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ چراگاہ عام مسلمانوں کے لیے تھی ان کی ذات کے لیے نہیں اور اس میں ہر ایک کو مویشی چرانے کا حق حاصل تھا۔

(د) میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں ہے۔

(ھ) حالانکہ جب مجھے خلیفہ بنایا گیا تھا۔ اس وقت میں عرب میں سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج میرے پاس ان دو اونٹوں کے علاوہ جو حج کے لیے ہیں نہ کوئی بکری ہے اور نہ کوئی اونٹ ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟

مسلمانوں نے کہا: آپ نے صحیح فرمایا:

③ ان لوگوں کا اعتراض ہے کہ قرآن کے کئی مصاحف تھے میں نے ایک مصحف کو چھوڑ کر تمام مصاحف کو منسوخ کر دیا۔ سنئے، قرآن ایک ہے، اس کا نازل کرنے والا ایک ہے میں تو ان لوگوں کے تابع تھا۔ [1] کیا یہ درست نہیں ہے؟

مسلمانوں نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

پھر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان شورش پسندوں کے قتل کا مطالبہ کیا۔

④ ان لوگوں کا اعتراض ہے کہ میں نے حکم بن عاص کو واپس بلا لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ سے طائف جلا وطن کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے انہیں واپس بلا لیا، تو آپ ہی جلا وطن کرنے والے تھے اور آپ ہی واپس بلانے والے تھے۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے؟

لوگوں نے کہا: بیشک آپ نے صحیح فرمایا:

⑤ ان لوگوں کا اعتراض ہے کہ میں نے نوعمروں کو عامل بنایا۔

(الف) میں نے صرف ذمہ دار اور پسندیدہ لوگوں کو عامل بنایا یہاں ان کے شہر والے اور ماتحت موجود ہیں۔ پوچھ لو۔

(ب) اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے اس سے قبل ان سے زیادہ نوعمر لوگ عامل بنائے گئے [2] اور آج میرے لیے جو بات کہی جا رہی ہے اس سے سخت بات

---

[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اشارہ صحابہ کرام کی طرف تھا۔

[2] اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کو والی اور قائد بنایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی گئی تھی۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟

مسلمانوں نے کہا: بالکل درست ہے، لوگ دوسروں کو ایسے الزام لگاتے ہیں جس کی وہ وضاحت نہیں کر پاتے ہیں۔

⑥ لوگوں کا اعتراض ہے کہ میں نے ابن ابی سرح کو غنیمت کے مال میں سے دیا تھا۔

(الف) میں نے انہیں مال غنیمت کے خمس میں سے پانچواں حصہ دیا تھا اور اس مال کی مقدار تقریباً ایک لاکھ ہوتی ہے۔

(ب) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے ہی کیا ہے۔

(ج) فوج نے اسے ناپسند کیا۔

(د) میں نے وہ مال ابن ابی سرح سے لے کر فوجیوں کو واپس کر دیا، حالانکہ اس میں ان کا کوئی حق نہیں تھا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔

لوگوں نے کہا: ''ہاں یہ حقیقت ہے۔''

⑦ لوگوں کو اعتراض ہے کہ میں اپنے اعزہ اور اقربا کو عزیز رکھتا ہوں اور انہیں مال و دولت دیتا ہوں۔

(الف) میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا، بلکہ یہ ان کا واجبی حق ہے جو میں پورا کرتا ہوں۔

(ب) میں انہیں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ مسلمانوں کے مال کو نہ میں اپنے لیے اور نہ کسی اور کے لیے جائز سمجھتا ہوں۔

(ج) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی ان کو اپنے نجی مال میں سے گراں قدر عطیے دیتا تھا حالانکہ اس وقت میں مال و دولت کے بارے میں بخیل اور حریص تھا۔

(د) اور اب اس وقت جب میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں اور میری عمر ختم ہونے کے قریب ہے۔ میں نے اپنی جائیداد و مال اپنے اہل و عیال میں تقسیم کر دیا ہے تو ملحدین یہ

بات کہہ رہے ہیں؟

(ھ) خدا کی قسم! میں نے کسی بھی شہر میں کوئی زائد ٹیکس نہیں لگایا۔ [1] کہ لوگ اس قسم کے اعتراض کرسکیں۔ جو میں نے محصول لگایا وہ انہیں پر صرف کر دیا۔

(و) میرے پاس صرف خمس آتا ہے۔ اس میں سے اپنے لیے کچھ جائز نہیں سمجھتا ہوں۔ مسلمان جس مصرف میں چاہتے ہیں میرے مشورہ کے بغیر استعمال کرتے ہیں۔ اللہ کے مال میں سے ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کیا گیا ہے حتی کہ میں اپنے مال میں سے اپنا کھانا کھاتا ہوں۔

⑧ لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ میں نے کچھ لوگوں کو زمینیں دے رکھی ہیں حالانکہ ان زمینوں میں سے مہاجرین وانصار کا اس وقت سے حصہ ہے جب وہ فتح کی گئیں۔

(الف) جو شخص انہیں مفتوحہ علاقوں میں کسی جگہ اپنا وطن بنا لے۔ وہ اس کا مالک ہے۔

(ب) اور جو شخص اپنے اہل وعیال کے پاس واپس آ گیا تو اس سے اس کا وہ حصہ ختم نہیں ہوگا جسے اللہ نے مقرر کیا ہے۔

(ج) ایسے لوگوں کے حصول کے بارے میں میں نے غور وفکر کیا ان کی اجازت سے بلاد عرب کے کاشتکاروں کے ہاتھ اسے بیچ دیا اس طرح میں نے انہیں اس کا حصہ منتقل کر دیا اور اراضی ان کاشتکاروں کے قبضہ میں ہے اور میرا ان میں کچھ عمل دخل نہیں ہے۔

(د) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی جائیداد، زمین اور دولت بنی امیہ میں تقسیم کر دی تھی اور اپنے لڑکے کو صرف ایک حصہ دار بنایا تھا۔ سب سے پہلے بنو عاص کو دیا۔ آل حکم کو دس دس ہزار روپیہ دیا اس طرح ان کے حصہ میں ایک لاکھ روپیہ آیا۔ اتنا ہی بنو عثمان کو دیا اس کے علاوہ بنو عاص، بنو عیص اور بنو حرب میں اپنی جائیداد تقسیم کر دی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حاشیہ نشین ان جماعتوں کے حق میں نرم پڑ گئے،

---

[1] یعنی آپ نے بلاد اسلامیہ میں سے کسی شہر میں کسی قسم کا ٹیکس اور خراج نہیں عائد کیا۔

مسلمان ان کے قتل پر اصرار کرتے رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کو معاف کرنے پر اڑے ہوئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ بیان آب زر سے لکھا جائے پھر بھی کم ہے، وہ یہ باتیں بیان کرنے پر مجبور ہو گئے تھے ورنہ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ راز صرف ان کے اور اللہ کے درمیان محدود رہے، انہیں تو اپنی تعریف میں ایک کلمہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی تھی بلکہ فرشتے تک اس حیادار شخصیت سے شرماتے تھے۔

اس عظیم انسان کو منافقین اور کینہ پروروں نے اپنی شخصیت، فضیلت اور حسن سلوک کے پہلوؤں کو اجاگر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگر منافقین کی عیب جوئی اور الزام تراشی سامنے نہ آتی تو وہ قطعاً اس سے بے نیاز تھے۔

① عملی اعتبار سے، اگر منافقین اور شورش پسند لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزام تراشی نہ کرتے تو آج ہم ان کی مالی پالیسی اور اپنے ذاتی مال اور مسلمانوں کے مال کے درمیان تفریق میں احتیاط سے واقف نہ ہوتے۔ انہوں نے مسلمانوں کے مال میں سے ایک درہم بھی لینا جائز نہیں سمجھا، حالانکہ انہوں نے اپنا تمام ذاتی مال فیاضی میں خرچ کر دیا، زمینیں جود و سخا میں ختم کر دیں حتیٰ کہ آپ کے پاس دو اونٹ کے علاوہ کچھ باقی نہ بچا، حالانکہ ایک دن ایسا بھی تھا کہ وہ مکہ اور مدینہ کے سب سے مالدار آدمی تھے۔

② اگر منافقین اور فریبی لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اوپر الزامات نہ لگاتے تو ہم اس زراعتی پالیسی سے ناواقف ہوتے۔ مفتوحہ علاقوں میں وہ اراضی کو بنجر اور بیکار نہیں چھوڑنا چاہتے تھے صرف اس دلیل کی بنا پر کہ وہ بعض فاتحین کی ملکیت ہیں، مناسب اور درست طریقہ یہی تھا کہ یہ اراضی کاشتکاروں کے ہاتھ فروخت کر دی جائے اور ان کی قیمت اصلی مالکوں کو دے دی جائے۔

③ اگر چالبازوں کی چال اور منافقین کی تہمت تراشی نہ ہوتی تو ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی

اس فوجی سیاست کو نہ جان سکتے، جس کے نتیجے میں سپہ سالار کو اتنی دولت مل جاتی تھی کہ وہ لشکر کے مال سے بے نیاز ہو جاتا تھا چنانچہ آپ نے ابن ابی سرح کو اس خمس کا پانچواں حصہ دیا تھا جو حاکم کے لیے خاص ہوتا ہے تاکہ وہ محتاجوں اور ملاقاتیوں کے لیے ملجا و ماویٰ بن سکے

④ اگر منافق اور غدار لوگ آپ کو مورد الزام نہ ٹھہراتے تو رعایا کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نفسیاتی طریقہ کار کو ہم نہیں جان سکتے تھے۔ وہ اپنی رعایا سے محبت کرتے تھے رعایا آپ سے محبت کرتی تھی، انہوں نے عوام کے لیے اپنے شانوں کو خم کر دیا حتی کہ مسلمان خلیفہ کے معاملات میں دخل اندازی کرنے لگے، ابن ابی سرح کے عطیہ کے سلسلے میں وہ لوگ شک کرنے لگے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنہ کو اس کے گہوارے ہی میں دفن کر دیا اور خمس کا پانچواں حصہ ابن ابی سرح سے واپس لے لیا اور مسلمانوں کے دلوں میں شک وشبہ سرایت نہ کر سکا۔

⑤ اگر منافقین کا اتہام اور مکاروں کا فریب وجود میں نہ آتا تو ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتظامی طریقہ کار سے نابلد ہوتے جس کی بنیاد یہ تھی کہ نئی طاقتوں کو حرکت میں لایا جائے اور نوجوانوں کو عملی میدان میں لا کر ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ان طاقتوں کو دور دراز علاقوں میں فتوحات کے لیے استعمال کیا جائے۔ قیادت اور تنظیم کے میدان میں ایک انوکھا پن لایا جائے۔

⑥ اگر بلوائیوں کا فریب اور منافقین کی عیب جوئی سامنے نہ آتی تو ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتصادی پالیسی سے بے خبر رہتے۔ آپ نے مسلمانوں کی زمین میں سے کچھ زمین صدقہ کے اونٹوں اور غریب مسلمانوں کے مویشیوں کے لیے چراگاہ بنا دی تھی، تاکہ عوام کی نجی اراضی پر کسی لشکری یا سرکاری آدمیوں کے کسی قسم کے تسلط کو روک سکیں آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ یہ لوگ مصلحت عامہ کی دلیل دے کر لوٹ کھسوٹ مچائیں۔ ان چراگاہوں کو آپ نے محتاجوں اور مجبوروں کو اونٹ چرانے کے لیے عام کر دیا تھا البتہ مال دار مسلمانوں کو ان

چراگاہوں کو استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ ان کے اندر اپنے مویشیوں کے لیے چراگاہ بنانے کی طاقت تھی۔

⑦ اگر شورش پسند اور منافقین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزامات عائد نہ کرتے تو ہم آپ کے منہجی طریقہ کار سے لاعلم رہتے۔ اگر آپ نے چراگاہ مخصوص کی تو آپ سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کی تھی۔ آپ نے تو یہاں تک احتیاط برتی کہ خود اپنے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مویشیوں کو ان چراگاہوں میں چرنے سے روک دیا تھا کیونکہ آپ دونوں مالدار تھے اور اپنے اونٹوں اور مویشیوں کو اپنی زمین میں چرانے کی استطاعت رکھتے تھے۔

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ دیا تو ان سے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ اگر انہوں نے نوعمروں کو عامل بنایا تو اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی نوجوانوں کو عامل بنایا ہے۔

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کی نئی ترتیب دی تو صحابہ کرام کے مشورے اور دلیل کے ساتھ اور ان کی موجودگی میں ترتیب دیا۔

⑧ اگر فریبیوں کا فریب اور منافقین کی عیب جوئی اور الزام تراشی وجود میں نہ آئی ہوتی تو ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلامی طریقہ کار کو نہ جان سکتے تھے جو اس اصول پر قائم تھا کہ اللہ کی حدود میں مداہنت اور سہل انگاری سے مطلق احتراز کیا جائے۔

حالانکہ اس زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے نجی معاملات میں پیکر حلم وعفو بنے رہے حتی کہ مسلمان بیک زبان یہ بات کہہ رہے تھے کہ ان باغیوں کو قتل کر دیا جائے جو امیر المومنین کی ذات کو بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں لیکن امیر المومنین اس بات سے انکار کر رہے تھے کہ اپنے منصب اور مسلم عوام کی تائید سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سیاسی مخالفین پر کوئی ضرب لگائیں، اس لیے انہوں نے ان کی

معافی اور ان سے درگزر کی راہ اختیار کی۔

اگر یہ بلوائی اور شورش پسند لوگ امن کے نمائندے اور عدل وانصاف کے طالب ہوتے تو آپ کا یہ جامع خطاب اور پھر انہیں عفو ودرگزر کرنے کی نیت زمین کو امن وسکون سے بھر دینے کے لیے کافی تھی۔

لیکن افسوس ایسا نہ ہوسکا کیونکہ سبائی یہودیت نے عزم کر لیا تھا کہ وہ مسلمان حکام، ان کی رعایا اور سرزمین کو تباہ وبرباد کرے۔

سازشیوں کا مدینہ منورہ پر قبضہ

ہم یہاں پر ضروری سمجھتے ہیں کہ سازش کے تانے بانے کو تفصیل سے بیان کریں، ہم نے اس موضوع پر واقعات کی تفصیل صرف سری کی روایت سے جو انہوں نے شعیب سے اور پھر انہوں نے سیف سے اور سیف نے اپنے اساتذہ سے روایت کیا ہے، لیں گے کیونکہ اس موضوع کی دوسری روایتوں میں اضطراب اور تضاد ہے نیز ان کی سند یا متن میں کلام کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس سیف کے اساتذہ واقعات کی تفصیل اور سازش کے تمام پہلوؤں کو پوری وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

پیچھے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو دلائل سے قائل کرنے کے بعد انہیں معاف کر دیا تھا، لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟

شورش پسند اپنے شہروں کو چلے گئے اور یہ منصوبہ بنایا کہ حاجیوں کی وضع قطع میں واپس آئیں گے اور اہل مدینہ سے جنگ کریں گے اس سلسلے میں انہوں نے آپس میں خط و کتابت کی اور یہ طے کیا کہ شوال میں وہ ایک مقررہ وقت پر مدینہ کے اطراف میں اکٹھے ہوں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہویں سال شوال میں اپنے منصوبہ کے مطابق یہ باغی حاجیوں کے بھیس میں آئے اور مدینہ منورہ کے قریب ٹھہر گئے۔

سیف کے اساتذہ بیان کرتے ہیں: شوال ۳۵ھ [1] میں مصر سے ایک جماعت

[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی چکی پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال تک گھومتی رہے گی پس اگر لوگ ہلاک ہو جائیں تو ان کا معاملہ ان کے ساتھ ہے اور اگر ان کے لیے ان کا دین قائم رہے تو ستر سال قائم رہے گا۔ راوی نے کہا کہ میں نے پوچھا کہ گزرے ہوئے سالوں سے یا آنے والے سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آنے والے سے۔ اسے امام احمد، ابوداؤد اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے اسے صحیح اور مسلم کی شرط کے مطابق بتایا ہے۔ ذہبی نے تلخیص میں ان سے اتفاق کیا ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ اگر ۳۵ھ مراد ہے تو اسی سال اہل مصر نے خروج کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا اور اگر ۳۶ھ مراد ہے تو اس میں واقعۂ جمل پیش آیا اور اگر ۳۷ھ مراد ہے تو اس میں واقعۂ صفین پیش آیا۔

نکلی جس کی تعداد کم از کم چھ سو اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھی۔ یہ جماعت چار گروہوں میں منقسم تھی اور ان چار گروہوں کے امیر عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر التجیبی، سودان بن حمران السکونی اور قتیرہ بن فلان السکونی تھے اور پوری جماعت کی قیادت غافقی بن حرب العکی کر رہا تھا۔ ان لوگوں میں اتنی جرأت نہ تھی کہ یہ اعلان کریں کہ وہ جنگ کے ارادہ سے نکل رہے ہیں بلکہ خود کو حجاج ظاہر کیا اس جماعت میں عبداللہ بن سبا بھی موجود تھا۔

اہل کوفہ بھی چار جماعتوں میں نکلے اور ان چاروں کی قیادت زید بن صوحان العبدی، اشتر نخعی، زیاد بن نضر حارثی اور بنی عامر بن صعصعہ کا ایک شخص عبداللہ بن اصم کر رہے تھے۔ ان کی تعداد بھی تقریباً مصریوں کی تعداد کے برابر تھی اور پوری جماعت کا سرغنہ عمرو بن اصم تھا۔

اہل بصرہ بھی چار گروہوں میں نکلے، ان کی تعداد بھی مصریوں کے برابر تھی۔ ان کی قیادت حکیم بن جبلہ عبدی، ذریح بن عباد عبدی، بشر بن شریح بن حطم بن صبیعہ قیسی اور ابن محرش بن عبد بن عمرو الحنفی کے ہاتھ میں تھی اور پوری جماعت کا سرغنہ حرقوص بن زہیر سعدی تھا، اس کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔

اہل مصر کا میلان علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔، بصریوں کا میلان طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف اور کوفیوں کا میلان زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ یورش اور خروج پر تو سب کا اتفاق تھا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جانشین کے بارے میں ان کی رائیں مختلف تھیں۔ ہر جماعت کو یہی یقین تھا کہ وہی فتح مند ہوگی اور خلافت انہیں کے امیدوار کو ملے گی۔

باغیوں کی یہ جماعتیں اپنے اپنے شہروں سے روانہ ہوئیں اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر رک گئیں۔ بصریوں میں کچھ لوگ آگے بڑھ کر ''ذوخشب'' میں ٹھہر گئے، کوفیوں کا ایک گروہ ''اعوص'' میں ٹھہر گیا اور اہل مصر میں سے بھی کچھ لوگ ان کے پاس آ گئے اور بقیہ لوگوں کو ذوالمروۃ میں ٹھہرا دیا گیا۔ [1]

[1] طبری: ج ۳، ص ۳۸۵، ۳۸۶ بروایت سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ وابی حارثہ وابی عثمان (یہ چاروں سیف کے شیوخ ہیں)

سازش کا یہ پہلا مرحلہ تھا جو پوری تیاری کے ساتھ وجود میں آیا اور اس کے وقت کا
تعین عبداللہ بن سبا کے ہاتھوں میں ہوا جو اس مرحلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خاص طور
سے مصر سے آیا تھا۔ ہر جماعت نے اپنے پڑاؤ کے لیے جگہ کا انتخاب کیا۔

ابن سبا نے اپنی فطانت سے باغیوں میں افتراق پیدا کر دیا تھا اگرچہ مقصد ایک ہی
تھا اور وہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل، لیکن خواہشات الگ الگ تھیں۔ عبداللہ بن سبا نے
ان کے دلوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے خلیفہ بنانے کی
خواہش پیدا کر دی تھی۔

باغیوں کی سرگرمیوں کا دوسرا مرحلہ

زیاد بن نضر اور عبداللہ بن اصم، اہل مصر اور اہل بصرہ کے پاس گئے اور کہا: عجلت
پسندی سے کام مت لو۔ یہاں تک کہ ہم مدینہ جا کر واپس آئیں ہمیں خبر ملی ہے کہ اہل مدینہ
ہم سے مقابلہ کے لیے تیار ہیں، خدا کی قسم! اگر مدینہ والے ہم سے ڈر گئے اور ہم سے مقابلہ
کو جائز سمجھا۔ حالانکہ انہیں ہماری سرگرمیوں کے متعلق خبر نہیں ہے اور جب انہیں ہمارے
پروگرام کی خبر مل جائے گی تو ہمارا کیا کرایا سب اکارت جائے گا اور اگر ان لوگوں نے ہم
سے مقابلہ کو جائز نہیں سمجھا تو ہم جان جائیں گے کہ یہ خبر جھوٹی ہے اور جلد ہی پوری رپورٹ
لے کر واپس لوٹیں گے۔

باغیوں نے کہا: جاؤ۔

یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور حضرت علی، حضرت طلحہ اور
حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور کہا: ''ہم اس گھرانے کی قیادت چاہتے ہیں اور
اس والی سے اپنے بعض عمال کی معزولی کا مطالبہ کرتے ہیں ہم صرف اسی لیے آئے ہیں۔

ان دونوں باغیوں نے داخل ہونے کی اجازت چاہی لیکن ان سب نے انکار کیا
اور اس بات سے روکا اور کہا: یہ ایسے انڈے ہیں جن سے بچہ نہیں نکلے گا۔ یہ دونوں واپس

لوٹ گئے۔

پھر اہل مصر کی ایک جماعت اکٹھی ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، اس طرح بصرہ کے کچھ لوگ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس اور کوفہ کے کچھ لوگ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان میں سے ہر جماعت نے یہ کہا: اگر اہل مدینہ ہمارے امیدوار سے بیعت نہیں کریں گے تو ہم مکر وفریب سے کام لیں گے اور ان کی جماعت کو منتشر کر دیں گے، پھر ہم اچانک حملہ کریں گے۔

مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جو ایک لشکر لے کر احجار زیت میں پڑاؤ ڈالے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دھاری دار لباس میں ملبوس تھے۔ سرخ یمانی عمامہ باندھے، گلے میں تلوار لٹک رہی تھی۔ کوئی قمیص زیب تن نہیں کئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس گروہ کے ساتھ بھیج دیا تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت پر مامور تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ''احجار زیت'' میں تھے۔ اہل مصر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سلام کیا اور اپنی پیشکش ان کے سامنے رکھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا اور کہا:

صالح لوگ جانتے ہیں کہ ''ذوالمروۃ'' اور ذوخشب'' کے لشکر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے لعنت بھیجی ہے۔ تم لوگ لوٹ جاؤ اللہ تمہارا ساتھ نہ دے۔ مصریوں نے کہا! ہاں اور ان کے پاس سے اٹھ گئے۔

اہل بصرہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں ایک دوسری ٹولی میں مقیم تھے۔ حضرت طلحہ نے بھی اپنے دو بیٹوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تحفظ کے لیے بھیج دیا تھا۔ بصریوں نے ان سے سلام کیا اور اپنی پیشکش ان کے سامنے رکھی انہوں نے بھی ان کو ڈانٹ کر بھگا دیا اور کہا:

''مسلمان جانتے ہیں کہ ''ذوالمروۃ، ذوخشب اور اعوص'' کے لشکروں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔''

کوفی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جو دوسری جماعت میں موجود تھے آپ نے بھی اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے مامور کر دیا تھا۔ کوفیوں نے ان سے سلام کیا اور اپنی تجویز ان کے سامنے رکھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا اور کہا:

''مسلمان جانتے ہیں کہ'' ذوالمروۃ، ذوخشب اور اعوص'' کے لشکروں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔''

باغی وہاں سے ہٹ گئے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔ وہ ذوالمروۃ، ذوخشب اور اعوص سے ہٹ کر اپنے فوجی پڑاؤ پر چلے گئے جو وہاں سے تین منزل پر تھا۔ تاکہ اہل مدینہ منتشر ہو جائیں اور یہ لوٹ کر حملہ کریں تو اہل مدینہ ان کو واپس جاتے دیکھ کر منتشر ہو گئے۔

جب یہ لوگ اپنی فوجوں میں پہنچ گئے تو لوٹ کر اچانک اہل مدینہ پر یلغار کر دی۔ اہل مدینہ نے اچانک مدینہ کے نواحی میں نعرۂ تکبیر کی گونج سنی، باغی اپنے فوجی مستقر میں ٹھہر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا اور کہا! ''جس شخص نے اپنا ہاتھ روک لیا وہ محفوظ ہے۔'' [1]

یہ سازش کا دوسرا مرحلہ ہے

جس کی ابتدا اس کوشش سے ہوئی تھی کہ کبار صحابہ میں کسی ایک کو سازش میں شریک کر لیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ یا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شمولیت کا اقرار کر لیں گے تو ان کی عظمت اور وقار بہت سارے مرحلوں کو طے کر دے گا۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے انقلاب کی قیادت کے لیے مختلف تدابیر اختیار کی تھیں، تاکہ ان تین بڑوں میں سے کسی ایک کے واسطہ سے اپنے مخصوص مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

---

[1] طبری: ج ۳، ص ۳۸۵، ۳۸۶ بروایت سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ وابی حارثہ وابی عثمان۔

مصری لوگوں کا خیال تھا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ بیعت کے لیے راضی ہو جائیں تو ان کو لے کر وہ پوری قوم سے مقابلہ کر لیں گے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بصریوں کی بھی یہی رائے تھی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق کوفیوں کا موقف اور ان سے بیعت کے بارے میں ان کی یہی رائے تھی۔

اہل شوریٰ میں سے کسی ایک کو سامنے لانے سے ایک فائدہ یقینی تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ان کا منصوبہ پورا ہو جاتا۔

اس واقعہ سے ایک دوسرے پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ مدینہ کے مسلمان جن کے پاس باغیوں کی سرگرمیوں کے متعلق دم بدم خبریں مل رہی تھیں، ان لوگوں نے مقابلہ کے لیے اپنی استطاعت بھر تیاری کر لی تھی۔

مسلمانوں کے قائدین میں سے ہر صحابی مدینہ کے اطراف میں باغیوں کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکے ہوئے تھے۔ ایک جماعت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ دوسری میں حضرت طلحہ اور تیسری میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔

صحابہ کی تنظیم کا دوسرا حصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا اور ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ شورش پسندوں نے یہ کوشش شروع کر دی تھی کہ کسی طرح خلافت کے امیدوار قائدین کی نبض ٹٹولیں۔

ممکن ہے کہ حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم نے ”ذوالخشب، اعوص اور ذوالمروۃ“ کے لشکروں پر لعنت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا آپس میں تذکرہ کیا ہو۔ اور اسی وجہ سے باغیوں کو مدینہ میں داخل نہ ہونے دینے کے بارے میں یہ پختہ موقف اپنائے ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت والی حدیث کا اعلان کر کے ان کو گمراہی سے باز رکھا جائے اور حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں روکا اور بھگا دیا جائے۔

جس طرح ان قائدین کا موقف ایک ہی تھا اسی طرح باغیوں کو ان لوگوں نے ایک

جیسا جواب دیا اور باغیوں کے وفود کو مدینہ سے بھگا دیا۔

یہ بھی بعید بات نہیں ہے کہ ان تینوں قائدین نے کچھ لوگوں کو باغیوں کے تعاقب میں بھیجا ہو حتی کہ تعاقب کرنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ باغی اپنے پڑاؤ سے روانہ ہو گئے اور پہریدار مطمئن ہو گئے کہ باغی اپنے شہروں کو واپس چلے گئے یا وہ صحیح اور درست راستے پر آ گئے یا حج کے لیے چلے گئے اور یہ لوگ تھوڑی دیر آرام کے لیے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے ہوں۔

لیکن خبیث یہودی کی اسکیم جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ﴾ [۳/آل عمران:۱۱۹]

''اور جب تنہائی میں ملتے ہیں تو تمہارے اوپر غصہ سے انگلیاں چباتے ہیں۔''

اسے چین اور اطمینان کی نیند کہاں آ سکتی تھی۔ ابن سبا اس حیران کن صورت حال پر اسکیم اور سازش کو ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جب شر پسند مسلمانوں کے قائدین اور اہل مدینہ کو اپنا ہم نوا بنانے میں ناکام رہے اور سوائے تین نفر کے ایک آدمی کو بھی اپنے سازشی گروہ میں شامل نہ کر سکے تو رات کی تاریکی میں انہوں نے اہل مدینہ سے مقابلہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور اچانک مدینہ کے نواح میں اہل مدینہ نے نعرۂ تکبیر کا شور سنا۔

مدینہ کا زمام اقتدار صحابہ کے ہاتھوں سے نکل کر باغیوں کے ہاتھ میں چلا گیا اور مسلمانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور نگہداشت کی طرف توجہ دی اور قصر خلافت کے چاروں طرف پھیل گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کئی دن تک باغیوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ اہل مدینہ اپنے گھروں میں محبوس ہو گئے باغیوں نے کسی کو گفتگو سے نہیں روکا۔

صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برسر عام باغیوں کے منصوبے کا بھانڈا پھوڑ دیا (کچھ لوگ باغیوں کے پاس آئے اور ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے) حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے ان سے پوچھا:

تم لوگ جانے کے بعد کیوں واپس لوٹ آئے اور اپنی رائے سے کیوں پھر گئے؟''

باغیوں نے کہا: ہم نے ایک ہرکارہ کو گرفتار کیا ہے، جس کے پاس ہمارے قتل کا پروانہ تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو بصریوں نے یہی جواب دیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس آئے تو کوفیوں نے یہی جواب دیا۔

نیز اہل کوفہ و بصرہ نے کہا: ''ہم اپنے مصری بھائیوں کی مدد کریں گے اور ان کی طرف سے دفاع کریں گے۔''

(گویا وہ پہلے ہی اس کا پروگرام بنا کر آئے تھے۔)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: اے بصریو اور کوفیو! تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اہل مصر کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے حالانکہ تم کئی منزل کی راہ طے کر چکے تھے اور پھر تم ہماری طرف پلٹ پڑے؟

خدا کی قسم! یہ اہل مدینہ کے ساتھ ایک منظّم سازش ہے۔

باغیوں نے کہا: ''آپ لوگ جو چاہیں سمجھیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا کہ اہل مصر جو یہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسی ڈاک پکڑی ہے جس میں ان کے قتل کا پروانہ ہے، وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور اہل کوفہ و بصرہ اپنے مصری بھائیوں کا دفاع کر رہے ہیں۔

اہل کوفہ کو کس نے بتلایا کہ یہ واقعہ پیش آیا؟

اہل بصرہ کو کس نے خبر دی کہ اہل مصر اس واقعہ سے دوچار ہوئے ہیں؟ حالانکہ وہ لوگ اپنے سفر کی کئی منزلیں طے کر چکے تھے اور اب انقلاب نے یہ ظاہر کر دیا کہ ان کا مقصد صرف حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ امیر المومنین کو تخت خلافت سے اتارنا تھا (وہ اس حالت میں بھی ان کو نماز پڑھاتے اور وہ لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور جو چاہتا تھا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نظر میں ان باغیوں کی وقعت خاک سے بھی کم تر تھی۔ باغی کسی کو گفتگو سے نہیں روکتے تھے، لیکن مدینہ میں ان کی لڑکیاں لوگوں کو ایک جگہ مجتمع ہونے سے روکتی تھیں)

بظاہر باغیوں کے سرغنوں کے احکام دو رخ تھے۔

پہلا رخ:

انہوں نے لوگوں کو گفتگو کرنے کی اس لیے اجازت دی تھی تا کہ انہیں عوام کی نوعیت اور ان کی خواہشات کا پتا چل سکے۔

دوسرا رخ:

بلاشبہ اس سلسلے میں ان کے کچھ احکام بڑی سخت تھے، مدینہ کے اطراف میں مسلح گشت جاری تھا، جو لوگوں کو کسی قسم کے اجتماع سے روکتا تھا۔ انہیں علم تھا کہ اگر اہل مدینہ مجتمع ہو جائیں گے تو ان کی تنظیم اور عارضی اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اس تسلط کے مقابلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ اہل مدینہ اسلام کی مدافعت میں اپنی جان نچھاور کرنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں بلاد اسلامیہ سے امداد ضروری ہے جو بغاوت کی حدت اور تیزی کو توڑ سکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام بلاد اسلامیہ سے امداد کے لیے خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

''حمد و صلوٰۃ کے بعد! اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کیساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ اللہ نے آپ کو جو حکم دیا آپ نے اسے لوگوں تک پہنچا دیا۔ پھر آپ قضا کر گئے۔ آپ ہمارے لیے قرآن چھوڑ گئے جس میں حلال و حرام کی وضاحت اور ان امور کا بیان ہے جو مقرر ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور کو لوگوں کی پسند یا ناپسند سے قطع نظر نافذ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے پھر میرے علم اور سوال کے بغیر

امت کی ایک جماعت کی طرف سے مجھے مجلس شوریٰ کا رکن بنا دیا گیا۔ پھر اہل شوریٰ اور عوام کی ایک جماعت نے بالاتفاق مجھے خلافت کی ذمہ داری سونپی، حالانکہ نہ میں اس کا طالب تھا اور نہ مجھے اس عہدے سے محبت تھی، میں نے جو کچھ کیا لوگ اس سے بخوبی واقف ہیں اور اس کا انکار بھی نہیں کرتے ہیں۔ میں ہمیشہ تابع رہا، دوسروں کو تابع نہیں بنایا، صرف متبع رہا اور کسی بدعت کا اختراع نہیں کیا۔ مقتدی رہا جس کے اندر تکلف نہیں تھا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان پہلوؤں کی طرف امت کے ذہن کو متوجہ کرانے پر مجبور تھے، کیونکہ یہ غدار لوگ آپ کی معزولی اور خلافت سے دست برداری چاہتے تھے۔

آگے خط کا دوسرا جزو ان ملحدین کی خواہشات کے بیان پر مشتمل تھا۔

''ان لوگوں نے بغیر ثبوت اور عذر کے مجھ سے حکومت کا مطالبہ کیا ہے اور دوسری حکومت کا اعلان کیا ہے۔ ان شورش پسندوں نے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق مجھ پر بعض عیوب لگائے ہیں اور اہل مدینہ کی ایک جماعت سے متعلق کچھ ایسی چیزوں کا بھی جو مناسب نہیں۔''

آگے چل کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان باغیوں کے متعلق امت کے سامنے اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''میں نے صبر کیا اور کئی سالوں سے ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا رہا حالانکہ میں سب کچھ دیکھ سن رہا تھا، لیکن اللہ کے بارے میں باغیوں کی جرأت میں اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دارالہجرۃ میں ہم پر یورش کر دی اور دیہاتی لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔''

یہ شر پسند لوگ کیسے تھے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس تحریر کے بعد مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ خط کے خاتمہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھا:

''یہ لوگ جنگ احزاب کے موقع پر مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے ہوئے

ٹولیوں کی طرح ہیں یا ان لوگوں کی طرح ہیں جنہوں نے جنگ احد میں ہمارا مقابلہ کیا۔ فرق یہ ہے کہ بظاہر یہ لوگ مسلمان بنے ہوئے ہیں۔ تو جس شخص کے پاس استطاعت ہو وہ ہماری معاونت کے لیے آ جائے۔''

اس خط نے بلاد اسلامیہ میں بارود میں شعلہ کا کام کیا اور تمام ممالک محروسہ مقبوضہ مدینہ کو بچانے کے لیے حرکت میں آ گئے۔

بلاد اسلامیہ میں جوں ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا وہ لوگ سرد وگرم کی پروا کیے بغیر نکل پڑے امیر معاویہ نے حبیب بن مسلم فہری کو، عبداللہ بن سعد نے معاویہ بن خدیج سکونی کو مدینہ روانہ کیا اور قعقاع بن عمرو کوفہ سے نکل کھڑے ہوئے۔

کوفہ میں عقبہ بن عمر، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، حنظلہ بن ربیع تمیمی جیسے صحابہ کرام اہل مدینہ کی اعانت پر لوگوں کو ابھار رہے تھے۔ کوفہ کے تابعین میں حضرت عبداللہ کے شاگرد مسروق بن اجدع، اسود بن یزید، شریح بن حارث اور عبداللہ بن حکیم جیسے لوگ مدینہ والوں کی اعانت پر لوگوں کو آمادہ کر رہے تھے یہ لوگ مجلسوں میں گھوم گھوم کر یہ کہتے: ''اے لوگو! بات آج کی ہے کل کا سوال نہیں۔ نظر آج بھلی لگ رہی ہے کل بری معلوم ہوگی، جنگ آج حلال ہے کل حرام ہوگی۔ اپنے خلیفہ اور اپنی حکومت کی عصمت بچانے کے لیے نکل پڑو''
بصرہ میں عمران بن حصین، انس بن مالک، ہشام بن عامر اور ان جیسے کبار صحابہ لوگوں کو اہل مدینہ کی اعانت پر آمادہ کرنے پر کمر بستہ ہو گئے تھے۔ بصرہ کے تابعین میں کعب بن سور، ہرم بن حیان عبدی اور ان جیسے بہت سے تابعی بھی وہی کہتے تھے جو کوفہ کے مذکورہ صحابہ اور تابعین کہتے تھے۔ شام میں عبادہ بن صامت، ابو الدرداء، ابو امامہ اور ان جیسے کبار صحابہ نیز شامی تابعین میں شریک بن خباشہ النمیری، ابو مسلم خولانی اور عبدالرحمٰن بن غنم اور ان جیسے لوگ یہی فرض انجام دینے لگے۔ مصر میں خارجہ اور ان کے مثل لوگ بھی کوفہ اور بصرہ کے صحابہ اور تابعین کی طرح لوگوں کو اہل مدینہ کی معاونت پر آمادہ کرنے لگے۔ [1]

---

[1] اس فصل میں سے جو واقعات تحریر کیے گئے ہیں وہ سری کی صرف ایک طویل روایت سے ماخوذ ہیں جو انہوں نے بسند شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ وابی حارثہ وابی سفیان روایت کیا ہے۔ طبری: ج ۳ ص ۳۸۵، ۳۸۸۔

امیر المومنین کی شہادت

مدینہ منورہ میں صورتحال سنگین ہوتی گئی۔ منتقمین نے اجتماع کی آزادی سلب کرنے کے بعد گفتگو کی آزادی بھی ختم کر دی۔

مسجد نبوی میں مصریوں کے ٹھہرنے کے بعد جب پہلا جمعہ آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی پھر منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''اے دشمنو! خدا سے ڈرو۔ خدا کی قسم! اہل مدینہ کو خوب معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تم پر لعنت بھیجی گئی ہے اپنی غلطیوں کو نیکیاں کر کے مٹا دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کو نیکی سے ختم کرتا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: ''میں اس کی شہادت دیتا ہوں۔'' حکیم بن جبلہ نے انہیں پکڑ کر بٹھا دیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہوئے اور کہا۔ ''میرے پاس کتاب تو لانا'' دوسری جانب سے محمد بن الوقتیرہ جھپٹا اور آپ کو پکڑ کر بٹھا دیا اور بدکلامی کی۔ باغی اٹھ کھڑے ہوئے اور خشت باری شروع کر دی حتی کہ لوگوں کو مسجد سے نکال کر باہر کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر انہوں نے اس قدر سنگ باری کی کہ وہ بے ہوش ہو گئے، انہیں اٹھا کر گھر لے جایا گیا۔ اہل مصر نے مدینہ کے تین آدمی محمد بن ابی بکر، محمد بن ابوحذیفہ اور عمار بن یاسر کو چھوڑ کر کسی کی معاونت کرنا پسند نہ کیا۔ باغی لوگ ان سے مراسلت کا تعلق قائم کیے ہوئے تھے۔ [1]

---

[1] حضرت سعید بن مسیبؒ سے محمد بن ابوحذیفہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ انہوں نے کیوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی؟ سعید بن مسیب نے جواب دیا: محمد بن ابوحذیفہ یتیم تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ حضرت عثمان اپنے گھرانے کے یتیموں کی سرپرستی اور کفالت کرتے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے آپ سے گورنری مانگی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا! ''میرے بیٹے اگر تم لوگوں میں مقبول ہوتے اور پھر مجھ سے گورنری طلب کرتے تو میں تمہیں ضرور کسی جگہ کا عامل بنا دیتا لیکن تو ایسا نہیں ہے۔'' محمد بن ابوحذیفہ نے کہا: ''تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں نکلوں اور خود اپنا معاش تلاش کروں۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جہاں جانا چاہو جاؤ۔'' اور اپنے پاس سے ان کے سفر کے لوازمات تیار کر کے ان کے حوالے کیا جب محمد بن ابوحذیفہ مصر پہنچے تو ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کچھ مسلمان جن میں سعد بن مالک ، حضرت ابو ہریرہ ، زید بن ثابت اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم بھی تھے ، باغیوں سے مقابلے کے لیے کود پڑے ، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بتاکید واپس بلالیا۔ حضرت علی، حضرت طلحہ، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کی عیادت کی۔ ان تینوں حضرات نے اپنے غم کا اظہار کیا اور پھر اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے۔

ایک طرف کسی تنظیم ، سرگرمی وحرکت اور اجتماع کی سہولیات فراہم ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا، دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ اصرار تھا کہ ان کی وجہ سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے دیا جائے ان کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ ان کا اصرار تھا کہ وہ دنیا سے اس حال میں جدا ہوں کہ ایک بال برابر دنیا میں ملوث نہ ہوں۔ وہ منافقوں کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بننا چاہتے تھے، کیونکہ اس طرح وہ اپنے خلف کے لیے ایک بری مثال چھوڑ جاتے اور خلافت کے مسئلہ کو انتشار کا سبب بنا دیتے، منافقین جس کو چاہتے گدی پر سے اتار دیتے اور ہر احمق جس کو چاہتا گدی نشین کر دیتا خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ایسے واضح فرامین تھے جن میں جدال یا شبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((اے عثمان! اللہ تعالیٰ عنقریب تم کو ایک قمیص پہنائے گا اور جب منافقین تم سے اس قمیص کو اتروانا چاہیں تو ہرگز نہ اتارنا یہاں تک کہ تمہاری ملاقات مجھ سے ہو جائے۔

(بقیہ حاشیہ) کیونکہ انہیں گورنری نہیں ملی تھی۔ پھر سوال کیا گیا کہ حضرت عمار بن یاسر کی مخالفت کی کیا وجہ تھی؟ تو حضرت سعید نے جواب دیا: ”عمار بن یاسر اور عباس بن عتبہ بن ابولہب کے مابین کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں کو مارا۔ عمار کے خاندان والوں اور عتبہ کے خاندان والوں میں یہ عناد آج تک باقی ہے۔

طبری: ج ۳ ص ۴۲۸ بروایت سری عن شعیب عن سیف عن عبداللہ بن سعد عن یحیی بن سعید۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابوبکر کے رویہ کی یہ توجیہ کی کہ وہ خود پسندی میں مبتلا ہو گئے تھے (پس وہ خود پسندی میں یہ سوچنے لگے کہ ان پر حقوق لازم نہیں) ان سے خوش تھے لیکن بعد میں انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ حقوق کی پابندی نہیں کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ زندگی کے طور طریق میں عمر کا بہت اثر ہوتا ہے اور اس وقت محمد بن ابوبکر کی عمر چوبیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا)) [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت اللہ سے ایسی حالت میں ملاقات کرنا چاہتے تھے کہ ان کی گردن پر کسی مسلمان کا خون نہ ہوان دونوں صورتوں کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک دن زعمائے قوم حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور گھر سے باہر آئے اور کہا:

(لوگو! بیٹھ جاؤ)

باہر سے آنے والے شرپسند اور مدینہ کے رہنے والے سب لوگ بیٹھ گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے اہل مدینہ! میں تمہیں اللہ کے حوالہ کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ میرے بعد خلافت کسی بہتر آدمی کے ہاتھ میں آئے۔ بخدا! میں آج کے بعد کسی سے نہیں ملوں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں اپنا فیصلہ فرما دے۔ جو میرے سامنے ہیں اور جو میرے دروازے کے عقب میں ہیں ان کے حوالے کوئی ایسی چیز نہیں کروں گا جس کو لے کر یہ تمہارے خلاف اللہ کے دین یا دنیا کے بارے میں تعرض کریں یہاں تک کہ اللہ جو پسند کرے گا وہی کرے گا۔'' [2]

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو قسم دے کر واپس جانے کا حکم دیا اور وہ لوگ لوٹ گئے لیکن حضرت حسن، محمد، عبداللہ بن زبیر اور ان جیسے کچھ نوجوان واپس نہیں گئے۔ یہ لوگ اپنے باپ کے حکم سے دروازے پر بیٹھ گئے اور ان کے پاس کچھ اور لوگ بھی اکٹھے ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں خلوت نشینی اختیار کر لی اور انتظار کرنے لگے کہ شاید بلاد اسلامیہ کے وفود آئیں اور باغیوں کے محاصرہ کو توڑ دیں۔ ان کے

[1] اس حدیث کو امام احمد، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، الفاظ امام احمد کے ہیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ حسن غریب ہے۔

[2] طبری عن سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ وابی حارثہ وابی عثمان۔

منصوبے کو تہس نہس کر دیں اور باغی لوگ خود کو حوالے کر دیں۔ [1]

لیکن دشمنوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر امدادی وفود پہنچ گئے تو انہیں اپنے اقدام سے باز رہنا پڑے گا۔

یہ سوچ کر باغیوں نے آخری منصوبہ بنایا اس سے قبل کہ بلاد اسلامیہ سے امدادی وفود مدینہ پہنچ آئیں، منفی پہلو اپنایا جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تنگیاں ڈالی جائیں اور پھر انہیں قتل کر دیا جائے۔

محاصرہ چالیس دن جاری رہا اور باغیوں کا مدینہ میں ستر دن قیام رہا۔ محاصرہ کے اٹھارہویں دن اطراف سے ایک قافلہ آیا اور اس نے ان اشخاص کے بارے میں بتلایا جو بلاد اسلامیہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اعانت کے لیے تیار ہو چکے ہیں۔ حبیب شام سے، معاویہ بن حدیج مصر سے، قعقاع کوفہ اور مجاشع بصرہ سے روانہ ہو رہے ہیں۔ اس وقت باغی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے بیچ میں حائل ہو چکے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ہر چیز حتیٰ کہ پانی تک پہنچانے سے روک دیا تھا۔

باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے اسباب تلاش کرنا چاہے لیکن انہیں کوئی حیلہ نہ مل سکا تو انہوں نے آپ کے گھر پر سنگ باری شروع کی تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامیان اور محافظ بھی جوابی کارروائی کریں اور وہ یہ کہہ سکیں کہ ہمارا مقابلہ کیا گیا۔ ایک رات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں پکار کر کہا! "کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میرے گھر میں اور لوگ بھی ہیں؟" باغیوں نے جواب دیا "خدا کی قسم! ہم لوگوں نے سنگ باری نہیں کی۔" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: 'پھر کس نے کی؟" انہوں نے کہا: 'اللہ نے" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا "تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو اگر اللہ خشت باری کرتا تو اس کا نشانہ خطا نہ ہوتا اور تمہارا نشانہ خطا ہو رہا ہے۔" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آل حزم جو آپ کے پڑوسی تھے۔ جھانک کر دیکھا اور عمرو کے لڑکے کو حضرت علی،

[1] طبری عن سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ وابی حارثہ وابی عثمان۔

حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ باغیوں نے ہمارے اوپر پانی بند کر دیا ہے اگر تم لوگ کچھ پانی بھیج سکو تو بھیجو۔

سب سے پہلے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغام پا کر فوراً ہی پانی لے کر آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح تڑکے آئے اور باغیوں سے کہا: اے لوگو! تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو یہ نہ تو مسلمانوں اور نہ کافروں کے معاملہ کے مشابہ ہے اس شخص پر اشیائے خوردنی نہ بند کرو، روم اور فارس والے بھی جب کسی کو قید کرتے ہیں تو آب وطعام ضرور دیتے ہیں۔ اس شخص نے تمہارے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔ پھر کیوں اس کے محاصرے اور قتل کو جائز سمجھ رہے ہو؟''

باغیوں نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! ہم اس کے پاس کوئی بھی نعمت نہ پہنچنے دیں گے اور نہ کھانے پینے دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا عمامہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پھینک دیا اور کہا میں نے حتی المقدور کوشش کی اور وہ واپس چلے گئے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے خچر پر ایک کجاوہ کسے ہوئے آئیں جس میں پانی کا ایک چھاگل تھا۔ کہا گیا۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تشریف لائی ہیں باغیوں نے ان کے خچر کے چہرے پر مارا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بنی امیہ کی کچھ وصیتیں اس آدمی (خلیفہ) کے پاس ہیں۔ میں نے چاہا کہ ان سے ملوں اور اس کے متعلق پوچھوں، تاکہ یتیموں اور بیواؤں کے مال ضائع نہ ہو جائیں باغیوں نے کہا: ''یہ جھوٹی ہیں۔'' لوگ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی طرف لپکے اور ان کے خچر کی رسی کاٹ دی، خچر آپ کو لے کر ایک طرف بھاگا، لوگوں نے اسے تھام لیا، ام المومنین رضی اللہ عنہا کا کجاوہ ایک طرف جھک گیا تھا۔ لوگوں نے اسے سنبھال دیا، قریب تھا کہ باغی انہیں قتل کر ڈالتے، لوگ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو لے کر ان کے گھر پہنچا آئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھاگنے کے ارادہ سے حج بیت اللہ کی تیاری کر چکیں تھیں۔

انہوں نے اپنے بھائی محمد بن ابوبکر کو بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا! ''اگر میں یہ قوت رکھوں کہ جس بات کی یہ باغی لوگ کوشش کر رہے ہیں اللہ انہیں اس سے محروم کر دے تو میں ایسا ضرور کروں گی۔''

حضرت حنظلہ کاتب وحی آئے، اور محمد بن ابوبکر کے پاس کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا: ''اے محمد! تمہیں ام المومنین ساتھ لے جانے کو کہہ رہی ہیں اور تم ان کی بات نہیں مان رہے ہو اور عرب کے بھیڑیئے تمہیں حرام شے کی طرف بلا رہے ہیں اور تم ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہو؟ محمد نے کہا: اے ابن تمیمہ! آپ کو اس سے کیا تعلق؟'' حضرت حنظلہ نے جواب دیا! ''اے ابن خثعمیہ! اگر یہ معاملہ تغالب اور مقابلہ کا رخ اپنا لے تو عبد مناف تجھ کو شکست دے دیں گے۔'' اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے واپس چلے گئے:

عَجِبْتُ لِمَا یَخُوضُ النَّاسُ فِیْہِ   یَرُمُوْنَ الْخِلَافَۃَ اَنْ تَزُوْلَا

وَلَوْ زَالَتْ لَزَالَ الْخَیْرُ عَنْھُمْ   وَلَا قَوْا بَعْدَہٗ ذِلًّا ذَلِیْلًا

وَ کَانُوْا کَالْیَھُوْدِ اَوِ النَّصَارٰی   سَوَاءٌ کُلُّھُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَا

''مجھے تعجب ہے اس بات پر جس میں یہ لوگ دلچسپی لے رہے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ خلافت ختم ہو جائے۔ اگر خلافت ختم ہو گئی تو مسلمان سے خیر ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد لوگ ذلت و رسوائی سے دوچار ہوں گے یہ تو یہود و نصاریٰ کی طرح سب کے سب گمراہ ہیں۔''

اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کوفہ چلے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مصریوں کے خلاف غیظ و غضب سے بھری ہوئی زیارت بیت اللہ کے لیے نکل پڑیں۔ ان کے پاس مروان بن حکم آیا اور کہا: ''ام المومنین اگر آپ یہاں ٹھہریں تو زیادہ مناسب ہے تاکہ لوگ اس آدمی (خلیفہ) کی محافظت اور نگرانی کریں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا گیا ہے پھر میں کسی حمایتی اور معاون کو نہ پاؤں؟ خدا کی قسم! میں کسی کو عار نہیں دلا رہی ہوں اور نہ میں یہ

جانتی ہوں کہ ان لوگوں کے معاملہ کو کسی کے سپرد کیا جائے۔"

جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس قسم کا ناروا سلوک کیا گیا ہے تو وہ اپنے گھروں میں بند ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ صورتحال تھی کہ جس وقت محاصرین غفلت میں ہوتے۔ حزم کے گھرانے والے انہیں پانی دے آتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف جھانک کر دیکھا اور کہا: "عبداللہ بن عباس" حضرت عبداللہ بن عباس کو بلایا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: حج کا موسم آ چکا ہے تم مکہ چلے جاؤ۔" (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تحفظ کے لیے دروازہ کی نگرانی کر رہے تھے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! خدا کی قسم! یہ جہاد میرے نزدیک حج سے افضل ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں قسم دلائی کہ وہ حج کے لیے چلے جائیں۔

مجبور ہو کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حج کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا وصیت نامہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف پھینک دیا وہ وصیت نامہ لے کر واپس چلے گئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت موجود تھے یا اس سے قبل ہی روانہ ہو چکے تھے..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿ وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ ﴾ [۱۱/ھود:۸۹]

"اے اللہ! باغی ٹولیوں اور جس کی یہ توقع لگائے بیٹھے ہیں۔ پردہ حائل کر دے جیسا کہ ان کے ساتھیوں کے ساتھ اس سے پہلے کیا گیا ہے۔" [1]

لوگوں کے مواقف جو کلمہ حق کا اعلان کر رہے تھے صرف ادبی جرأت میں محدود

---

[1] طبری: ج ۳، ص ۴۱۷، ۴۱۹ بروایت سری عن سیف عن ابی حارثہ وابی عثمان ومحمد وطلحہ۔

ہو گئے کیونکہ وہ طاقت کے استعمال سے عاجز تھے اور طاقت کے استعمال کا مطلب صرف چیدہ مسلمانوں اور ائمہ کو ختم کر دینا تھا تا کہ مدینہ کی فضا منافقوں، کینہ پروروں اور شورش پسندوں کے لیے خالی ہو جائے۔

اصحاب رسول کے اختیار میں اب صرف یہی تھا کہ وہ اپنے جگر گوشوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فدا کر دیں، لیکن اگر اہل مدینہ نے بھی میری ہلاکت کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ لوگ بھی ان باغیوں کو اقتدار کی دعوت دے رہے ہیں جو ان پر تسلط جما لیں اور غلبہ حاصل کر لیں۔

اس لیے صرف اپنے لیے نہیں، بلکہ پوری امت کے لیے ان پر لازم تھا کہ اپنی زندگی اور خلیفہ کی زندگی کی حفاظت کرتے اور مسئلہ کی کوئی تدبیر نکالتے، لشکر جمع کرتے اور فوجوں کو ترتیب دیتے کیونکہ لوگ صرف انہیں کی آواز پر لبیک کہتے اور انہیں کی بات سنتے لیکن اب ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے اور ادھر امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اصرار ہے کہ اللہ کا سامنا اس حال میں کریں گے کہ ان کی وجہ سے خون کا ایک قطرہ نہ گرایا جائے ورنہ اللہ اس کے متعلق ان سے سوال کرے گا۔

اب ہم ان کینہ پروروں اور منافقوں کی طرف سے قتل کے خطرناک منصوبہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

ان باغیوں نے کسی قرابت داری، ذمہ اور نہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حرمت کا لحاظ کیا۔ ان شورش پسندوں نے نہ عزیزداری نہ عہد اور نہ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرتبہ کا خیال کیا۔ ہم اس واقعہ کا صرف سرسری جائزہ پیش کریں گے کیونکہ بہت جانگسل اور دلگداز واقعہ ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے علاوہ کوئی ایسا راستہ نہیں رہ گیا تھا جس کے ذریعہ وہ نجات کی توقع رکھتے ہوں باغی دروازہ کی طرف لپکے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ، مروان بن حکم رضی اللہ عنہ، سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحبزادے جو دروازہ پر تھے

انہوں نے باغیوں کو روکے رکھا اور تلواریں سونت لیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں آواز دی۔
اللہ، اللہ! تم لوگ میری مدد سے آزاد ہو، لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا تو حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ باغیوں کو روکنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلوار لیے
ہوئے تھے۔ جب مصریوں نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور یہ لوگ ان پر چڑھ گئے اور
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا پس وہ پلٹ آئے اور یہ بات دونوں فریق کے لیے شاق
گزری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو قسم دلائی کہ وہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں، لیکن
ان لوگوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور قصر خلافت میں داخل ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
نے مصریوں کو باہر ہی چھوڑ کر دروازہ بند کر لیا۔ ان ایام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کو اپنا
معمول بنا لیا تھا نماز میں مشغول ہوتے تو قرآن آپ کے پاس ہوتا جب تھک جاتے تو بیٹھ
کر تلاوت کرنے لگتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلاوت قرآن کو عبادت جانتے تھے۔ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ دروازہ بند کر کے بلوائیوں کو باہر ہی روکے ہوئے تھے۔ جب مصری بلوائیوں نے
دیکھا کہ دروازہ پر کوئی دفاع کرنے والا نہیں ہے اور نہ وہ دروازہ کے اندر داخل ہی ہو سکتے ہیں تو
وہ لوگ آگ لائے اور دروازہ اور چھت میں آگ لگا دی، دروازہ اور چھت آگ سے بھڑک
اٹھے حتی کہ لکڑیاں جل گئیں اور چھت دروازہ پر گر پڑی گھر والے یہ دیکھ کر لپکے۔ حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ اس وقت نماز میں مصروف تھے محافظوں نے آ کر بلوائیوں کو اندر داخل ہونے سے روکا۔
بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پڑوس کے گھروں سے ان کے گھر میں گھس گئے حتی کہ وہ
پر ہو گئے جو محافظ دروازہ پر تھے ان کو خبر بھی نہ ہو سکی قبیلوں کے لوگوں نے جب دیکھا کہ بلوائیوں
نے ان کے امیر پر قابو پا لیا ہے تو وہ لوگ اپنے لڑکوں کے پاس آئے اور ان کو لے کر چلے گئے۔
بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے کسی کو پکارا۔ ایک شخص آیا اور
گھر میں داخل ہو گیا اور کہا:

"خلافت سے دست بردار ہو جاؤ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"تم پر لعنت ہو، خدا کی قسم! میں نے جاہلیت اور اسلام میں کسی عورت کو رسوا نہیں کیا۔ نہ میں نے رقص و سرور میں دلچسپی لی اور نہ میں نے اس کی آرزو کی، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اپنی شرم گاہ کو داہنے ہاتھ سے نہیں چھوا۔ اس خلعت کو جس کو مجھے خدا نے پہنایا ہے، میں نہیں اتاروں گا اور میں یہیں رکوں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ اہل سعادت کو معزز کردے اور بد بختوں کو رسوا کردے۔"

وہ شخص باہر نکل گیا، بلوائیوں نے پوچھا: تم نے کیا کیا۔

اس نے کہا: "اس نے ہم لوگوں کو معلق کر دیا ہے، خدا کی قسم! اس کے قتل کے بغیر لوگوں سے نجات نہیں ہے اور ہمارے لیے اس کا قتل حلال بھی نہیں ہے۔"

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ [1]

انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر قتل سے روکتے ہوئے کہا: "اے قوم کے لوگو! تم اللہ کی تلوار کو اپنے لیے ننگی نہ کرو۔ اگر تم نے آج اسے بے نیام کیا تو کبھی میان کے اندر نہیں کرسکو گے، تمہارے لیے خرابی ہو آج تمہارا خلیفہ درہ کے ذریعہ تمہاری اصلاح کرتا

---

[1] امام طبری نے عبداللہ بن سلام سے روایت نقل کی ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں لوگ برانگیختہ تھے انہوں نے کہا! لوگو! اس ضعیف شخص کو تم قتل نہ کرو اور اس سے معافی طلب کرو کیونکہ جب بھی کسی قوم نے اپنے نبی کو قتل کیا، اس قوم کے ستر ہزار آدمیوں کا خون بہایا گیا اور جب کسی قوم نے اپنے خلیفہ کو قتل کیا اس قوم کے چالیس ہزار آدمی قتل ہوئے۔ بلوائیوں نے ان کی باتوں پر کوئی دھیان نہ دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتظار میں راہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟" حضرت علی نے کہا:! میں سرزمین عراق کی طرف جا رہا ہوں۔" حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کیا: "عراق مت جائیے اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرے رہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حمایتی لوگوں نے ان پر چھلانگ لگائی اور انہیں قتل کرنا چاہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا! "انہیں چھوڑ دو یہ ہم اہل بیت میں سے ہیں۔" تو جب حضرت علی قتل کر دیئے گئے، تو عبداللہ بن معقل نے کہا کہ یہ چالیسویں سال کا سرا ہے اور اب صلح ہو جائے گی۔ جب کسی قوم نے اپنے نبی کو قتل کیا اس کے ستر ہزار اشخاص ضرور قتل ہوئے اور جب کسی قوم نے اپنے خلیفہ کو قتل کیا اس قوم کے چالیس ہزار آدمی ضرور قتل کیے گئے۔" ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اس حدیث کو طبری نے روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ ہیں۔

ہے اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو آنے والے حکمران تلوار استعمال کریں گے، تم پر لعنت ہو تمہارا شہر اللہ کے فرشتوں سے گھرا ہوا تھا، خدا کی قسم! اگر تم نے خلیفہ کو قتل کر دیا تو فرشتے مدینہ چھوڑ دیں گے۔

بلوائیوں نے کہا: اے یہودی زادے تمہارا اس سے کیا تعلق؟

حضرت عبداللہ بن سلام واپس چلے گئے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ قوم کی طرف واپس جانے والوں میں سب سے آخری شخص جو حضرت عثمان کے پاس آئے وہ محمد بن ابی بکر تھے۔ حضرت عثمان نے ان سے کہا: تم پر لعنت ہو کیا تم اللہ پر غصہ اتار رہے ہو؟ کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے یا میں نے تمہاری کوئی حق تلفی کی ہے؟

وہ شرمندہ ہو کر واپس لوٹ آئے۔

جب محمد بن ابوبکر واپس لوٹ آئے اور باغیوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ لوٹ چکے ہیں تو قتیرہ سکونی، سودان بن حمران سکونی اور غافقی جھپٹے، غافقی نے لوہے کے ایک ہتھیار سے جو اس کے پاس تھا حضرت عثمان کے اوپر وار کیا اور قرآن کو اپنے پیر سے ٹھوکر ماری۔ قرآن گھوم کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے جا پڑا اور اس پر خون کے چھینٹے پڑ گئے، سودان بن حمران آپ کو مارنے کے لیے آیا، نائلہ بنت فرافصہ آپ کے اوپر جھک گئیں اور تلوار کے وار کو اپنے ہاتھوں پر روک کیا اس نے حضرت نائلہ کو مارنا چاہا اور ان کے ہاتھ پر وار کیا، ان کی انگلیاں کٹ کر دور جا پڑیں وہ ہٹ گئیں اس نے ان کے کولہے کو ٹھیس لگا کر کہا کہ یہ بہت بڑے کولھوں والی ہیں۔ اس نے حضرت عثمان کو مار کر قتل کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کچھ غلام ان کی مدد کے لیے لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت کے لیے ان کے جو غلام رکے ہوئے تھے، انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ جب غلاموں نے دیکھا کہ سودان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے تو ان کا ایک غلام اس کی طرف جھکا اور اس کی گردن اڑا دی۔

قتیرہ نے اس غلام پر چھلانگ لگائی اور اسے قتل کر دیا۔ گھر میں جو کچھ تھا بلوائیوں نے اسے لوٹ لیا اور مکینوں کو باہر نکال دیا۔ تین لاشوں کے ساتھ انہوں نے گھر کو مقفل کر دیا۔ جب یہ لوگ قصر خلافت کی طرف نکلے تو حضرت عثمان کا ایک غلام قتیرہ پر جھپٹا اور اسے قتل کر دیا۔ بلوائیوں نے پورے گھر کا چکر لگایا اور جو کچھ انہوں نے پایا اٹھالیا حتی کہ عورتوں کے زیورات بھی اتروا لیے۔ ایک آدمی نے جس کا نام کلثوم بن تجیب تھا۔ حضرت نائلہ کی چادر اٹھالی۔ نائلہ ایک گوشے میں چلی گئیں تو اس نے کہا: اے بڑھیا تیری ماں کی خرابی ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک غلام یہ منظر دیکھ رہا تھا اس نے اس شخص کو قتل کر دیا اور پھر قتل کر دیا گیا......

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ کے باہر چلے گئے اور مکہ کے راستے میں ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے، جب ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ملی تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کہا: ”اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کرے اور ان کی مدد کرے۔“

لوگوں نے کہا: قوم شرمندہ ہے، حضرت زبیر نے جواب دیا: پیچھے ہٹو پیچھے ہٹو۔

﴿وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ﴾ [۳۴/سبا:۵۴]

”اور انکے درمیان اور اس چیز کے درمیان جو وہ لوگ چاہتے ہیں حائل ہو گیا۔“

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جب جانکاہ حادثے کی خبر ملی تو انہوں نے کہا: اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، ان کی اور اسلام کی مدد کرے۔ لوگوں نے کہا: قوم شرمندہ ہے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے لیے ہلاکت ہو اور یہ آیت پڑھی:

﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَا اِلٰی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ۝﴾ [۳۶/یس:۵۰]

”تو وہ وصیت اور اپنے گھر کی طرف لوٹنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ بتلایا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے تو انہوں نے کہا: اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کرے اور ان کا بہتر جانشین پیدا کرے۔ کہا گیا۔ شورش پسند اپنے کیے پر پشیمان ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ [۵۹/الحشر:۱۶]

"شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں"

حضرت سعد طلب کئے گئے۔ وہ اپنے باغ میں یہ کہہ کر آ گئے تھے کہ میں قتل کا منظر نہیں دیکھ سکتا: جب انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ملی تو کہا ہم بھاگ کر مدینہ آئے تو کنور پڑ گئے۔ اور یہ آیت تلاوت کی:

﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۝﴾ [۱۸/الکہف:۱۰۴]

"وہ لوگ جن کی کوشش دنیاوی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ گمان کرتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ اے اللہ تو انہیں شرمندہ کر اور اپنی گرفت میں لے لے۔"

یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ ہم نے ان دونوں روایتوں سے اس حد تک واقعات لیے ہیں جن سے حضرت عثمان کے قتل کا پورا منظر ہمارے سامنے آ جائے اور یہ دونوں روایتیں مستند مراجع سے منقول ہیں۔

اس کے علاوہ دوسری روایات ملی جلی اور ادھر ادھر بکھری ہوئی ہیں اس لیے ہم نے ان سے صرف نظر کیا نیز ان کی سند اور متن دونوں میں شک کی گنجائش ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جس طبیعت کے مالک تھے، ہم رسالت کے ابتدائی عہد کے علاوہ اس کی نظیر لانے سے قاصر ہیں۔

بعض حکمران تو اپنی جان بچانے کے لیے پوری قوم کا خون بہا دیتے ہیں، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ ان کی وجہ سے خون کا ایک قطرہ بھی گرایا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں لیکن آپ نے ماننے سے انکار کر دیا۔ آپ کا یہ انکار عہدے کی طمع کی وجہ سے نہ تھا بلکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق جو پیشین گوئی کی تھی اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے ایسا کیا۔

''اے عثمان! جب اللہ تم کو قمیص پہنا دے اور منافقین اسے اتارنا چاہیں تو تم اسے اتارنا نہیں۔''

آپ نے مقابلہ سے گریز کیا اور ہاتھ روکنے کا حکم دیتے رہے اور ان غلاموں کو آزاد کرتے رہے جو اپنی تلواروں کو مدافعت کے لیے اٹھائے ہوئے تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی بات کا حکم دیا تھا اور اس ابتلاء پر انہیں جنت کی خوشخبری سنائی تھی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بشارت وارد ہوئی ہے جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دربارِ نبوت میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو پیارے نبی نے فرمایا: ''انہیں اجازت دے دو اور اس مصیبت کے بدلے جو ان پر آئے گی، انہیں جنت کی خوشخبری دے دو۔ [1]

قصر خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: امیر المومنین کیا ہم مقابلہ نہ کریں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک وعدہ لے لیا ہے اور میں اس پر قائم رہوں گا۔ [2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہادت کے دن خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الفضائل۔

[2] امام احمد بسند یحییٰ اسماعیل بن قیس عن ابی سہلۃ مولی (غلام) عثمان عن عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرے بعض ساتھی کو بلاؤ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: میں نے کہا: ''کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلائیں؟ آپ نے فرمایا ''نہیں'' میں نے کہا: ''کیا عمر رضی اللہ عنہ کو بلائیں'' آپ نے فرمایا: ''نہیں'' میں نے عرض کیا: ''کیا آپ کے عم زادے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلائیں؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں'' میں نے کہا: عثمان کو بلائیں۔ آپ نے فرمایا ''ہاں'' جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے مجھ سے کہا کہ تم ہٹ جاؤ۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے بائیں جانب کرلیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔

ابوسہلہ کہتے ہیں: جب آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا گیا اور آپ اندر ہی تھے تو ہم لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ مقابلہ نہیں کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک وعدہ لیا ہے اور میں اس پر ثابت قدم رہوں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا (اے عثمان! کل تم ہمارے پاس ہو گے، کل تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روزہ کی حالت میں، صبر و استقامت کے ساتھ خدا کی رضامندی کی توقع کرتے ہوئے غروب شمس سے تھوڑا قبل شہید کئے گئے جس دن آپ نے اپنا خون مسلمانوں پر نچھاور کر دیا۔ صحیفۂ تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ایک نمونہ بن کر رب کے حضور میں پہنچ گئے۔ اس وقت آپ کی عمر نوے سال کے قریب تھی۔

[1] کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اسے بہت قریب اور عظیم بتلایا۔ کعب کہتے ہیں پھر لحاف اوڑھے ہوئے ایک بزرگ گزرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص اس دن حق پر ہو گا۔ کعب کہتے ہیں! میں تیزی سے دوڑا اور اس شخص کا بازو پکڑ لیا اور کہا: اللہ کے رسول کیا وہ یہی شخص ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں یہی ہیں۔ "وہ شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پانچ دن تک مدینہ کی امارت غافقی بن حرب کے ہاتھوں میں رہی۔ لوگ ایسے شخص کی تلاش میں سرگرداں تھے جو اس معاملہ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھالے مگر انہیں کوئی مل ہی نہ رہا تھا۔

مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تو وہ ان سے چھپ جاتے۔ ادھر ادھر مدینہ کے باغیچوں میں جاکر پناہ حاصل کرتے اور جب کبھی ان سے ملاقات ہو جاتی انہیں ہٹا دیتے اور بار بار ان کی گفتگو سے اور خود ان سے بھی بیزاری کا اظہار کرتے۔

کوفی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتے پھر رہے تھے مگر وہ بھی ان کے ہاتھ نہ آتے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا مگر انہوں نے دھتکار دیا اور ان سے گفتگو کرنے سے بیزاری ظاہر کی۔

بصری حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں تھے جب کبھی ملاقات ہوتی بھی تو ان سے دور ہٹ جاتے اور بار بار ان کی گفتگو سے برأت کا اظہار کرتے جب انہیں کوئی موافق آدمی نہ ملا تو از راہ شر یہ اس آدمی پر متفق ہو گئے جس نے پہلے دعوت تسلیم کی۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم کو یہ معاملہ ان تینوں میں سے کسی کے بھی سپرد نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ:

آپ اہل شوریٰ کے ایک فرد ہیں۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ لوگ آپ کے سلسلے میں متفق ہو جائیں گے۔ آپ تشریف لائیں۔ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے لیکن انہوں نے جواباً کہلا بھیجا کہ میں اور ابن عمر دونوں ہی اس سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ ہمارا اس سے کسی قسم کا کوئی سروکار نہیں اور بطور مثال انہوں نے یہ شعر پڑھا:

لَا تَخْلِطَنَّ خَبِيثَاتٍ بِطَيِّبَةٍ   وَاخْلَعْ ثِيَابَكَ مِنْهَا وَانْجُ عُرْيَانًا

"بری چیزوں کو بھلی چیزوں سے نہ ملاؤ اس قسم کی اشیا سے اپنا تعلق بالکل ہی ختم کر لو"

پھر وہ لوگ حضرت عمر کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا:

''آپ عمر کے بیٹے ہیں، آپ اس معاملہ کے لیے تیار ہو جائیں۔''

انہوں نے جواب دیا۔

مجھے یہ معاملہ قابل انتقام [1] نظر آتا ہے۔ بخدا کسی دوسرے کو تلاش کرو۔

ان کے اس جواب پر لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں ہی نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

یہ کام تو بہر حال انہی کو حل کرنا تھا۔ [2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے پانچویں روز جمعرات کو انہوں نے اہل مدینہ کو اکٹھا کیا۔ سعد اور زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ سے باہر ملے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ ایک باغیچہ کی چار دیواری میں چھپے پائے گئے اور بنو امیہ کو فرار ہوتا دیکھا گیا ان سب کو یکجا جمع کیا۔ جب اہل مدینہ جمع ہو گئے تو اہل مصر نے کہا:

آپ ہی حضرات مشورہ کے اہل ہیں۔ آپ ہی لوگ امامت کا مسئلہ طے کرتے ہیں۔ آپ کا حکم سب لوگوں سے بالا ہے، آپ کسی شخص کو دیکھ کر متعین کر دیں۔ ہم یقیناً آپ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔

سر کردہ لوگوں نے کہا: ہم علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو پسند کرتے ہیں۔ [3]

---

[1] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تنہا یہ رائے نہیں کیونکہ قیس بن حازم بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتے تھے کہ میں اب بھی اپنے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ اسلام قبول کرنے پر مجھے عمر (اسلام قبول کرنے سے قبل) باندھے ہوئے ہیں لیکن عثمان کے ساتھ جو تم نے سلوک کیا ہے اس کی بنا پر اگر کوہ احد ٹوٹ پڑے تو اس کا ٹوٹ پڑنا برحق ہوگا۔ (بخاری ج ۱)

زہدم جرمی بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں فرمایا: اگر لوگ عثمان کے خون کا بدلہ نہ طلب کرتے تو ان پر آسمان سے سنگ باری ہوتی۔

یہ روایت محمد بن سعد نے طبقات میں ذکر کی ہے اور ابن کثیر نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی طرق سے یہ روایت بیان کی گئی ہے۔

[2] طبری: ج ۳، ص ۴۵۴۔ سری عن شعیب عن سیف عن محمد و طلحۃ وابی حارثۃ وابی عثمان۔

[3] طبری: ج ۳، ص ۴۵۵۔ سری عن شعیب عن سیف عن محمد و طلحۃ وابی حارثۃ وابی عثمان۔

(محمد اور طلحہ کی روایت ہے) کہ ان لوگوں نے کہا:

مدینہ والو! جاؤ ہم تمہیں دو دن کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس کے اندر اندر تم نے اس مسئلہ کا کوئی حل نہ نکالا تو پھر ہم علی، طلحہ، زبیر اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے لوگوں کی گردنیں ماردیں گے۔

چنانچہ لوگ ایک بھیڑ کی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا: ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ اسلام کی کیا حالت ہے اور قرابت داروں کی جانب سے ہم کس مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے معاف کردو۔ کسی دوسرے کو تلاش کرلو۔ اس لیے کہ ہم پر ایسا معاملہ آن پڑا ہے جس کے کئی رخ ہیں اس کی کچھ ایسی شکلیں ہیں جس پر دل جم نہیں سکتا اور نہ ہی یہ باتیں سب کی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

لوگوں نے کہا: ہم آپ کو اللہ کی قسم دیتے ہیں۔ آپ ذرا ہماری نگاہوں سے تو دیکھیں۔ کیا آپ اسلام کا حال نہیں دیکھ رہے ہیں؟ کیا آپ کو اٹھتا ہوا فتنہ نظر نہیں آرہا ہے؟ کیا آپ کو خدا کا خوف نہیں؟

انہوں نے جواب دیا، میں اپنے علم کے مطابق تمہارا جواب دے چکا ہوں۔

(یہ تاریخ اسلامی کا ایک فیصلہ کن وقت تھا اور ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ معاملہ کی اہمیت کا خیال کررہے تھے۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد پھر انہوں نے کہنا شروع کیا۔)

یہ سمجھ لو کہ اگر میں تمہاری دعوت قبول کرلوں تو میں دانستہ مصیبت میں ڈالوں گا اور اگر تم مجھے معاف رکھتے ہو تو میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ ہاں مگر یہ بات ضرور ہے کہ اگر تم نے اپنی زمام نظام کسی کے سپرد کردی تو میں تمہاری بات سے انحراف نہیں کر سکتا۔ دل و جان سے تمہاری اطاعت کروں گا۔

اس گفتگو کے بعد لوگ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور باہم دوسرے دن ملاقات کا وعدہ کیا۔ اس دوران لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ اگر طلحہ اور زبیر آ جائیں تو

معاملہ سلجھ جائے گا۔

چنانچہ بصریوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بصری کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ آپ اس معاملہ میں رضامندی کا اظہار کر کے مصیبت مول نہ لیں۔ ادھر اہل مدینہ کے قاصد حکیم بن جبلہ عبدی ایک جماعت کے ساتھ پہنچے اور تلوار کے پہرے میں انہیں لے کر آئے۔ کوفیوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ آپ ہرگز اس معاملہ کے لیے تیار نہ ہوں لیکن لوگوں نے اشتر کو چند لوگوں کے ساتھ بھیجا جو ان کو تلوار کا پہرا بٹھا کر لائے۔ اہل کوفہ اور اہل بصرہ اپنے ساتھی کی مصیبت پر خوش تھے اور اہل مصر اہل مدینہ کے اس اجتماع اور اتفاق پر مسرور۔ اہل کوفہ اور اہل بصرہ کو یہ خطرہ تھا کہ اہل مصر کی اتباع کی وجہ سے وہ ذلیل ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا غیظ وغضب طلحہ اور زبیر کے خلاف بھڑکتا جا رہا تھا۔

جمعہ کا دن ہوا تو لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت علی آتے ہی منبر پر چڑھ گئے اور کہا: لوگو! میں ایک جماعت کی طرف سے اور ان کے حکم سے بول رہا ہوں۔ دیکھو! یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ اس کا حق صرف اسے مل سکتا ہے جس کو تم حکم دو۔ ہم کل ایک معاملہ پر پہنچ کر جدا ہوئے تھے تو اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے منبر پر بیٹھوں۔ ورنہ مجھے کسی کا غم نہ ہوگا۔

لوگوں نے جواب دیا: ہم کل کی بات پر اٹل ہیں۔

چنانچہ لوگ طلحہ کو لے کر آئے۔ اور ان سے کہا: آپ بیعت کیجئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں جبراً وقہراً بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے بیعت کی۔ یہ فالج زدہ تھے۔ ایک آدمی بڑی ناگواری کے ساتھ دور سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ طلحہ نے سب سے پہلے بیعت کی ہے تو اس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین سے سب سے پہلے ایک مفلوج ہاتھ نے بیعت کی ہے۔ یہ معاملہ کبھی بھی پورا نہیں ہوسکتا۔

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو لایا گیا۔ انہوں نے بھی وہی بات کہہ کر بیعت کرلی۔ (مگر حضرت زبیر کے سلسلے میں اختلاف ہے) پھر ان لوگوں کو لایا گیا جو پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم آپ سے اس بات پر بیعت کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا نظام قریب وبعید اور عزیز وذلیل سب پر قائم کریں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اس عہد پر بیعت کرلی پھر عوام نے بھی باری باری اٹھ کر بیعت کرلی۔ [1]

یہی معروف صورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تھی۔

لوگوں نے انہیں بیعت پر بالکل مجبور کردیا تھا اور وہ خود بھی مجبور تھے کہ آپ پر حکومت کی ذمہ داری ڈال دیں۔ اہل مدینہ آپ کے پاس جمے بیٹھے رہے اور یہ مطالبہ کیا کہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ بن جائیں لیکن آپ نے انہیں مشورہ کرنے کے لیے دوسرے دن تک مہلت دے دی پھر بھی وہ آپ سے بیعت کرنے پر مصر رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جن لوگوں نے بیعت کی تھی وہ اہل مدینہ تھے۔ جو معاملات کے ذمہ دار تھے۔ انہیں ولایت سپرد کرنے اور معزول کرنے کا پورا پورا اختیار تھا البتہ مشتعل لوگوں نے آپ کی بیعت ٹھکرادی تھی اور جاکر مدینہ کے باغیچوں کی چاردیواری میں روپوش ہوگئے تھے بلکہ انہوں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر معاملہ ان کے ہاتھ میں آ گیا تو پھر ان کی خیر نہیں۔

ان روایتوں میں سب سے مؤکد روایت یہ ہے کہ طلحہ اور زبیر کی بیعت بلاشبہ جبری تھی۔ انتقام کے متلاشی حضرات یہ بیعت ان کے اوپر زبردستی تھوپ رہے تھے۔ جیسا کہ عبداللہ بن زبیر نے خود اپنی روایت میں فرمایا ہے:

بنوعبدالقیس کا ایک چور میرے پاس آیا تو میں نے اس وقت بیعت کرلی جبکہ تلوار میری گردن چھو رہی تھی۔

یا جیسا کہ طلحہ کی روایت ہے کہ جب اشتر ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ مجھے مہلت دے دو میں ذرا دیکھ لوں کہ لوگ اس سلسلے میں کیا کررہے ہیں۔

لیکن انہوں نے چھوڑا نہیں بلکہ انہیں سختی سے گھسیٹتے ہوئے لائے پھر وہ منبر پر

[1] طبری: ج ۳ ص ۴۵۶، سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحۃ۔

چڑھ گئے اور بیعت کر لی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ اس وقت تک باغیوں کا ہی تھا۔ یہیں سے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر سے مختلف ہو گیا وہ دونوں کوفہ اور بصرہ چلے گئے جہاں لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقام پر برانگیختہ کرنے لگے۔

اس سلسلے میں سب سے عجیب موقف کینہ پرور انتقام پسندوں کا تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ کسی کو معزول کرنے کا مسئلہ ان کے ہاتھ میں نہیں اور نہ ہی خلیفہ کی تعیین ان کے ہاتھ میں ہے پھر بھی نہ معلوم کیسے انہوں نے پیش قدمی کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی جرأت کی۔ ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ یہودیت کا ہاتھ تھا جو انہیں وقت پر حرکت میں لے آتا تھا اور جب چاہتا تھا انہیں بیٹھا دیتا تھا۔

لیکن یہاں کئی اور دوسرے احتمالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

ان کا مقصد یہ تھا کہ اختیار ان کے ہاتھ میں آ جائے اور وہ جسے چاہیں یہ معاملہ سپرد کر دیں، لیکن ان کی اس بات کو کسی نے بھی تسلیم نہ کیا۔ اہل شوریٰ نے بالکل علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے دھمکی بھی دی وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر ان کی بات کوئی نہ مانے گا تو پوری اسلامی دنیا ان کے خلاف ہو جائے گی اور انہیں فوراً قتل کر دیا جائے گا۔

اس لیے کوئی خلیفہ ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ انہوں نے خوفناک قسم کی دھمکی کا بطور ہتھیار استعمال کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سر برآوردہ اصحاب کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تاکہ لوگوں کو خلیفہ کے انتخاب پر مجبور کر دیں اور خود کو قتل سے بچانے کے لیے انہوں نے اپنے ارادہ کو عملی جامہ بھی پہنا دیا۔

یقیناً جو شخص ان کے لیے منصوبہ تیار کر رہا تھا وہ انتہائی ماہر اور کمال درجہ کا چالاک تھا یعنی یہ کہ اس کی خواہش بھی پوری ہو جائے اور مناسب وقت پر وہ خود بچ بھی سکے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امیر المومنین بن جانے پر ہمارے سامنے مختلف سوالات

ابھرتے ہیں۔

مثلاً باغیوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہوگا؟

اس کے لیے ہمیں اس سنجیدہ گفتگو پر غور کرنا چاہیے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں مشیروں طلحہ اور زبیر کے مابین ہوئی۔

طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کے بعد چند دیگر صحابہ بھی تشریف لائے ہیں اور کہتے ہیں۔

ہم نے (بیعت کے وقت) حدود قائم کرنے کی شرط لگائی تھی۔ یہ لوگ اس شخص (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے خون میں شریک تھے اور خود کو یہ لائق سزا سمجھتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

بھائیو! مجھے بھی اس بات کا علم ہے لیکن میں ان لوگوں کا کیا کر سکتا ہوں جن کی حکومت خود تمہارے اوپر ہے؟ ہماری ان پر حکومت نہیں۔ ان کے ساتھ تمہارے غلام بھی برانگیختہ ہیں۔ دیہاتی بھی انہی سے جا ملے ہیں وہ تمہارے درمیان پھر رہے ہیں۔ جس طرح چاہیں تمہارے ساتھ پیش آئیں۔ کیا آپ کے نزدیک یہ سب ہوتے ہوئے بھی آپ کا کچھ بس چل سکتا ہے؟

لوگوں نے کہا: نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا میری بھی وہی رائے ہے جو آپ کی کہ یہ جہالت کا کام ہے۔ ان لوگوں کے پاس دنیاوی ساز و سامان ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ شیطان کبھی اس دنیا میں کسی شریعت کا پابند نہیں۔ وہ جس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ روئے زمین سے نیست و نابود ہی کر دیتا ہے۔

اب اگر لوگوں کو اس معاملہ میں حرکت میں لایا جائے گا تو ان کی مختلف آراء ہوں گی۔ ایک گروہ کا وہی خیال ہوگا جو آپ کا ہے۔ دوسرا بالکل آپ کے خلاف سوچے گا۔ ایک تیسرا گروہ نہ یہ اچھا سمجھے گا نہ وہ جب تک کہ لوگ مطمئن نہیں ہو جاتے اور دلی اضطراب

ختم نہیں ہو جاتا اور حقوق نہیں لیے جاتے۔ اس لیے مجھے میری حالت پر چھوڑ دو اور کل کیا ہونے والا اس کا انتظار کرو۔ پھر لوٹ کر آنا۔ [1]

یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کھل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے جو اس سے قبل معلوم نہ تھی وہ یہ کہ مشتعل لوگوں کا رعب وداب بہت قوی ہو چکا تھا اور دیہاتیوں اور غلاموں کی نئی نئی فوجیں ان کے ساتھ شامل ہو چکی تھیں۔

اگر ان کی جماعت میں تفریق اور انتشار پیدا ہو جاتا تو اس مشکل کا ایک بڑا حصہ حل ہو جاتا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ عثمان کے قاتل ہی وہ محرک ہاتھ ہیں جن کا کاٹنا ضروری ہے اور یہ اس وقت بے نقاب ہو سکتے ہیں جبکہ ان کی جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جائے اور فریب خوردہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں۔

اس وجہ سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے تیسرے دن منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ لوگو! دیہاتیوں کو اپنے یہاں سے نکال دو۔ اے دیہات کے باشندو! اپنے اپنے گاؤں لوٹ جاؤ۔

اس پر سبائی جماعت نے انکار کر دیا اور بدوؤں نے بھی انہی کا ساتھ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر چلے آئے اسکے بعد طلحہ، زبیر اور چند صحابہ آپ کے پاس آئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ (طلحہ اور زبیر سے) اپنا انتقام لے لو اور اسے قتل کر دو۔

وہ لوگ بہت سرکش ہیں۔

بخدا! آج کے بعد وہ مزید سرکش اور منکر ہو جائیں گے۔ پھر انہوں نے ایک شعر پڑھا:

ولو ان قومی طاوعتنی سراتھم امرتھم امرا یدیخ الاعادیا

اگر لوگ میرا حکم مانتے تو میں ان رؤسا کو ایک ایسی بات کا حکم دیتا جس سے دشمن ذلیل وخوار ہو جاتے۔

---

[1] طبری: ج ۳، ص ۴۵۸ سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ۔

طلحہ: مجھے بصرہ جانے کی اجازت دیجئے۔ اگر وہ آپ پر حملہ کریں گے تو میں ایک لشکر لیے موجود رہوں گا۔

علی: میں ذرا غور کرلوں۔

زبیر: مجھے کوفہ جانے کی اجازت دیجئے ان کے حملے کے وقت میں ایک لشکر لے کر آ جاؤں گا۔

علی: مجھے سوچ لینے دو۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے نظر اٹھانے پر طلحہ اور زبیر کو نہ دیکھنا آسان نہ تھا آپ کے یہ سب سے زیادہ معتمد تھے اور ان کے مشورہ پر آپ کو بھروسہ تھا۔

یہ تو ایک طرف تھا۔ دوسری جانب ان کو یہ معلوم تھا کہ ان دونوں نے جن حالات میں بیعت کی ہے وہ حالات غیر فطری تھے۔ اس لیے ان کا ناپسندیدہ راستہ اختیار کرنے سے کوئی چیز انہیں روک نہیں سکتی اور اس کے بعد ان حالات کے سہارے مفاہمت مشکل ہو سکتی ہے۔

تیسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ان کے ذہن میں واضح تھی وہ یہ کہ ''کبار صحابہ کو مدینہ چھوڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔'' تاکہ لوگ اہل مدینہ کو فتنہ میں نہ ڈالیں اور منتشر نہ کریں جس سے مسلمانوں کے اتحاد کا شیرازہ بکھر جائے۔ امیر المومنین کا یہ اندازہ صحیح بھی ثابت ہوا۔ اسی کی بنا پر جنگ جمل واقع ہوئی اور خون کا ایک دریا ابل پڑا۔ [2]

---

[1] طبری: ج ۳، ص ۴۵۹، سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ۔

[2] صحابی جلیل قعقاع بن عمرو تمیمی اپنی سوچی سمجھی حکمت کو لے کر دونوں فریقوں (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر) کے درمیان صلح کی غرض سے آئے۔ جمل والوں نے آپ کی بات مان لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا اتباع کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس کہلا بھیجا کہ ''اگر تم اپنے اس عہد و پیمان پر قائم ہو جو قعقاع بن عمرو سے تم نے کیا تھا تو رک جاؤ۔ ہم ٹھہر کر اس سلسلے میں غور و فکر کریں۔'' اور ان دونوں نے بھی کہلا بھیجا کہ ہم قعقاع بن عمرو سے طے شدہ صلح کی بات پر اٹل ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معاویہ رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ

ایک طویل غیر حاضری کے بعد ہم پھر دھیرے دھیرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھ رہے ہیں یہ غیر حاضری صرف اسی لیے تھی تا کہ ان کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف کا معاملہ واضح سے واضح تر اور روشن سے روشن تر ہو کر سامنے آ جائے۔

اس تاریک فضا میں لوگوں کے اجتہادات مختلف اور آراء متفرق ہیں۔ حلیم المزاج آدمی حیران ہے۔ کوئی راستہ سجائی نہیں دیتا۔ فتنہ پر فتنہ برپا ہوتا جا رہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عاملین مختلف شہروں میں بھیجے۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمارہ بن شہاب کو کوفہ، (یہ مہاجرین میں سے تھے) عبیداللہ بن عباس کو یمن، قیس بن سعد کو مصر اور سہل بن حنیف کو شام بھیجا۔

سہل جب تبوک پہنچے تو ایک لشکر سے ملاقات ہوئی جس نے ان سے پوچھا:

(گزشتہ سے پیوستہ) ❁ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (ج ۷ ص ۲۳۹) میں فرماتے ہیں کہ "اس پر لوگوں کے دل مطمئن ہو گئے۔ ان کو سکون مل گیا۔ اور ہر فریق اپنے فوجیوں سے ملا۔ شام ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ان لوگوں کے پاس بھیجا اور ان لوگوں نے محمد بن طلحہ سجاد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا ان سب نے صلح کا اعتماد ظاہر کیا۔ رات اتنی خیر و عافیت سے گزری کہ اس سے قبل اتنے آرام سے نہ گزری تھی۔ ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ لے کر اٹھنے والوں کی رات بڑی ہی بدترین رات تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ موت اپنا منہ کھولے ہوئے ہے لیکن اس بات کو انہوں نے بڑے راز میں رکھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس برائی کی سن گھن بھی کسی کو لگ جائے۔ صبح تاریکی ہی میں اٹھے اور وہاں سے چل پڑے۔ قریب پڑے ہوئے ہمراہیوں کو اس کا احساس نہ ہو سکا وہ اس کام کے لیے بڑی ہی آہستگی کے ساتھ چل پڑے۔ (دیکھئے تاریخ طبری: ج ۵ ص ۲۰۲، ۲۰۳۔ منہاج السنۃ: ج ۲ ص ۱۸۵ اور ج ۳ ص ۲۲۵، ۲۴۱)

اس طرح انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ کی آگ لگائی۔ اصحاب جمل نے سوچا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بدعہدی کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ گمان تھا کہ ان کے بھائیوں نے بے وفائی کی ہے۔ حالانکہ یہ سب زمانہ جاہلیت میں بھی اس قسم کا کام کرتے ہوئے خدا سے ڈرتے تھے پھر اخلاق کے اعلیٰ منازل پر فائز ہونے کے بعد ان سے اس قسم کی چیز سرزد ہونی کیسے ممکن تھی؟

العواصم من القواصم من تعلیق محب الدین الخطیب" ص ۱۵۶، ۱۵۷، المطبعۃ السلفیہ۔

آپ کون ہیں؟

امیر ہوں۔

کہاں کا امیر؟

شام کا۔

اگر عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو بھیجا ہے تو ہم خوش آمدید کہتے ہیں اور اگر کسی دوسرے نے بھیجا ہے تو آپ یہیں سے لوٹ جائیں؟

جو بات وقوع پذیر ہو چکی ہے آپ حضرات کو اس کی اطلاع ہے؟

جی ہاں۔

اس گفتگو کے بعد وہ واپس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے۔ [1]

سہل بن حنیف شام کے راستے سے لوٹ آئے۔ ادھر ادھر کی خبریں آتی رہیں جس کو لوٹنا تھا لوٹ آیا۔ حضرت معاویہ کے پاس سبرہ جہنی قاصد بن کر امیر المومنین کی طرف سے گئے تھے۔ وہاں پہنچے تو نہ تو معاویہ نے کچھ لکھا اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیا۔ قاصد وہیں ٹھہرا رہا اور جب بھی جواب طلب کرتا حضرت معاویہ صرف یہ اشعار پڑھ کر رہ جاتے۔

ادم إدامة حصن او خذ بيدى حربا ضروسا تشب الجزل والفرما

''قلعہ کی مضبوطی اور پائیداری اپنے اندر پیدا کر لو یا فروتنی سے میرا ہاتھ تھام لو بہر صورت ایک جنگ عظیم ضرور برپا ہو کر رہے گی جو ہر خشک و تر کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔''

فى جاركم و ابنكم اذ كان مقتله شنعاء شيبت الاصداغ واللهما

''تمہارے پڑوس میں تمہارے بچوں میں اس کا اس بری طرح قتل ہوا کہ جس کے غم نے کنپٹی اور کان کے بال سفید کر ڈالے۔''

أعيا المسود بها والسيدون فلم يوجه لها غير نامولى ولا حكما

بندۂ و آقا عاجز ہیں انہیں ہمارے سوا کوئی سردار نہیں ملتا۔

---

[1] طبری: ج ۳ص ۴۶۲ سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ۔

پچھلی بحث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہم نے اس مقام پر چھوڑا تھا جب انہوں نے مدینہ چھوڑا تھا اور امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت علی اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کو وصیت کی تھی لیکن وہ اب اس مدینے کے خلاف ایسی شعلہ بار جنگ کا اعلان کر رہے تھے جو خشک و تر کو فنا کر کے رکھ دے گی امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے انہوں نے اس جنگ کا علم اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور شہید خلیفہ کے خون کا انتقام لیے بغیر اپنے اوپر نیند حرام کر لی ہے۔

اس کھلے جنگی اعلان کا دوسرا اقدم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد بھیجنا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تیسرے مہینہ صفر ۳۶ھ میں معاویہ نے بنوعبس کے ایک آدمی کو بلایا۔ پھر بنورواحہ کے ایک شخص قبیصہ کو بلا کر ایک مہر بند مکتوب عطا کیا جس کا پتہ اس طرح تھا۔ مِنْ مُعَاوِيَةَ اِلٰى عَلِيٍّ (معاویہ کی جانب سے علی کے پاس) اور اس سے کہا:

جب مدینہ پہنچنا تو اس کا نچلا حصہ ہاتھ سے تھام لینا۔

پھر کچھ اور باتیں جو کچھ کہنی تھیں کہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد کو بھی رخصت کر دیا وہ دونوں وہاں سے چلے اور مدینہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو پہنچ گئے جب وہ دونوں مدینہ پہنچے تو عبسی نے معاویہ کے حکم کے مطابق صحیفہ ہاتھ میں اٹھا لیا۔ لوگ باہر نکل کر اسے دیکھنے لگے پھر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ انہیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مقابلہ کرنے والے ہیں۔

قاصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور صحیفہ ان کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے مہر توڑ دی مگر اندر کوئی خط نہ ملا۔ قاصد سے پوچھا، تمہارے پیچھے کی کیا خبر ہے؟

قاصد: جان بخشی ہو تو عرض کروں؟

علی: ضرور ضرور۔ ہمارے یہاں قاصد کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا ہم اسے قتل نہیں کرتے۔

قاصد: میرے پیچھے ایسے لوگ ہیں جو بلا قصاص کے راضی نہیں ہوں گے۔

علی: کس سے قصاص لیں گے۔

قاصد: خود آپ کی ذات سے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دل کا تاثر ظاہر نہ ہونے دیا۔ قاصد بولتا رہا۔

میں ساٹھ ہزار شیوخ کو عثمان کی قمیص کے پاس روتا ہوا چھوڑ آیا ہوں وہ قمیص انہوں نے منبر دمشق کو پہنا دی ہے۔

علی: عثمان رضی اللہ عنہ کا خون مجھ سے مانگیں گے؟ کیا میں عثمان کی طرح بالکل مجبور محض نہ تھا؟ خدایا! میں عثمان کے خون سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عثمان کے قاتل بے داغ ہی چھوٹ جائیں گے۔ ہاں مگر اللہ کی مشیت ہی اس کے خلاف ہو کیوں کہ جو وہ کرنا چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔

پھر قاصد سے آپ نے کہا: تم جاسکتے ہو۔

قاصد: مجھے اب بھی پناہ حاصل ہے؟

علی: ہاں ہاں! تم مامون ہو۔

عبسی وہاں سے چلا گیا۔

سبائیوں نے چلانا شروع کیا۔ یہ کتا۔ یہ بنوکلاب سے آیا ہے اسے قتل کر دو۔ اس نے پکارنا شروع کیا۔ مصر کے لوگو! بنوقیس کے لوگو! جنگ کی تیاری کرلو۔

میں خدائے عزوجل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ چار ہزار بہادر تم پر آن پڑنے والے ہیں۔ ذرا دیکھو۔ تمہارے اندر کتنے بہادر اور کتنے شہسوار موجود ہیں۔

وہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑ رہے تھے۔ اور قبیلہ مضر اس کو لوگوں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ [1]

شام والوں کے نزدیک مدینہ میں جو کچھ پیش آیا۔ یہ اس کا نقشہ ہے۔

باغی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر چکے تھے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو کر

---

[1] طبری: ج ۳، ص ۲۶۴۱۴ السری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ۔

پناہ حاصل کر لی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شورش پسندوں کے مابین ایک طرح کا اتفاق ہو گیا تھا جس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو شہ مل گئی۔

البتہ مدینہ والوں کی بیعت کوئی بہت زیادہ قابل اعتبار نہ تھی کیونکہ مدینہ پر غلبہ بہر حال شورش پسندوں کا تھا۔ وہ جو حکم نافذ کرنا چاہتے، نافذ کر سکتے تھے اور اہل مدینہ کو جس سے بیعت کرانا چاہتے مجبور کر دیتے کیونکہ باغیوں کی تلواریں انکی گردنوں پر مسلط تھیں۔

اگر اہل مدینہ کو کوئی طاقت ہوتی تو وہ ضرور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کرتے۔

کبار صحابہ میں سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خروج ہی اس بات کی ایک زبردست دلیل ہے کہ اہل مدینہ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ بنو امیہ کے سارے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے پہلے مدینہ سے بھاگ گئے تھے۔ ان کا ایک فرد بھی بیعت کے اوقات میں وہاں نہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس وقت حفاظت کرتا۔ جب وہ باغیوں کے ہتھے لگ گئے تھے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اہل مدینہ کے اژدحام کے موقعہ پر بھی وہ موجود نہ تھے۔ ان کی سب سے بڑی توقع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ تھی کہ وہ خلافت قبول کر لیں تاکہ لوگ باغیوں کے رحم و کرم پر مجبور نہ ہوں اور مسلمان بلا امیر کے نہ رہیں کہ ان کی خواہشات جدا جدا اور ان کی آراء مختلف ہوں۔

شام فرار ہونے والے بنو امیہ کے لوگوں کے سامنے بیعت کی خود وہ صحیح صورتحال بھی نہ تھی جس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشاہدہ کیا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچانے والوں نے یہ دیکھا تھا کہ تلواریں گردنوں پر چمک رہی ہیں۔ کنبہ پروروں کے ہاتھوں بیت المال لوٹا جا رہا ہے اور نائلہ کی انگلیاں کٹی ہوئی ہیں۔ انہوں نے یہ حالت بھی دیکھی تھی کہ کس طرح لوگوں پر خوف اور دہشت مسلمانوں کے قبرستان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین کی راہ

میں حائل رہا۔ اس لیے یہ تعجب خیز بات نہیں کہ یہ شکل بھی شام پہنچی ہو جس کی وجہ سے لوگوں کی طبیعت اور ان کے جذبات برانگیختہ ہوئے ہوں اور دلوں میں ایک آگ بھڑک اٹھی ہو۔ خاص طور پر اس صورتحال کے بیان کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے مبالغے، کچھ ایسے خیالات اور خبریں بھی پہنچی ہوں گی جن کی صفائی مشکل تھی۔

مسلمانوں کی مکہ اور بصرہ آمد و رفت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتہام کو معاویہ کے نزدیک قابل قبول بنا دیا تھا۔ [1]

اس قاعدہ کی بنیاد پر خلیفۂ شہید کے خون کے انتقام کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جنگ پر اصرار کرنے کی وجہ ہماری سمجھ میں آ سکتی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف تمام گزشتہ حالات سے تمام تر مناسب ہے خصوصاً ان کا وہ موقف جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے شام جانے کی پیشکش کی تھی یا مدینہ میں آپ کی حمایت کے لیے فوجی مدد کا ذکر کیا تھا۔ یہ ایک فطری اور معقول موقف ہے جو قاعدہ مذکورہ کے ذریعے معلوم ہوتا ہے اس طرح حالات کا تقاضا یہ تھا کہ فتنہ پروروں کی تادیب اور راہنمائی کے لیے ان کی حقیقت حال کا انکشاف کیا جائے جو شام کی طرف لوگوں کو خلیفۂ سابق کی جانب سے بھیجتے تھے اور آج یہ بات اچھی طرح معلوم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ فتنہ کے متلاشی ہیں۔ حق کے متلاشی نہیں۔

اس وضاحت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور شامی مسلمانوں کا وہ اصرار تعجب انگیز نہیں رہ جاتا جو باغیوں سے اقتدار چھیننے کے لیے انہوں نے کیا تھا اور خلیفۂ عظیم کے قتل کے سنگین جرم پر ان کو عبرتناک سزا دلوانا چاہتے تھے۔

بلکہ تعجب کی بات یہ تھی کہ اس کے خلاف کوئی دوسرا موقف اختیار کیا جائے۔

کیا کبھی ہم یہ تصور کر سکتے تھے کہ کینہ پرور سازشی قابضوں کی طرف سے امیر المومنین

[1] یہ نتیجہ اخذ کرنے میں ہم مؤلف کے موافق نہیں۔ نہ ہی علماء امت میں سے کسی کی یہ رائے رہی ہے۔ خود حضرت معاویہ نے کبھی حضرت عثمان کے خون سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو متہم نہیں کیا۔ بلکہ ان دونوں کا نقطۂ نظر قاتلین عثمان کی سزا کے سلسلے میں مختلف ہو گیا تھا۔ کب اور کیسے سزا دی جائے اور کون یہ کام انجام دے؟ (ناشر)

سید المسلمین کا قتل واقع ہو گا اور پورے عالم اسلامی میں کوئی حرکت پیدا نہ ہو گی؟

امت میں فتنہ پیدا ہونے کے وقت اس طرح کے معاملات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہوتا کہ ایک فریق دوسرے فریق کو سمجھے اور اس سے ملے حالات وظروف اور اسباب ومحرکات کا پتا لگائے۔ مسائل کے الجھانے اور اختلاف کے بڑھانے میں جذبات کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

یہ اللہ کا عذاب تھا جو شہید خلیفہ کی حمایت سے پیچھے ہٹنے کی وجہ سے بدلہ کے طور پر امت پر نازل ہوا جیسا کہ عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں:

''جب کوئی قوم اپنے خلیفہ کو قتل کر دیتی ہے تو ان کا معاملہ سلجھتا نہیں جب تک کہ ان کے چالیس ہزار آدمیوں کا خون نہ بہہ جائے۔''

﴿اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [۳/آل عمران:۱۶۵]

''بھلا یہ کیا بات ہے کہ جب احد کے دن کفار کے ہاتھ تم پر مصیبت واقع ہوئی۔'' حالانکہ جنگ بدر میں اس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ ہائے! آفت ہم پر کہاں سے آ پڑی کہہ دو کہ یہ تمہاری شامت اعمال ہے کہ تم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کیا۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف معاویہ کے جنگی اعلان کے بعد کیا تھا؟ اہل مدینہ یہ چاہتے تھے کہ معاویہ اور ان کی علیحدگی کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کریں تا کہ اہل قبلہ کے قتال کے سلسلے میں ان کی رائے کا پتا چل جائے کہ آپ اس کا اقدام کریں گے یا اس سے باز رہیں گے۔ انہیں یہ خبر لگی کہ حسن بن علی آئے ہیں اور باز رہنے اور بیٹھ رہنے کے متعلق کہہ رہے ہیں اور لوگوں کو چھوڑ دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اس لیے ان لوگوں نے زیاد بن حنظلہ تمیمی کو چپکے سے اندر بھیجا جن کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارتباط

تھا وہ اندر داخل ہوئے اور تھوڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

زیاد! تم تیار ہو جاؤ۔

کس چیز کے لیے۔

شام میں جنگ کرنے کے لیے۔

توقف اور نرمی زیادہ بہتر ہوگی۔

انہوں نے ایک شعر بھی پڑھا:

و من لا یصانع فی امور کثیرۃ یضرس بانیاب و یؤطا بمنسم

''جو عام معاملات میں مدارات سے کام نہیں لیتا حوادثات کے دانتوں تلے پیس ڈالا جاتا ہے اور جانور کے پیروں تلے روند ڈالا جاتا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بطور مثال ایک شعر پڑھا:

متی تجمع القلب الذی و صارما و انفا حمیا تجتنبک المظالم

''اگر تمہارے اندر ذہین دل، تلوار، خودداری جمع ہو جائیں تو تم سے خود ظلم دور ہو جائے گا۔''

وہاں سے نکل کر زیاد لوگوں کے پاس آئے جو ان کے انتظار میں تھے ان لوگوں نے پوچھا۔ کیا خبر ہے؟ جواب دیا، تلوار، اے لوگو! تلوار۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن الحنفیہ کو بلا کر علَم جنگ عطا کیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو میمنہ کی سالاری سپرد کی۔ عمران بن سلمہ اور عمرو بن سفیان بن عبدالاسد کو میسرہ کی سالاری سپرد کی۔ ابویعلیٰ بن عمر بن الجراح، ابوعبیدۃ بن الجراح کے بھتیجے کو ہراول دستہ کا سالار بنایا اور قثم بن عباس کو مدینہ کی جانشینی بخشی اور عثمان کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو کوئی بھی عہدہ نہ دیا۔

انہوں نے قیس بن سعد [1] کے پاس لکھا کہ لوگوں کو منتخب کر کے شام بھیجیں

---

[1] مصر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ولایت پر مامور تھے۔

اسی طرح کا حکم عثمان بن حنیف [1] اور ابو موسیٰ [2] کو بھی ارسال کیا اور خود بھی تیاری اور سامان کی فراہمی میں مصروف ہو گئے۔ اہل مدینہ کے سامنے خطبہ دیا جس میں انہوں نے افتراق پسندوں سے جنگ کرنے پر لوگوں کو برانگیختہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

"اللہ عزوجل نے کتاب ناطق عطا فرما کر اپنے ہادی و برحق رسول کو مبعوث فرمایا اور ایک واضح اور سیدھا دین عطا فرمایا جس کو ہلاک ہونے والا ہی ترک کر سکتا ہے۔ اختراعات اور شبہات بلاشبہ باعث ہلاکت ہیں۔ ہاں مگر خدا جسے اپنے کرم سے بچالے۔ اللہ کے فیصلے میں ہی تمہاری ہر طرح کی عصمت ہے۔ اس لیے تم اطاعت شعاری سے کام لو۔ انحراف نہ کرو۔ نہ ہی اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھو۔ بخدا! اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اسلامی سلطنت دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے گی اور پھر کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آسکتی۔ یہاں تک کہ پھر معاملہ اسی طرف لوٹ جائے۔ لوگو! ان لوگوں کے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑے ہو جو جماعت میں پھوٹ ڈال رہے ہیں۔ شاید تمہاری ہی وجہ سے اہل آفاق کے بگاڑ کی اصلاح ہو جائے اور تم اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاؤ۔ [3]"

اس عرضداشت میں ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کے پہلو بہ پہلو اہل مدینہ کے متعلق قتال کے سلسلے میں خوف کا پتا چلتا ہے۔ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس زیاد بن حنظلہ کو ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے بالکل واضح تھی اس کی معرفت کے سلسلے میں مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہ تھی وہ تھی "قتال" کی رائے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیاد کے سامنے پیش کی تھی۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس معاملہ میں کسی ٹال مٹول کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے لشکر کی قیادت کے لیے عمدہ نمونہ کے معتمد جوانوں کا انتخاب کیا۔ حبر الامۃ عبداللہ بن

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ کے حاکم تھے۔ [2] ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے گورنر۔ ابتدا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے عہدہ پر برقرار رکھا۔

[3] طبری: ج ۳، ص ۴۶۵، سری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ۔

عباس رضی اللہ عنہما میمنہ کے قائد تھے۔ ام المومنین ام سلمہ کے صاحبزادے کو میسرہ کی قیادت ملی تھی اور امین الامۃ کے بھتیجے کو ہراول دستے کی سرداری دی تھی۔ خود اپنے فرزند محمد بن الحنفیہ کو علم جنگ عطا کیا تھا۔ مدینہ کا نگران قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا تھا یہ صاف اور ستھری شخصیتیں تھیں جن کا قریب و بعید سے کبھی کوئی تعلق امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے نہ تھا۔ اسی وجہ سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ راوی یہ اشارہ کر رہا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی بھی ایسے شخص کو ولایت سپرد نہ کی جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کے نزدیک یہی اسلامی طریقہ تھا۔ وہ التواء اور آزاد چھوڑ دینے میں خطرہ محسوس کرتے تھے۔ قاتلین عثمان کے اقتدار اور غلبہ اور ان کی طرف سے پیدا کی جانے والی دہشت انگیزیوں کے باوجود امیر المومنین نے اپنی حکومت و خلافت کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں شریک ہونے والے لوگوں سے ملوث ہونے نہ دیا اور فی الفور ولایت اسلامیہ سے مدد طلب کی تاکہ اہل شام سے جس قدر بھی ممکن ہو سکے بڑے سے بڑے لشکر سے جنگ کریں اور بلا خونریزی کے ان کو اطاعت پر مجبور کر دیں۔ جس کے لیے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو جنگ کے علاوہ کوئی دوسری شکل نظر نہ آتی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاصد جو شام گیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس شام سے آنے والا قاصد دونوں آپس میں اس جنگ عظیم کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں جو شعلے اگلنے والی تھی اور ان ساٹھ ہزار شیوخ کے متعلق تبادلۂ خیال کر رہے تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص کے نیچے کھڑے رو رہے تھے اور خلیفۂ شہید کے انتقام کے لیے اللہ سے عہد کر رہے تھے۔

شام کی جنگ قوت مجتمع ہونے سے پہلے اور فتنہ کی آگ بھڑکنے سے پہلے ہو۔ یہی اسکیم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مناسب معلوم ہو رہی تھی اس امید کے پیش نظر کہ شاید اس سے خونریزی بند ہو جائے اور باغی لوگ حق کے دائرے میں پھر لوٹ آئیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق کی نصرت کی خاطر اور دین سے نکل جانے والے سفاکوں سے انتقام لینے کے لیے تمام قوتیں اکٹھا کر رہے تھے۔ اس طرح دونوں گروہ جنگ ہی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے جنگ میں دخول کے متعلق کثیر روایتوں میں سے ہم طبری کے ثقہ رواۃ کی روایت لے رہے ہیں جس کی سنداس طرح ہے:

السری عن شعیب عن سیف عن محمد و طلحۃ و ابی حارثۃ و ابی عثمان.

ان کا بیان ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہر چہار جانب سے گھیر لیا گیا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکل پڑے۔ ان کا رخ شام کی جانب تھا اس وقت انہوں نے کہا: ''بخدا سن لو اے اہل مدینہ! جو شخص بھی یہاں ٹھہر کر اس شخص کو قتل ہوتا ہوا دیکھے گا اللہ اسے ذلت سے مارے گا اس لیے جس کو مدد کی طاقت نہ ہو اسے یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔

یہی عبداللہ بن عباس کی بھی رائے تھی انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ ''ان باغیوں سے قتال کرنا اللہ کے نزدیک فریضہ حج ادا کرنے سے زیادہ باعث اجر ہوگا۔''

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہاں سے روانہ ہو گئے ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے عبداللہ اور محمد بھی تھے۔ اس کے بعد حسان بن ثابت بھی نکل پڑے اس طرح یہ سلسلہ جب تک اللہ نے چاہا جاری رہا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عجلان (ایک مقام کا نام ہے) میں بیٹھے تھے۔ ساتھ دونوں صاحبزادے بھی تھے کہ ان کے پاس سے ایک سوار گزرا۔

ان لوگوں نے اس سے پوچھا! کہاں سے آرہے ہو؟

سوار: مدینہ سے۔

عمرو: آپ کا اسم گرامی؟

سوار: حصیرہ۔

عمرو: وہ شخص محصور ہو گیا۔ اچھا بتاؤ کیا حالات ہیں؟

سوار: میں نے انہیں محصوری کی حالت میں چھوڑا ہے۔

عمرو: قتل کر دیئے جائیں گے۔

پھر چند روز وہ لوگ وہیں ٹھہرے رہے۔ ایک سوار گزرا پوچھا: کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: مدینہ سے۔ عمرو نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ''قتال'' عمرو نے کہا (حضرت عثمان) شہید کر دیئے گئے۔ اچھا بتاؤ کیا خبر ہے وہاں کی؟

اس نے جواب دیا: وہ تو قتل کر دیئے گئے میرے آنے تک یہی بات تھی۔

پھر چند دن وہاں ٹھہرے رہے۔ ایک سوار گزرا۔ ان لوگوں نے پوچھا۔ کہاں سے آ رہے ہو؟

جواب دیا: مدینہ سے آ رہا ہوں۔

عمرو نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟

اس نے کہا: حرب۔

عمرو نے کہا: جنگ ہو گی۔ اچھا بتاؤ۔ وہاں کی کیا خبر ہے؟

اس نے جواب دیا: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے بیعت کر لی گئی۔ عمرو نے فرمایا: میں ابو عبداللہ ہوں، میں ہر اس شخص کا مخالف رہوں گا جس نے انہیں ادنیٰ زخم بھی پہنچایا ہو گا اللہ عثمان پر رحم فرمائے ان سے خوش ہو اور ان کی مغفرت فرمائے۔

سلامہ بن زنباع جذامی نے کہا:

''اے قریش کے لوگو! بخدا وہ تمہارے اور عربوں کے درمیان ایک دروازہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے جب دروازہ ٹوٹ جائے تو دوسرا دروازہ بنا لو۔''

یہ خلیفۃ المسلمین کے خلاف اجتماع کی دعوت تھی۔

اب سوچنا یہ ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ کا نظریہ اس سلسلے میں کیا تھا؟

انہیں خلافت کے انعقاد پر اطمینان تھا لیکن اس شکل میں نہیں کہ باغی وہیں مدینہ میں موجود ہوں بلکہ معاملات کا صحیح رخ پر جانا ضروری ہے تا کہ خلافت شورائی باقی رہ جائے۔ یہی نقطۂ نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ حقیقت معلوم نہ تھی کہ خلافت علی کو کیسے ملی؟ اس لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لڑائی کے یقین ہونے کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا:

''یہی تو ہم چاہتے ہیں اب اس دروازہ کو صرف وہ تسلی درستی کر سکتی ہے جو حق کو جنگ کے کنوئیں سے کھینچ کر نکال لائے اور تمام لوگ عدل وانصاف میں مساوی ہو جائیں۔''

''یہ ضروری ہے کہ حق زور و جبر کے دائرہ اختیار سے نکل جائے اور قوت کے پنجوں سے نجات پا جائے۔''

''یہ ضروری ہے کہ خلافت قائم ہو مگر باغیوں کا غلبہ اور مدینہ میں زبردستی داخل ہونے والوں کا سایہ تک وہاں نہ ہو۔''

خلیفۂ شہید کا غم ان کا دل دکھائے جا رہا تھا مگر یہ المناک حادثہ رونما کس طرح ہوا۔ کیا لوگ مدہوش تھے؟ انہوں نے کہا۔

یا لهف نفسي على مالك　　وهل يصرف اللهف حفظ القدر

''ہائے میرے دل کا اشتیاق وحسرت مالک کی موت پر لیکن کیا یہ اشتیاق تقدیر کی تحریر مٹا سکتا ہے؟''

انزع من الحر أودى بهم　　فأعذرهم أم بقومي سكر

''کیا تپش سے بچا لینا ہی ان کے لیے ہلاکت خیز ہے؟ ایسا ہے تو میں انہیں معذور سمجھوں۔ یا لوگ مدہوش و بدمست ہیں؟''

پھر وہاں سے پیدل ہی چل پڑے۔ عورتوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے جاتے

تھے اور زبان سے کہتے جاتے تھے۔ ہائے عثمان!'' دین وحیا کی موت کی خبر میں دے رہا ہوں۔'' اسی حالت میں دمشق پہنچے۔

اسی درمیان جبکہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی تھوڑی گفتگو ہو جانی ضروری ہے یہ بات متحقق ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان اہم عناصر میں سے تھے جنہوں نے اس وقفہ میں امت کی قیادت کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بالاتفاق ان کا تیسرا درجہ تھا جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب خوارج نے اپنی کوتاہ بینی کے مطابق اسلامی قیادت کا خاتمہ کرنا چاہا تو انہوں نے انہیں تینوں کو اچانک قتل کر دینے کا انتخاب کیا۔ وہ شخصیتیں حضرت علی، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی تھیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے اوصاف مشہور و متعین ہیں ان کی نگاہیں دور بیں، حقیقت کی تہہ تک پہنچنے والی تھیں۔ مختلف و مبہم معاملات میں توقف سے کام لیتے اور ان معاملات کی تحقیق و تفتیش کے بعد اپنے مقصد کے لیے کوشاں ہو جاتے۔ دوسروں سے پہلے آپ معاملات کی حقیقت معلوم کر لیتے۔ یہیں سے آپ کی زیرکی ظاہر ہو جاتی ہے اور آپ کا فطری کمال مسلم ہو جاتا ہے۔

فتنہ کی تند ہواؤں کو انہوں نے دیکھ لیا تھا اور آپ اس کی مہک سونگھ رہے تھے۔ اس لیے آپ نے صورتحال کی ایک لفظ میں تصویر کھینچ دی۔ (بخدا اے مدینہ والو! جو یہاں اقامت پذیر ہوگا اور اس شخص کو قتل ہوتا دیکھے گا اللہ اسے ذلت سے مارے گا۔ اس لیے جس کو مدد کی تاب نہ ہو وہ یہاں سے چلا جائے)

آپ نے اپنی تیز نگاہوں سے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان سرکشوں سے مقابلہ کی کسی میں ہمت وطاقت نہیں۔ مجبور و خاموش ہو کر مدینہ میں مقیم رہنا بھی اس فتنہ میں ملوث ہونا اور اس کا ذمہ دار بننا ہے۔ یہاں سے گلوخلاصی اور راہ فرار اختیار کر لینا ممکن ہے کہ اس بار عظیم میں تخفیف کر دے کیونکہ یہاں گلوخلاصی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

آپ معاملات پر برابر غور وفکر کرتے رہتے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز آئندہ ہونے والی تھی اس کا نقشہ اپنی بیدار مغزی کی بنا پر خود آپ نے ہی مرتب کیا تھا۔ ''محصور ہونا، قتل ہونا، پھر لڑائی کا برپا ہونا۔'' ان سفاک مجرمین کے خلاف ہر قسم کا غیظ وغضب منظر عام پر لا دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کافی تھا۔ ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے مدینہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ ٹھہرنا ضروری تھا۔ جنہوں نے حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جرأت کی تھی اور آپ کے خلیفہ کو علی رؤوس الاشہاد قتل کر دیا تھا۔

اس میں تعجب کی بات ہی کیا ہے؟ کہ حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں؟ بلکہ تعجب تو جب ہوتا جبکہ آپ اس معاملہ کے لیے تیار نہ ہوتے۔ اگرچہ بعض لوگ ایسے ہیں جو اس سلسلے میں شبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کا دارومدار موضوع یا جھوٹی روایتوں پر ہے جن سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو صرف حکومت اور اقتدار کی فکر تھی۔

باریک تنظیم ہمیشہ ہی عوام الناس اور مدبرین کو مغلوب کر لیتی ہے خواہ اس میں کوئی بڑا سمجھدار عالم، بہادر ہی کیوں نہ ہو۔ مدینہ کا حال بھی اسی طرح کا تھا۔

جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر فوجی انقلاب موجودہ حکومت کو ختم کر دیتا ہے جبکہ اس کے پاس بالخصوص دارالحکومت میں فوجی ولشکری بھی موجود ہوتے ہیں۔

مدینہ کے باغیوں کے خلاف کامیابی حاصل کرنا اور کسی ارادہ کو عملی جامہ پہنانا محال تھا۔ اس لیے مدینہ سے باہر نکل کر کوشش کرنا ضروری تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خود تنہا یہ بات تسلیم نہیں تھی اور کچھ کر گزرنے سے صرف یہی عاجز نہیں تھے بلکہ اس ماحول میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو آپ سے ایمان قبول کرنے میں سابق اور بڑے بہادر تھے لیکن وہ بھی اس تحریک کے مقابلے میں کچھ کر گزرنے سے عاجز تھے۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم مدینہ میں رہ کر کسی طرح کا کام کرنے سے قاصر تھے اسی لیے انہوں نے مکہ، بصرہ اور کوفہ کا انتخاب کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مدینہ میں رہ کر حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت میں کچھ کرنے سے قاصر تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ باغیوں کے خلاف کوئی کام صوبائی حکومتوں کی بیعت کے بعد ہی پورا ہوسکتا ہے۔ جو باغیوں کے تسلط سے رہائی کے لیے مدد کا کام کریں۔

پھر یہ کوئی نادر بات نہ تھی کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تا کہ انہیں خلیفہ شہید کے محاصرہ پر زبان بندی کی ذلت نہ اٹھانی پڑے اور آپ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا جانا بھی کوئی تعجب خیز نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اہل شام کے دلوں میں اس قدر مقبولیت ڈال دی تھی کہ خلیفہ مقتول کے انتقام کے لیے پورے لشکر کو حرکت میں لا سکتے تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عزم کی خبریں متواتر آپ کے پاس آرہی تھیں۔ چنانچہ آپ وہاں جا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مل گئے ان کا مقصد بالکل ظاہر تھا۔ منزل بالکل متعین تھی۔ یہ بات ہمیں ان اشعار سے معلوم ہوتی ہے جن کو انہوں نے پڑھا تھا جو ابھی گزر چکے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ حسرت سودمند نہیں اور یہ کہ غافل لوگ جیسے بدمست ہیں۔ ان کا خمار ختم ہونا ضروری ہے تا کہ وہ پرچم کو خود اٹھا سکیں۔

سازش کی وسعت سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی واقفیت کے پیش نظر ان کا شام چلا آنا ایک معقول و مناسب بات تھی اور اس کے لیے بھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو نسبی اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قریبی تھے۔ بنو امیہ کے لیے جائے پناہ تھے اور شام ان لوگوں کا مرکز بن چکا تھا جو حضرت عثمان کے انتقام کے خواہشمند تھے۔ وہیں اُن کا کرتا تھا اور ان کی بیوی نائلہ کی انگلیاں تھیں۔ جن کو شام کے منبر سے اٹھایا جاتا تھا اور لوگوں کے دل کا دبا ہوا لاوا برانگیختہ کیا جاتا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اگر شام نہ جاتے تو آخر جاتے بھی کہاں؟

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے والے باغی وہ لوگ تھے۔ جو کوفہ، بصرہ اور مصر سے آئے تھے۔ قریبی ریاستوں میں شام تنہا وہ ریاست تھی جو مکمل امیر المومنین

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماتحت تھی۔ وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا وجود، ان کا کنٹرول اور فتنہ کے خاتمہ کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں اور وہ عظیم سیاسی کامیابی جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سولہ سال کے عرصہ میں حاصل کیا تھا اس لائق تھی کہ امت کو معاویہ جیسے دانا قائد سے مربوط کردے۔

ان سب باتوں کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قتال کی تحریک کا کام کوئی آسان کام نہ تھا ہماری اس رائے کی تفسیر وہ بات کررہی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نائلہ کی انگلیاں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کرتہ ایک طویل وقفہ تک منبر دمشق پر رکھنے کے لیے مجبور ہوگئے تھے تاکہ لوگوں کا غصہ وغضب بھڑکائیں اور لوگوں کی نظر اس بات کی طرف مائل کریں کہ وہ عثمان کے خون کے ولی ہیں اور ان کو حد سے گزرنے والوں اور گمراہوں سے قتل کرنے پر ابھار سکیں۔

البتہ طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کے بصرہ اور کوفہ چلے جانے کی بنیاد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاں موجود نہ تھی۔ زبیر رضی اللہ عنہ کے ہم خیال کوفہ میں تھے اور طلحہ رضی اللہ عنہ کے متعلقین بصرہ میں، اس لیے انہیں یہاں کچھ ایسے اعوان وانصار مل سکتے تھے جو مؤیدین کو قتل کے لیے حرکت دے سکیں۔

یہ دونوں حضرات کسی رعایت کی بنا پر اپنے مرکز میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ صرف اسلام کی خاطر جہاد کرنے کی وجہ سے آئے تھے اور ایک وقت مقررہ تک اقامت پذیر ہونے کی وجہ سے ان کو یہ اثر ورسوخ حاصل ہوگیا تھا۔ اگرچہ ہم اس بات کی نفی نہیں کرسکتے کہ فتنہ پروروں نے یہ حالات سرداران صحابہ کے لیے پیدا کردیئے تھے تاکہ مسلمانوں کی جماعت کئی مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں منقسم ہوجائے۔

رہی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بات تو وہ مصر کے والی تو ضرور تھے مگر اس وقت معزول ہوچکے تھے اور ان کے بعد متعدد لوگوں کے ہاتھوں میں زمام ولایت آئی تھی۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ مصر ہی کے باغی امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے آئے تھے

یہ بات کہی جاسکتی ہے اگر ان کے پاس کوئی قوت دافعہ ہوتی یا متعین اقتدار ہوتا جس کے ذریعے ان کو کسی تصرف کی طاقت ہوتی تو وہ کرگزرتے اور واقعتاً انہوں نے اپنی ولایت کے زمانے میں بہت کچھ کر دکھایا۔

اب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ ان کے پاس کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں جا کر سہارا لیتے جیسا کہ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے کوفہ اور بصرہ میں جگہ بنی ہوئی تھی۔

اور دوسری وجہ جس کا تذکرہ اسی بات کی طرح آتا ہے وہ پائیدار دوستی ہے جو معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے درمیان قائم تھی۔

یہ دونوں مشرکین کے لشکر میں تقریباً بیس سال تک دعوتِ اسلامی کے خلاف ایک صف میں چلتے رہے۔

اور پھر ان کی دوسری ملاقات اسلامی علم کے نیچے شام میں ہوئی اور شام کے اردنی فلسطین اور دمشق ہر مقام پر ایک ساتھ رہے۔

اس طرح آپس کا تعارف اور ایک دوسرے کو سمجھنا اور تاثیر وتاثر کی بنیاد موجود تھی۔

اب ہمارے لیے ایک آخری سوال باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ کیا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لیے ممکن نہ تھا کہ مدینہ چلے جائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کریں؟

(جس کا جواب یہ ہے کہ) یہ بات ممکن ضرور تھی لیکن جو بات ہم نے معاویہ کے سلسلے میں کہی ہے وہی بات عمرو کے سلسلے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت موجود نہ تھے۔ انہوں نے اس بیعت پر انصار ومہاجرین کا اتفاق نہیں سمجھا ہوگا۔ وہ مدینہ کی دم گھٹنے والی فضا میں موجود تھے۔ باغیوں کے مدینہ پر غلبہ اور خلیفۃ المسلمین کے قتل کے وقت موجود تھے جبکہ کسی میں ان باغیوں کے سامنے کھڑے ہونے کی بھی تاب نہ تھی۔ سوائے چند رضا کار اولاد صحابہ کے مثلاً حضرت حسن، حسین، محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم۔

اس کے علاوہ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین اور بیت المال کے لوٹنے کی خبر

بھی پہنچی تھی پھر ان کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ حضرت علی کی بیعت فطری اور صحیح حالات میں مکمل ہوئی ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے عذر کی معقولیت سمجھی جو ان لوگوں نے اپنی بیعت کے سلسلے میں پیش کیا تھا تو ان کے موقف کی تردید نہ کی۔ اس طرح سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عذر بھی عدم بیعت کے سلسلے میں۔ حالانکہ یہ لوگ مدینہ میں موجود تھے۔ پھر اس طرح اس شخص کو کیوں نہ معذور سمجھیں گے جو بیعت کے وقت موجود ہی نہ تھا اور اسے جو خبریں ملی تھیں ان میں مبالغہ آرائی اور دہشت انگیزی شامل تھی اور یہ تذکرہ تھا کہ مدینہ پر باغیوں کا مکمل تسلط ہے۔

یہ سارے عوامل اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لیے صرف شام جانا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنا صرف منطقی اور معقول بات نہ تھی بلکہ خلیفہ مظلوم کے قاتلین سے انتقام کا تنہا راستہ شام ہی تھا۔

البتہ وہ زبان زد روایت جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بیٹوں محمد اور عبداللہ کو بلایا تھا اور مشورہ لیا تھا عبداللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملنے کا مشورہ دیا تو انہوں نے کہا کہ تم نے میرے لیے آخرت پسند کی ہے۔ پھر محمد سے مشورہ لیا تو انہوں نے معاویہ سے جا ملنے کا مشورہ دیا۔ تو انہوں نے ان سے کہا کہ تم نے میرے لیے دنیا پسند کی ہے۔ پھر انہوں نے دنیا کو آخرت کے مقابل میں پسند کر لیا۔ یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ اس لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ [1]

---

[1] یہ روایت متناً بھی منکر اور متروک ہے کیونکہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی شخصیت وہ شخصیت ہے جن کے اسلام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی مسرت ہوئی تھی۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔ ''اور لوگوں نے تو اسلام قبول کیا ہے لیکن عمرو بن العاص ایمان لائے ہیں۔'' عمرو ایسے آدمی نہ تھے کہ کسی منصب کی خاطر امت اور دین کی مصلحت کے مقابل میں داؤ کرتے۔ یہ ایسی قبیح عادتیں ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالکل پاک وصاف تھے اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی اسلامی سیرت اس کے بالکل منافی ہے۔

صفین کا المیہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روانگی کی اطلاع ملی تو وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ مقدمۃ الجیش کی سالاری سفیان بن عمرو ابوالاعور سلمی کو دی اور ساقہ (فوج کا پچھلا حصہ) کا سالار بسر بن ارطاۃ کو بنایا یہ دونوں صفین کی طرف ساتھ ہی چل پڑے۔ [1]

ماہ ذی الحجہ میں ہر دن جنگ ہوتی رہی اور بعض دنوں میں تو ایک دن میں دو دو مرتبہ جنگ ہوئی۔ ان سب میں ایسی جنگ ہوئی کہ جس کا ذکر بہت طویل ہوگا۔ [2]

غرضیکہ جب یہ حرام مہینہ آیا تو لوگ اس امید پر الگ الگ ہوگئے کہ شاید جنگ بند ہو جائے اور مصالحت ہو جائے اور لوگوں کی خون ریزی بند ہو جائے۔ [3]

چنانچہ لوگوں نے باہم مراسلت شروع کر دی [4] اس دوران کئی مرتبہ چھیڑ چھاڑ اور چڑھائی ہوئی۔ علما ان کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے تو لڑائی نہ ہوتی۔ اس طرح تین مہینے کے اندر پچاسی مرتبہ لوگوں سے چھیڑ چھاڑ ہوئی۔ [5]

---

[1] یہ روایت ابن دیزیل نے جابر جعفی عن ابی جعفر الباقر و یزید عن الحسن بن علی کے طریق سے بیان کی ہے۔ جابر جعفی کے سلسلے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور بقیہ لوگوں نے ضعیف کہا ہے۔ اس روایت کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔

[2] ابن جریر طبری نے ان تمام جنگوں کی کیفیت نقل کی ہے لیکن سب کی سب ابو مخنف شیعی کے طریق سے ہیں ان کے متعلق امام حافظ ذہبی کہتے ہیں "ابو مخنف اخباری تألف لا یوثق بہ" (کہ ابو مخنف خبر نقل کرنے والے بیکار اور ضائع آدمی ہیں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔) ابو حاتم وغیرہ نے متروک قرار دیا ہے۔ ابن عدی نے اس کے سلسلے میں کہا ہے کہ یہ کٹر شیعی اور خبروں والا آدمی ہے۔

دوسری طرف السری عن شعیب عن سیف جو طبری کے رواۃ میں سب سے معتمد مانے جاتے ہیں انہوں نے ان لڑائیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اسی لیے ہم اس تفصیل میں جانا پسند نہیں کرتے۔

[3] البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ج ۷ ص ۲۵۸۔ [4] ابن جریر نے مراسلات کی تفصیل نقل کی ہے مگر ہم اس وجہ سے اس کا ذکر نہیں کرتے کہ ان سب کا مدار صرف ابو مخنف شیعی پر ہے جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید ہے۔

[5] البدایہ والنھایہ لابن کثیر: ج ۷ ص ۲۶۰۔

راوی کہتا ہے کہ ابوالدرداء اور ابوامامہ رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا:

معاویہ! کیوں اس شخص سے قتال کرتے ہو؟ بخدا! وہ تو آپ سے اور آپ کے باپ سے بھی اسلام قبول کرنے کے لحاظ سے مقدم ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہے اور اس معاملہ کا وہ آپ سے زیادہ حق رکھتا ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کی بنا پر جنگ کر رہا ہوں اور اس لیے بھی کہ انہوں نے قاتلین کو پناہ دی ہے۔ جا کر ان سے کہو کہ اگر وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص دلوا دیں تو میں اہل شام میں سب سے پہلے بیعت کروں گا۔

وہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور پوری بات کہہ سنائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یہ جنہیں تم دیکھ رہے ہو یہی وہ لوگ ہیں۔

ایک کثیر تعداد میں لوگ نکلے اور ان تھوں نے کہا:

ہم سب عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں جو چاہے ہمارے سامنے آئے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور ابوامامہ رضی اللہ عنہ دونوں وہاں سے واپس چلے گئے اور پھر کبھی کسی لڑائی میں شریک نہ ہوئے۔

ان دونوں بزرگ صحابیوں کا نقطۂ نظر یقیناً درست تھا۔ انہیں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق پر ہونے پر شک نہ تھا لیکن ہزاروں کی تعداد میں ان لوگوں کا وجود جو عثمان کے قاتل ہونے کے دعوے پر مصر تھے۔ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک جانب سے بھی جنگ میں شرکت سے مانع تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وفد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جس طرح معاویہ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تھا۔ علما نے اصلاح کی ایک آخری کوشش

شروع کی۔

یہ روایت کئی طرق سے بیان کی گئی ہے کہ ابو مسلم خولانی لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا:

آپ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرتے ہیں؟ کیا آپ ان کے مثل ہیں؟

انہوں نے جواب دیا۔ بخدا میں بخوبی جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور امارت کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں لیکن کیا تم یہ نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کر دیئے گئے؟ اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں؟ میں ان کے خون کا بدلہ طلب کر رہا ہوں۔ یہ معاملہ میرا ہے۔

جاؤ ان سے کہو کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو میرے حوالہ کر دیں اور میں ان کو ان کا حق (امارت) سپرد کئے دیتا ہوں۔

وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اس سلسلے میں بات چیت کی لیکن انہوں نے کسی ایک آدمی کو بھی ان کے سپرد نہ کیا۔ اس لیے اہل شام نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ قتال کا عزم مصمم کر لیا۔ [1]

دونوں گروہ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر سے مطمئن نہ ہوئے اگر دنیاوی سلسلے میں یہ اختلاف ہوتا یا دنیا کا لالچ ہوتا تو دونوں اپنے اپنے اثر و رسوخ کے اعتبار سے دولت اسلامیہ کا اقتدار تقسیم کر لیتے اور اپنی راہ پر لگ جاتے۔

مگر یہاں معاملہ نہ تو حکومت کا تھا نہ ہی تسلط کی خواہش تھی اور نہ غنیمت یا آمدنی کے اندر اختلاف کا قضیہ تھا بلکہ معاملہ اس سے زیادہ وسیع تھا۔ یہ ایک عقیدے کا معاملہ تھا جس کی سیادت ضروری ہے اور عقیدۂ اسلام کی سیادت کا پہلا شعار یہ ہے کہ بیک وقت دو خلیفہ نہ ہوں۔ اسلام کی اجتماعی منطق نے تفریق و انفصال کا پورے طور پر

---

[1] طبری: ج ۴ ص ۶۔ یہ ابو مخنف کی روایت ہے جو اس نے عبد الرحمٰن بن جندب ازدی سے بیان کی ہے ہم نے ان دونوں روایتوں کو مسلمانوں کے اسلامی طریقۂ جنگ پر منطبق ہونے کی وجہ سے قبول کر لیا ہے۔

استیصال کر دیا ہے۔

اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنگ کے متعلق پہلا بیان یہ تھا:

لوگو! سن لو، امیر المومنین تم سے یہ کہتے ہیں کہ میں نے تم سے ہمیشہ یہ چاہا ہے کہ تم حق بات کی طرف مراجعت کر لو اور میں نے تمہارے سامنے اس کے متعلق کتاب اللہ سے دلیلیں بھی پیش کیں مگر تم باز نہیں آئے تم نے حق بات قبول نہیں کی۔ میں نے یہ بات تمہاری طرف برابر ڈال دی۔ سن لو! اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

رہیں اسلامی جنگی تعلیمات، تو وہ یہ ہیں:

کسی قوم سے اس وقت تک قتال نہ کرو جب وہ تم سے قتال شروع نہ کر دیں۔ اس لیے کہ تم بحمد اللہ حجت پر ہو گے اور تمہارا ان سے بغیر ان کی ابتدا کے قتال نہ کرنا تمہارے حق میں ایک دوسری دلیل بن جائے گا اب جب تم ان سے قتال کرو اور انہیں شکست دو تو پیٹھ دکھا کر بھاگنے والوں کو قتل نہ کرو۔ کسی زخمی کو جان سے نہ مارو۔ کسی کی پردہ دری نہ کرو اور کسی مقتول کا مثلہ نہ کرو۔ کسی گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو۔ ان کے کسی مال کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ ہاں مگر جو تمہیں ان کے لشکر میں مل جائے۔ کسی عورت کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اگر چہ وہ دشنام طرازی کرے اور تمہارے امرا و صلحا کو گالی گلوچ دے۔ اس لیے کہ وہ ضعیف القویٰ اور ضعیف القلب ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ موقف کب تھا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ موقف صلح کے سلسلے میں آٹھ ماہ تک مسلسل کوشش کرنے کے بعد تھا۔ جس کا کوئی فائدہ نہ مل سکا۔ جنگ کوئی دفاعی یا تعصب یا جذبات کی رو میں یا ناعاقبت اندیشی کے طور پر نہیں ہوئی بلکہ بصیرت و یقین و اصرار پر اس وقت ہوئی جبکہ جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا یا پھر مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جاتا۔

ہم جنگ کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے۔ [1] ہمارا مقصد صرف اس کے اسباب و

---

[1] اس لیے کہ اس کی ساری تفصیل ابو مخنف سے مروی ہے جس کے سلسلے میں ہمیں علماء رجال کی رائے معلوم ہے۔

مقاصد بیان کرنا ہے۔لیکن اس کے مراحل پر ایک اچٹتی (سرسری) نگاہ ڈالتے چلیں۔

① پورے ماہ ذی الحجہ میں دونوں لشکروں کی مختلف ٹولیوں کے مابین جزئی لڑائیاں ہوتی رہیں۔

یہ جنگیں پانی کے سلسلے میں اختلاف کی وجہ سے ہوئی تھیں۔ پانی کے سلسلے میں جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں ان میں سب سے صحیح روایت ابوالصلت حضرمی کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

ہماری فرودگاہ (قیام گاہ) اہل عراق اور پانی کے درمیان تھی۔ایک شہسوار ہمارے پاس آیا پھر کہا۔ہم نے دیکھا تو وہ اشعث بن قیس تھا۔اس نے کہا:

''اللہ سے ڈرو! معاویہ! امت محمدیہ کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو۔''

فرض کرلو کہ تم اہل عراق کو قتل کرڈالو تو پھر غمزدہ لوگوں اور بال بچوں کا کون ذمہ دار ہوگا یا یہی مان لو کہ ہم نے تم کو قتل کرڈالا تو بھی یہی سوال پیدا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ﴾

[۴۹/الحجرات:۹]

''اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے۔تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

معاویہ نے کہا: کیا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا: پانی کھول دو۔

معاویہ نے ابوالاعور سے کہا: ہمارے بھائیوں کو پانی کا راستہ دے دو۔ [1]

② دوبارہ جنگ بندی اور مراسلت کا سلسلہ نئے سال کے ماہ محرم میں شروع ہوا۔

[1] سیر اعلام النبلاء للذھبی: ج ۲ ص ۱۲۷ اس روایت کی سند میں ابو مغیرہ خولانی اور صفوان بن عمرو ہیں جو ثقہ ہیں۔

③ یکم صفر ۳۷ھ بدھ کو جنگ کا شعلہ پھر بھڑکا اور اپنی خوفناکی کے ساتھ یہ سلسلہ منگل تک جاری رہا مگر معاملہ برابر سرابر رہا۔ دونوں فریقوں میں سے کوئی غالب نہ ہوا۔

④ ۸ صفر بدھ کا دن سخت خوفناک تھا۔ دونوں فریقوں کی مکمل تیاری کے بعد بھرپور مقابلہ ہوا اور عراق والوں کو شام والوں پر فتح حاصل ہوگئی۔

⑤ جنگ پوری شدت کے ساتھ جاری رہی کیونکہ شام والوں نے الٹ کر پھر حملہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے میمنہ کو توڑ کر رکھ دیا یہاں تک کہ امیر المومنین کے ساتھ قبیلۂ ربیعہ کے علاوہ صرف تین سو آدمی باقی رہ گئے تھے۔ البتہ قبیلۂ ربیعہ اب بھی ڈٹا ہوا تھا۔ جنگ کے اسی مرحلہ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔

⑥ جمعہ تک جنگ اپنی پوری شدت کے ساتھ جاری رہی کیونکہ امیر المومنین کا لشکر تازہ دم ہو کر جان کی بازی لگا چکا تھا اور اسے فتح بالکل قریب نظر آنے لگی تھی۔

⑦ دونوں فریقوں میں سے کسی کے لیے بھی راہ فرار اختیار کرنا ممکن نہ تھا، کیونکہ ہر فریق کو اپنے حق پر ہونے کا پورا پورا بھروسا تھا اور قتال کے جاری رکھنے کا مطلب تمام مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔ یہیں علما کو مصحف اٹھانے اور کتاب اللہ کو ثالث بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ [1]

ثالث بنانے کا واقعہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب بن ابی ثابت سے بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں:

کہ میں ابو وائل سے ان لوگوں سے متعلق پوچھنے ان کی مسجد میں گیا جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان میں قتل کر ڈالا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کس بات کو تسلیم کرتے اور کس بات سے اختلاف کر رہے تھے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کو

---

[1] یہ خلاصہ نہایت دقت نظری سے البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ج ۷ ص ۲۶۰، ص ۲۷۵ اور طبری: ج ۴ ص ۶، ص ۳۴ سے لیا گیا ہے۔

کیسے جائز قرار دے لیا؟ تو انہوں نے جواب دیا:

ہم صفین میں تھے۔ جب شام والے بری طرح قتل ہونے لگے تو انہوں نے ایک ٹیلے پر پناہ حاصل کی۔ اس وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو مصحف دے کر بھیجو اور کتاب اللہ کی طرف دعوت دو۔ وہ آپ کی بات کا انکار نہیں کریں گے۔ ایک آدمی نے ان کے پاس آ کر کہا۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کتاب اللہ فیصلہ کرے گی:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْباً مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○﴾

[۳/آل عمران:۲۳]

"بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب خدا یعنی تورات سے حصہ دیا گیا اور وہ اس کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تا کہ وہ ان تنازعات کا ان میں فیصلہ کر دے تو ایک فریق ان میں سے کج ادائی کے ساتھ منہ پھیر لیتا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرے گی۔ [1]

البتہ وہ روایت جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مصحف کی طرف

---

[1] امام احمدؒ نے یہ حدیث یعلیٰ بن عبید عن عبدالعزیز بن سیاہ عن حبیب بن ابی ثابت کے سلسلے سے ذکر کی ہے۔ ان کے متعلق تقریب التہذیب میں مندرجہ ذیل بات کہی گئی ہے:

یعلیٰ بن عبید: ثقہ ہیں البتہ ثوری سے جو حدیث بیان کرتے ہیں اس میں ضعف ہے۔ عبدالعزیز بن سیاہ صادق ہیں مگر شیعہ ہیں۔ حبیب بن ابی ثابت: ثقہ بزرگ فقیہ ہیں۔ اکثر ارسال اور تدلیس سے کام لیتے ہیں جب ہم کسی تاریخی روایت کے سلسلے میں اس قسم کی بات پر پہنچتے ہیں تو گویا ہم کو ایک بڑا خزانہ مل جاتا ہے کیونکہ تاریخ کے رواۃ دوسرے ہوتے ہیں اور حدیث کے رواۃ دیگر ہوتے ہیں کاش! ہماری سب روایتیں اسی معیار کی ہوتیں۔

دعوت دینا دھوکہ بازی تھی جس سے مسلمانوں کو دھوکا دینا مقصود تھا اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس سے خبردار کیا تھا تو وہ روایت بالکل جھوٹی ہے۔ [1]

[1] مذکورہ روایت بروایت ابو مخنف بروایت ابو جناب کلبی بروایت عمارہ بن ربیعہ جرمی آئی ہے ان کے متعلق علامہ ذہبی نے ضعفاء میں فرمایا ہے:

ابو مخنف لوط بن یحییٰ: معیار سے ساقط اور ضعیف ہیں ابو حاتم نے متروک قرار دیا ہے اور امام دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔

ابو جناب کلبی: ابو زرعہ نے کہا صادق ہیں مگر مدلس۔ امام نسائی ضعیف کہتے ہیں۔ یحییٰ بن سعید قطان کہتے ہیں کہ میں ان سے روایت بیان کرنا جائز ہی نہیں سمجھتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جنگ کے متعلق بیان

اگر ہمیں کوئی امین راوی ایسا نہ مل سکے جو جنگ کی تفصیلات اور اس کے رجحانات بیان کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لیے امین ہیں آپ ہم سے بیان کرتے ہیں اور آپ کا بیان تمام مخلوق کی روایت سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

حدیث نبوی میں جنگ کا تین پہلوؤں سے ذکر ہے۔

اوّل: ''جنگ کا ذکر اور اس کا وقت''

بخاری اور مسلم رحمہما اللہ علیہ کی روایت کے مطابق جو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے قیام سے پہلے دو عظیم گروہ باہم جنگ کریں گے ان دونوں کے درمیان بڑی زبردست خون ریزی ہوگی ان دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔ [1]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تعیین اس بڑی تعداد سے کی ہے جس کو مورخین نے عراقی اور شامی فوجوں کو ملا کر دو لاکھ سے زائد تک پہنچا دیا ہے۔

البتہ قتال عظیم تو یہ یقیناً ایک خوفناک قسم کی چیز تھی۔

امام بیہقی نے صفوان بن عمرو کا قول نقل کیا ہے:

''شام والے ساٹھ ہزار تھے جن میں سے بیس ہزار قتل کر دیے گئے اور اہل عراق ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں تھے جن میں سے چالیس ہزار قتل کیے گئے۔''

ایک دعوت کی حامل دو عظیم جماعتوں کے مابین اس سے بڑا قتل کون سا ہو سکتا ہے؟

اس سلسلے میں ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کافی ہے آپ نے دونوں کے

[1] بیہقی میں اس حدیث کے رواۃ یہ ہیں یعقوب بن سفیان، ثقہ حافظ ہیں ابوالیمان الحکم بن نافع، ثقہ ثبت ہیں۔ صفوان بن عمرو ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب لابن حجر العسقلانی)
میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث صحت کا اعلیٰ درجہ رکھتی ہے کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ حدیث متفقہ طور پر روایت کی ہے۔

متعلق فرمایا تھا کہ ''ان دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔''

یقیناً یہ لوگ ایک عقیدہ رکھتے تھے، ان کا دین ایک تھا اور ان کا دعویٰ بھی ایک تھا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو حدیث سابق ہی پر محمول کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ [1]

پھر اس جنگ میں خواہش کو داخل کرنے کی یا فریقین میں سے کسی کو باطل پر کہنا یا اقتدار اور حکومت کی خواہش کا الزام لگانے کی کوشش ایک باطل تہمت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔''

دوم: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فریق برحق کی تعیین۔''

اور یہ اس روایت کے ذریعے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیام قیامت سے قبل دو عظیم گروہ باہم جنگ کریں گے ان کا دعویٰ ایک ہوگا۔ ان دونوں کے درمیان سے ایک جماعت خارج ہوگی۔ اس کو دونوں میں سے حق سے قریب تر جماعت قتل کرے گی۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

دوسری روایت جس کی سند اس طرح ہے: عن الثوری عن ابن جدعان عن ابی نضرۃ عن ابی سعید: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیام قیامت سے قبل دو عظیم جماعتیں باہم قتال کریں گے۔ ان کی دعوت ایک ہو گی۔ اسی اثناء میں ایک جماعت ان میں سے نکلے گی۔ ان دونوں جماعتوں میں جو جماعت سب سے زیادہ برحق ہوگی وہ اس کو قتل کرے گی۔ [2]

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ج ۷ ص ۲۷۵۔

[2] اس حدیث کے رواۃ کے متعلق حافظ ابن حجر کا بیان تقریب التہذیب میں اس طرح ہے۔ سفیان ثوری: ثقہ حافظ، فقیہ، عابد، امام حجۃ ہیں کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں۔

علی بن زید بن جدعان: ضعیف ہیں۔ ابونضرہ: منذر بن مالک بن قطعہ، ثقہ ہیں۔

اور مسند طیالسی میں امام ابوداؤد طیالسی نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے:

"میری امت کی دو جماعتوں میں ایک جماعت ایسی ہوگی جو بے دین ہو جائے گی اور اس کو دونوں جماعتوں میں سے حق سے قریب تر جماعت قتل کرے گی۔"

البتہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس طرح ہے:

"میری امت میں دو فرقے ہوں گے ان دونوں جماعتوں میں ایک جماعت بے دین ہو جائے گی جس کو دونوں گروہوں میں سے حق سے قریب تر گروہ قتل کرے گا۔"

دونوں گروہ برسر حق جنگ کر رہے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ حق تک پہنچے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں پہنچ سکے البتہ دونوں کا مقصد اور مطمح نظر حق ہی تھا۔

اور شاید بے دین جماعت اکثر قاتلین عثمان پر مشتمل رہی ہوگی اس لیے اللہ کی مشیت یہ ہوئی کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں مقتول ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے حضرت علی کی حکومت ان پر نہیں تھی۔ بلکہ اس کے برعکس انہی کی حکومت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری شہادت اس سلسلے میں وہ ہے جو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث صحیحہ میں ملتی ہے۔ جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ "اے عمار! تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔" [1]

یہ حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شامی ساتھیوں کے سلسلے میں بہت زیادہ واضح اور صریح ہے کہ انہوں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کے سلسلے میں دونوں فوجوں میں بہت زیادہ ہنگامہ اور شور ہوا تھا۔ لیکن یہاں دو باتوں کا پیش کر دینا ضروری ہے۔

پہلی بات: جنگ کے دوران عمار رضی اللہ عنہ کی نفسیات۔

---

[1] اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور طیالسی نے بھی مختلف روایتوں میں ذکر کیا ہے۔

دوسری بات: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد معاویہ کے لشکر میں مسلمانوں کا احساس۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال کرنے کو آپ اپنی رائے سمجھتے ہیں تو رائے تو صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی؟''

یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ حضرات سے کوئی وعدہ لیا تھا؟

انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے تنہا کوئی وعدہ نہیں لیا۔

اس حدیث کو مسلم نے شعبہ سے بیان کیا ہے اور اس کا تتمہ بروایت عمار عن حذیفہ منافقین سے متعلق ہے۔

یہاں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بہت تاکیدی طور پر ذکر کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کسی بھی ایسے وعدے کے پابند نہیں ہیں کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں بلکہ انہوں نے از خود اجتہادی طور پر یہ سمجھا تھا کہ حق علی کے ساتھ ہے اور ان کو اپنے اس موقف پر اتنا زیادہ اعتماد تھا کہ وہ کہتے ہیں:

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس علَم کے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین مرتبہ جنگ کی تھی اور یہ چوتھی بار شریک جنگ ہوا ہوں۔ بخدا! اگر ہمیں مارتے کاٹتے مقام ہجر کے باغات تک پہنچ جائیں تب بھی مجھے یہی یقین رہے گا کہ ہمارے مصلحین برحق ہیں اور وہ لوگ گمراہی پر ہیں۔'' [1]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی بات ان اولین مسلمانوں پر پوشیدہ نہیں تھی جو رسالت کے ابتدائی دور اور اس کے ابتدائی واقعات کے شاہد تھے بلکہ متاخرین بھی اسے جانتے

[1] یہ روایت امام احمد اور طبرانی کی ہے۔ امام ہیثمی کہتے ہیں کہ امام احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ یہ روایت امام حاکم نے مستدرک میں نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت شیخین کے شرائط کی مطابق ہے لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

تھے لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے بعد بہت تھوڑی مدت تک اس دعوت کے ساتھ زندگی گزاری تھی اور فی سبیل اللہ جہاد کے لیے چلے گئے تھے پھر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ موجود نہ رہے ہوں اور اس حدیث کو جنگ سے پہلے کہیں سنا نہ ہو۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قتل پر شام کی اسلامی فوج کا رد عمل؟

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث معلوم تھی۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ کون ان کو قتل کرے گا۔ اس لیے کہ وہ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے لیکن پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے لشکر سے کوئی آدمی جھپٹ کر انہیں قتل کر سکتا تھا جیسا کہ زبیر بن العوام کا واقعہ پیش آیا۔ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے کسی آدمی نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ اہل جمل میں سے ہی ایک آدمی نے قتل کیا تھا۔

تو جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو ان کا گمان یقین سے بدل گیا کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکروں میں تھے اور شاید مصحف اٹھانے کی تجویز اور صلح کی خواہش اسی موقف کے تحت ان کے دل میں پیدا ہوئی تا کہ اس غلطی کا کفارہ ہو جائے۔

ہمارے سامنے ابن جریر کی ایک روایت ہے جو ابو مخنف تالف کے ہاتھوں سے محفوظ ہے۔ یہ روایت نہ تو اسے پہنچی اور نہ ہی اس روایت میں وہ شریک ہے۔ وہ ہمارے سامنے شامی لشکر میں حضرت عمار کے قتل کے اثر کے سلسلے کی ایک زندہ تصویر پیش کرتی ہے جس کا مکمل طور پر تذکرہ ہم عنقریب کریں گے۔ وہ روایت ابن جریر نے کچھ اس طرح نقل کی ہے۔

عن الاعمش عن ابی عبدالرحمٰن السلمی [1] وہ کہتے ہیں:

"ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں تھے ہم نے ان کا گھوڑا دو آدمیوں کے سپرد کر دیا تھا جو اس کی حفاظت کر رہے تھے اور انہیں سوار ہونے سے روک رہے تھے۔ جب وہ دونوں غافل ہو جاتے تو وہ سوار ہو کر

[1] اس خبر کے راوی مندرجہ ذیل ہیں۔ احمد بن محمد: صدوق ہیں مگر ان کے اندر غفلت ہے۔ ولید بن صالح نحاس: ثقہ ہیں۔ عطاء بن مسلم: اکثر غلطی کرتے ہیں۔ اعمش، ثقہ، حافظ، متقن لیکن مدلس ہیں۔ ابو عبدالرحمن السلمی: ثقہ ثابت ہیں تو معلوم ہوا کہ رواۃ ثقہ ہیں لیکن بعض نقل میں غلطی کرتے ہیں۔

نکل جاتے اور بغیر اپنی تلوار خون آلود کئے واپس نہ آتے تھے۔ ایک دن وہ سوار ہو کر نکلے اور اس وقت واپس ہوئے جب ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے آ کر تلوار پھینک دی اور یہ کہا کہ اگر یہ کند نہ ہو گئی ہوتی تو میں واپس نہ آتا۔''

اعمش کہتے ہیں کہ: واللہ یہ تلوار زنی ایسی ہی تھی اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔

ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ: لوگوں نے ایک چیز سن کر اپنی زبان سے ادا کی ہے وہ لوگ جھوٹے ہرگز نہیں ہو سکتے۔

وہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جس وادی میں بھی وہ جاتے ہیں وہاں کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ [1] میں نے دیکھا کہ وہ مرقال: ہاشم بن عتبہ ''جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علمبردار تھے۔'' آئے اور کہا:

ہاشم! یہ کیسی کمزوری اور بزدلی ہے؟ اس ضعیف میں کوئی اچھائی نہیں جو جنگ سے ڈرتا ہو۔

اچانک ایک آدمی دونوں صفوں کے درمیان نمودار ہوا اور کہا: بخدا یہ اپنے امام کی خلاف ورزی کرے گا۔ اپنے لشکر کو چھوڑ دے گا اور اپنی کوشش روک لے گا۔

ہاشم! سوار ہو جاؤ۔ ان کے کہنے پر ہاشم سوار ہو گئے۔

اور یہ کہتے ہوئے چل پڑے:

اعور يبغي اهله محلا   قد عالج الحياة حتى ملا

لا بد ان يفل ايفلا

''بزدل جس کے متعلقین جگہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ زندگی کے لیے کوشش کرتے کرتے تھک گیا۔ اب ضروری ہے کہ یا تو وہ خود ختم ہو جائے یا ختم کر دیا جائے۔''

عمار کہتے تھے: ہاشم! آگے بڑھو۔ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے اور موت شمشیر کی دھار میں ہے۔ آسمان کے دروازے کھل چکے ہیں۔ حور عین نے آرائش کر لی ہے آج میں

---

[1] اس لیے کہ ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث معلوم تھی کہ جب لوگ اختلاف کریں گے تو ابن سمیہ حق پر

احباب میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے انتقام کروں گا۔

چنانچہ وہ دونوں واپس نہیں ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔

ابو عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ اس گفتگو سے آپ کو یہ بات معلوم ہو جانی چاہیے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جو لوگ وہاں تھے۔ وہ دونوں مشہور تھے۔

جب رات ہوئی تو میں نے کہا میں ان کے بارے میں معلوم کروں کہ کیا ان کو بھی عمار کے قتل پر ایسا ہی غم ہوا ہے جیسے ہمیں ہوا ہے...... یاد رہے کہ جب ہم جنگ کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو کر آتے تھے تو کبھی وہ ہم سے گفتگو کرنے کے لیے چلے آتے اور کبھی کبھی ہم ان سے گفتگو کرنے کے لیے چلے جاتے...... اپنے گھوڑے پر سوار ہوا حالانکہ وہ آرام کے لیے اپنے پیر پھیلا چکا تھا۔ میں ان کے پاس داخل ہوا تو مجھے چار آدمی ساتھ ساتھ چلتے پھرتے نظر آئے۔ وہ معاویہ، ابوالاعور سلمی، عمرو بن العاص اور عبداللہ بن عمرو تھے اور یہ ان چاروں میں افضل تھے۔

میں نے اپنے گھوڑے کو ان کے درمیان اس لیے ڈال دیا کہ کہیں دونوں میں سے کسی کی بات فوت نہ ہو جائے۔

عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا: ابا جان! آپ نے آج اس شخص کو قتل کر دیا حالانکہ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا فرمایا تھا۔

انہوں نے پوچھا: کیا کہا تھا؟

انہوں نے جواب دیا: کیا آپ اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ [1] جب ہم مسجد کی تعمیر کر رہے تھے لوگ ایک ایک پتھر اور ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے لیکن عمار دو دو پتھر اور دو دو اینٹ اٹھا کر لاتے تھے۔ ان پر بیہوشی طاری ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس

[1] روایت میں ''تکن'' کا لفظ یہاں صحیح نہیں کیونکہ عمرو رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے ہیں۔ اس لیے وہ یقینی طور پر مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر میں موجود نہ تھے۔ اس لیے ابن کثیر نے ''الم تکن'' کی بجائے ''الم یکن'' لکھ کر تصحیح کی ہے تاکہ صحیح ہو جائے۔ اس سلسلے میں غلطی ان رواۃ میں سے عطاء بن مسلم سے سرزد ہوئی ہے جو اکثر غلطی کیا کرتے تھے۔

تشریف لائے اور ان کے چہرے سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمانے لگے:

''تمہارا بھلا ہو ابن سمیہ! لوگ ایک ایک پتھر ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے اور تم ثواب کی خاطر دو دو پتھر، دو دو اینٹ اٹھا کر لاتے ہو، خدا تمہارا بھلا کرے، اس کے باوجود باغی جماعت تمہیں قتل کر ڈالے گی۔''

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور معاویہ تھوڑا سا ان کی طرف جھک گئے۔ انہوں نے کہا:

معاویہ رضی اللہ عنہ! سنتے ہو۔ عبداللہ کیا کہتا ہے؟

پوچھا: وہ کیا کہتے ہیں؟ پھر عمرو نے پوری بات بتائی۔

معاویہ نے کہا: تم بے وقوف بڈھے ہو۔ تم برابر حدیث بیان کرتے جا رہے ہو اور خود اپنے میل میں لت پت ہو۔ کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ عمار کو اس نے قتل کیا ہے جو اس کو لے کر آیا تھا۔

لوگ اپنے خیموں سے نکلے میں ان سے چھپ گیا۔ وہ کہہ رہے تھے:

''عمار کو اس نے قتل کیا جو انہیں لے کر آیا تھا۔''

اس لیے مجھے معلوم نہیں کہ کس کا معاملہ تعجب انگیز ہے۔ ان کا یا ان لوگوں کا۔ [1]

---

[1] طبری: ج ۴ ص ۲۸، ص ۲۹، یہ روایت عبداللہ بن حارث سے آئی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں صفین سے واپسی کے موقعہ پر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے درمیان چل رہا تھا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ابا جان! کیا آپ نے وہ بات نہیں سنی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمائی تھی؟ ابن سمیہ! ''خدا تم پر رحم کرے تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔''

وہ کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد عمرو رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ سنتے ہیں یہ کیا کہتا ہے؟ معاویہ نے جواب دیا۔ آپ ہمیشہ ایک مصیبت ہمارے سر پر لاتے ہیں۔ کیا ہم نے انہیں قتل کیا ہے؟ انہیں ان لوگوں نے قتل کیا جو ان کو لے کر آئے تھے۔ یہ روایت امام احمد نے صحیح سند سے بیان کی ہے۔

امام احمد نے حنظلہ بن خویلد عنزی کی حدیث بھی نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں معاویہ کے پاس موجود تھا اتنے میں دو آدمی عمار کے سر کے سلسلے میں جھگڑتے ہوئے آئے ہر ایک یہ کہہ رہا تھا کہ عمار کو میں نے قتل کیا ہے۔

عبداللہ بن عمرو نے ان دونوں سے کہا کہ تم میں کوئی بھی اس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اعتماد کہ وہ حق پر ہیں۔ بحث و مباحثہ قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا ان کے نص کو سمجھنے اور اس طرح تاویل کرنے پر کوئی تعجب نہیں۔ اس لیے کہ معاویہ کے لیے یہ خیال کرنا ممکن نہیں تھا کہ عثمان کے قاتل حق پر ہیں۔

عمار کی تصویر ان کے ذہن میں کچھ بگڑی ہوئی تھی۔ بدنمائی جیسی بھی رہی ہو اس لیے کہ عمار نے اگرچہ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا تھا لیکن اس کے اکسانے والوں میں تھے۔ ان کے ذہن میں ذرہ برابر بھی اس بات کے سلسلے میں شک نہ تھا کہ فتنۂ باغیہ وہ ہے جس نے عثمان کو قتل کیا ہے اور یہ سب کے سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہیں۔

حتی کہ لوگوں کا ان کے ہم خیال ہونے میں بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ عثمان کی شہادت اور وہ مکروہ صورت جس میں ان کی شہادت واقع ہوئی اس بات کے لیے کافی تھی کہ بغاوت کی بات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی طرف پھیر دے۔ کیونکہ اس لشکر میں وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے خلیفہ سے بغاوت کی تھی بلکہ انہیں قتل بھی کیا تھا۔

مگر ہماری رائے یہ ہے کہ ان ساری نصوص کی تاویل جو اس موضوع کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں بعید ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اس جنگ کی صحت کے قائل ہو کر اپنی طبیعت سے آئے تھے۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں:

"بخدا! اگر وہ ہمیں مارتے کاٹتے ہجر کے نخلستان تک پہنچ جائیں پھر بھی مجھے یہ یقین رہے گا کہ ہمارے مصلحین [1] حق پر ہیں اور وہ لوگ ضلالت پر ہیں۔"

(بقیہ حاشیہ ❁) سلسلے میں راضی ہو جائے کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ (عمار! تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی) معاویہ نے کہا: پھر تمہارا حال ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے باپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میری شکایت کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا: (کہ جب تک دم میں دم رہے اپنے باپ کی اطاعت کرنا ان کی نافرمانی نہ کرنا) اس لیے میں تمہارے ساتھ ہوں مگر میں قتال نہیں کرتا۔

ابن ابی شیبہ نے اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اسی طرح روایت بیان کی ہے اور امام نسائی نے بھی خصائص علی میں حسن سند سے روایت کی ہے لیکن اس حدیث میں معاویہ کا قول اور عبداللہ کا سوال و جواب مذکور نہیں۔

[1] حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یہ عبارت نہایت غور و فکر کے بعد استعمال کی ہوگی "مجھے یقین رہے گا کہ ہمارے مصلحین حق پر ہیں" وہ اس بات کو بڑے تاکیدی انداز میں بیان کرتے ہیں کہ لشکر میں مصلحین حق پر ہیں نہ یہ کہ لشکر کے کل افراد۔ اس لیے کہ ان میں موقع پرست قاتلین عثمان بھی تھے اور اسی لشکر میں خوارج بھی موجود تھے۔

تو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ اس حق کے مستحق تھے وہ اپنی خلافت کی دشواریوں کو لوگوں سے زیادہ سمجھتے تھے اور اس طریقہ کو بھی خوب جانتے تھے جس میں بیعت مکمل ہوئی تھی، لیکن ہم ان لوگوں سے جنہوں نے معاویہ کے بارے میں اپنی زبان بے لگام چھوڑ رکھی ہے (اگر وہ متقی، سچے، اور صلاح پسند ہیں) وہی بات کہیں گے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہی تھی جب انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں گفتگو کی تھی اور ان کی معزولی کی درخواست کی تھی۔

(انہوں نے اجتہاد کیا لیکن اجتہاد میں غلطی کی، خالد کے سلسلے میں کوئی بات کہنے سے اپنی زبان کو روک لو۔ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کرسکتا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف بے نیام کردیا ہو)

اور اگر وہ خواہشات نفس کے بندے اور اہل ضلالت میں سے ہے تو اس کا محاسب اللہ رب العالمین ہے۔

اکثر صحابہ [1] اور تابعین نے عمار کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان

[1] ان صحابہ نے بھی اس قول کا مطلب سمجھا تھا جو اس فتنہ سے الگ تھلگ تھے جن کے سردار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اس بات پر شرمسار تھے کہ کیوں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ محمد بن ابراہیم تیمی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ حج کر کے آیا لوگ اس کے پاس سلام و ملاقات کے لیے آئے۔ سعد رضی اللہ عنہ بھی آئے۔ سلام کرنے کے بعد کہا: اس نے ہمارے حق پر ہونے اور غیروں کے باطل پر ہونے کے باوجود ہماری مدد نہ کی۔ وہ خاموش رہے۔ پھر کہا: گفتگو کیوں نہیں کرتے؟ فتنہ اور تاریکی پھیل گئی۔ میں نے اپنے اونٹ کو اخ اخ کہا اور اسے بٹھایا یہاں تک کہ وہ فتنہ اور تاریکی ختم ہوگئی۔ ایک آدمی نے کہا میں نے اللہ کی کتاب شروع سے لے کر آخر تک پڑھ ڈالی لیکن اس میں اخ اخ کا لفظ نہیں دیکھا تو انہوں نے کہا: اے سعد! میں نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا تھا: (علی حق کے ساتھ ہوں گے یا یہ کہ حق علی کے ساتھ ہوگا) انہوں نے پوچھا۔ کس نے یہ سنا ہے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ام سلمہ کے گھر فرمائی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات میرے ہی گھر میں فرمائی تھی اس آدمی نے سعد سے کہا (آپ میرے نزدیک اس وقت سے زیادہ ملامت زدہ کبھی نہ تھے۔ پوچھا! کیوں؟ کہا اگر میں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی تو مرتے دم تک علی کا خادم بن کر رہتا) یہ روایت بزار کی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(وَ تَقْتُلُکَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ) [1] سے یہ سمجھا تھا کہ اس سے مراد معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے اجتہاد کے ہاتھ معذور تھے کیونکہ ان سب کا قصد و ارادہ حق کا تھا مگر وہ حق پا نہیں سکے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت حق پر تھی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا۔

یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا اجتہاد معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی طرح نہ تھا۔ [2] انہیں امید تھی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر

(بقیہ حاشیہ) ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس سند میں سعد بن شبیب ایک راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا بقیہ رواۃ صحیح کے ہیں (ایک دوسری روایت میں آیا کہ جس شخص نے یہ بات کہی تھی وہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے) جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ان کا قول بیان کیا گیا ہے (مجھے سوائے اس غم کے اور کوئی غم نہیں کہ میں نے فئۃ باغیہ سے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ کر قتال نہیں کیا) طبرانی نے اسے مختلف سندوں سے نقل کیا ہے۔ امام ہیثمی اس کے متعلق کہتے ہیں کہ ان سندوں میں سے ایک سند کے رجال صحیح کے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کو مولف نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں نقل کیا ہے وہ ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اس کے راویوں میں سے ایک کا نام سعد بن شبیب ہے جو مجہول ہے اس لیے اس سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ (ناشر)

[1] حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ "تَقْتُلُ عَمَّارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" والی حدیث کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں سے قتادہ بن نعمان اور ام سلمہ کی حدیث مسلم میں، ابوہریرہ کی ترمذی میں، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عثمان بن عفان، حذیفہ، ابوایوب، ابورافع، خزیمہ بن ثابت، معاویہ، عمرو بن العاص، ابوالیسر اور خود عمار کی احادیث طبرانی وغیرہ میں منقول ہیں اور اس کے اکثر طرق صحیح یا حسن ہیں اس کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کی روایتیں بھی ہیں جن کا شمار بہت طویل ہوگا۔ اس حدیث سے نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی معلوم ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کی کھلی فضیلت کا پتا چلتا ہے اور ان ناصبی لوگوں کے گمان کی تردید بھی ہوتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جنگ میں صحیح راہ پر نہیں تھے۔

[2] محمد بن عمرو بن حزم روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو عمرو بن حزم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا عمار رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا ((تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ)) عمرو بن العاص إنا لله و انا اليه راجعون پڑھتے ہوئے معاویہ کے پاس آئے معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ہے؟ کہا! عمار رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ عمار رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے تو کیا ہوا؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں اپنی وفات یا کم از کم قتل سے قبل آ کر مل جائیں گے اور جب عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو جنگ ختم کرنے کے لیے مصحف اٹھانے کی تجویز کو لے کر کوشش کرنے لگے تا کہ مسلمانوں کی خون ریزی بند ہو جائے۔

(بقیہ حاشیہ ۞) عمرو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ ان کو باغی جماعت قتل کرے گی۔
معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اپنے ہی میل میں ملوث ہو رہے ہو۔ کیا ہم نے انہیں قتل کیا ہے؟ انہیں علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے وہ انہیں ساتھ لے کر آئے اور ہمارے نیزوں کے اوپر ڈال دیا (بین رماحنا فرمایا یا بین سیوفنا فرمایا)

یہ روایت امام احمد کی ہے اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ شیخین کی شرائط کے مطابق ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی امام ذہبی نے اپنی تلخیص میں ان کی موافقت کی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ عمار کے قتل کے بعد عمرو کا اپنے حق پر اعتماد اس اعتماد سے کمزور تھا جو انہیں قتل سے پہلے تھا۔ اگرچہ انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر اعتراض نہیں کیا۔ اللہ ان سے راضی ہو اور ان کے اجتہاد پر اجر دے خواہ وہ درست نہ ہو۔

حکم مقرر کرنے کا واقعہ

فیصل بنانے کی متعدد روایتیں ہیں۔ ہمارے سامنے ایک ایسی بھی روایت نہیں جس کے رواۃ کے ثقہ ہونے کی وجہ سے ہم اس پر اعتماد کر سکیں۔ ابو مخنف کی روایت ہم نے ایک طرف رکھ دی ہے کیونکہ وہ روایتیں اختلاف اور تحکیم کی کچھ ایسی صورتوں کی حامل ہیں جو بہت قبیح ہیں اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ یہی صورتیں لوگوں کے ذہن میں بیٹھی ہوئی ہیں۔

① عوام میں یہ مشہور ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے وفائی کی تھی۔ اس بات پر اتفاق کے بعد کہ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو معزول کر دیا جائے۔ ان سے گفتگو کی پیشکش کی۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر دیا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور علی کو معزول کر دیا مگر معاویہ کو برقرار رکھا۔

② انہی معروف باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دعائے قنوت پڑھی تھی جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل شام پر لعنت کی تھی۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، اشتر اور حسن و حسین پر دعائے قنوت میں لعنت بھیجی۔

پہلی خبر رواۃ کی لغزش اور ضعف کی وجہ سے درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ [1]

یہی حال دوسری روایت کا بھی ہے۔ [2]

---

[1]، [2] طبری کے بیان کے مطابق اس خبر کے راوی یہ ہیں (قال ابو مخنف حدثنی ابو جناب الکلبی ان عمروا اباموسیٰ۔ ابو مخنف علماء رجال میں سے کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے اور ابو جناب کلبی کے سلسلے میں ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے (کہ ان کی کثرت تدلیس کی وجہ سے لوگوں نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے) یہاں ان کی تدلیس اس طرح ظاہر ہے کہ انہوں نے اس شخص کا مطلقاً تذکرہ ہی نہیں کیا۔ جس سے وہ روایت کرتے ہیں اس لیے اس روایت میں ایک راوی ساقط ہے اور یہ بات جو روایتوں میں ذکر کی گئی ہے کہ شام والوں نے دونوں حکم کے خطبہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سلام کیا۔ یہ روایت بھی صحیح نہیں۔ اسی طرح اسلامی تاریخ کو درجۂ اعتبار سے ساقط کر دیتے ہیں۔

③ ایک بات یہ بھی مشہور ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو کتے سے تشبیہ دی اور عمرو رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو گدھے سے تشبیہ دی۔ اسی طرح ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کا نام فاسق رکھا۔ [1]

صحت سے قریب تر روایت وہ ہے جو خود بولے نہ کہ ہم اس میں دخل اندازی کریں۔ طبری نے اپنی تاریخ میں یہ سند بیان کی ہے:

حَدَّثَنِیْ عَبْدُاللهِ بْنِ اَحْمَدَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ قَالَ حَدَّثَنِیْ سُلَیْمَانُ بْنُ یُوْنُسَ بْنِ یَزِیْدَ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ. [2]

صعصعہ بن صوحان نے صفین کے دن کہا جس وقت انہوں نے لوگوں کو مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا:

سنو! اور عقل میں یہ بات رکھ لو۔ بخدا تم جانتے ہو کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کامیاب

---

[1] ایضاً۔ [2] ابن جریر طبری نے یہ سند مذکورہ طریق پر ذکر کی ہے، پھر دوبارہ انہوں نے اس کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔ ذلک ما حدثنا عبداللہ عن یونس عن الزهری.

ان دونوں سندوں کی طرف یکساں اشارہ ہونے کے باوجود ہم اس کے تباین پر غور کریں تو دونوں سندوں میں سے کوئی ایک سند ضرور غلط معلوم ہوگی۔ راجح بات یہ ہے کہ سند کی حیثیت سے پہلی روایت میں غلطی ہے جیسا کہ ذیل کی بات سے معلوم ہوگا۔

(۱) پہلی سند میں عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور دوسری میں عبداللہ یونس سے روایت کرتے ہیں تو اسی طرح احمد دوسری روایت میں نہیں ہے۔

(۲) پہلی روایت میں کہا: حدثنا سلیمان بن یونس بن یزید عن الزهری اور سلیمان نے زہری سے روایت نہیں کیا ہے بلکہ زہری سے روایت کرنے والے ان کے باپ یونس بن یزید ہیں۔

دونوں سندیں اس وقت صحیح ہو سکتی ہیں جب اس شکل میں ہوں۔ حدثنی عبداللہ بن احمد قال: حدثنی سلیمان بن یونس قال حدثنی ابی یونس بن یزید عن الزهری.

اس طرح سلیمان کے بعد ابی کے کلمہ کے مؤخر کرنے کی وجہ سے اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے رکھنے پر ختم نہیں ہوتا اور اس سند کے رجال ابن حجر کے کہنے کے مطابق اس طرح ہیں۔ عبداللہ بن احمد: صدوق ہیں، قرأت میں متقدم ہیں۔ سلیمان بن یونس: ضعیف ہیں یونس بن یزید: ثقہ ہیں لیکن زہری سے روایت کرنے میں تھوڑا سا وہم ہے۔ زہری: فقیہ حافظ ہیں ان کی جلالت اور اتقان پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔

ہوئے تو وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرح ہوں گے لیکن اگر معاویہ کو غلبہ نصیب ہوا تو کسی کو حق بات کہنے کا موقعہ نہ دیں گے۔

زہری کہتے ہیں کہ صبح کو شام والوں نے اپنے مصاحف پھیلا دیئے اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ اہل عراق پر ہیبت طاری ہوگئی اس وقت انہوں نے دو حکم بنانے کا فیصلہ کیا۔ اہل عراق نے ابوموسیٰ اشعری کو منتخب کیا اور شام والوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو پسند کیا۔

جب دونوں حکم بنا دیئے گئے تو اہل صفین متفرق ہوگئے۔ ان دونوں نے یہ شرط رکھی کہ جس کو قرآن بلند کرے بلند رکھا جائے اور جسے قرآن پست رکھے اسے پست رکھا جائے اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی کو اختیار کریں وہ دونوں دومۃ الجندل پر اکٹھے ہوں اگر وہاں نہ جمع ہوسکیں تو آئندہ سال ''اذرح'' میں اکٹھے ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس لوٹے تو حروریہ فرقہ نے اختلاف کیا اور بغاوت کر دی یہ ان کی پہلی مخالفت تھی۔ ان سے جنگ کا اعلان کر دیا اور اس بات کو رد کر دیا کہ اللہ عزوجل کے حکم میں انسان کو حکم بنایا جائے۔ ان لوگوں نے کہا کہ فیصلہ صرف اللہ سبحانہ کا چلے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے قتال کیا۔

جب دونوں حکم ''اذرح'' میں جمع ہوگئے تو دیگر لوگوں کے ساتھ مغیرہ بن شعبہ بھی ان کے پاس پہنچے۔ دونوں حکم نے اپنے بہت سے لوگوں کے پہنچنے کے بعد عبداللہ بن عمر بن الخطاب اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا۔

معاویہ شام والوں کے ساتھ پہنچے۔

لیکن علی رضی اللہ عنہ اور عراق والوں نے آنے سے انکار کر دیا۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے قریش کے ذی رائے لوگوں سے کہا۔

کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو یہ بتا سکے کہ دونوں حکم متفق ہوں گے یا اختلاف کریں گے۔

لوگوں نے کہا: ہم کسی کو ایسا جاننے والا نہیں سمجھتے۔

انہوں نے کہا: بخدا میں تو جانتا ہوں کہ اگر میں ان دونوں سے تنہائی میں ملوں اور بات چیت کروں تو جان لوں گا۔

چنانچہ وہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہی سے سلسلۂ کلام کی ابتدا کرتے ہوئے کہا:

اے ابوعبداللہ! میں چند سوالوں کے جواب چاہتا ہوں: آپ علیحدگی اختیار کرنے والوں کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں۔ ہمیں تو اس معاملہ میں شک ہو گیا ہے جو اس جنگ سے ظاہر ہوا ہے آپ نے ہم کو دیکھا ہے کہ ہم نے توقف کیا اور پوری امت کے جمع ہونے تک غور و فکر کرتے رہے۔

انہوں نے جواب دیا: میں تم لوگوں کو نیک لوگوں کے پیچھے اور فاجر لوگوں کے آگے الگ رہنے والی جماعت سمجھتا ہوں۔

مغیرہ رضی اللہ عنہ لوٹ آئے اور اس کے علاوہ کچھ نہ پوچھا۔

ابوموسیٰ کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی بات کہی جو عمرو سے کہی تھی۔

ابوموسیٰ نے جواب دیا: میں تم کو بقیہ لوگوں سے زیادہ پختہ رائے سمجھتا ہوں۔ مغیرہ وہاں سے بھی لوٹ آئے اور اس کے علاوہ کوئی سوال نہ کیا۔

قریش کے جن ذی رائے لوگوں سے گفتگو ہوئی تھی ان سے ملاقات کی اور کہا: یہ دونوں کسی ایک معاملہ پر متفق نہیں ہو سکتے۔

جب دونوں حَکَم اکٹھے ہوئے اور دونوں نے گفتگو شروع کی تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے ابوموسیٰ! میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے جس حق کا فیصلہ کریں وہ یہ ہے کہ وفاداروں کے ساتھ وفاداری اور بے وفاؤں کے ساتھ بے وفائی ہو۔

ابوموسیٰ نے کہا: وہ کیا؟

انہوں نے کہا: آپ دیکھئے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور شام والوں نے وفاداری کی اور اپنے وعدہ پر پہنچے جس کا ہم نے ان سے وعدہ لیا تھا۔

کہا: ہاں۔

عمرو نے کہا: اسے لکھ لیجئے۔ چنانچہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھ لیا۔

عمرو نے کہا: کیا آپ میرے ساتھ اس معاملہ میں متفق ہیں کہ ہم کسی ایسے آدمی کو نامزد کریں جو اس امت کے معاملہ کا مالک ہو؟ تو اس کا نام لیجئے۔ اگر مجھے آپ کی تابعداری ممکن ہوئی تو میں آپ کی تابعداری کروں گا۔ وگرنہ آپ پر حق ہوگا کہ آپ میری تابعداری کریں۔

ابوموسیٰ نے کہا: میں عبداللہ بن عمر کو نامزد کرتا ہوں۔ (عبداللہ بن عمر ان لوگوں میں سے تھے جو اس معاملہ سے الگ رہے تھے)

عمرو نے کہا: میں معاویہ بن ابی سفیان کو نامزد کرتا ہوں۔

ان دونوں کی مجلس گالی گلوچ تک پہنچ گئی پھر دونوں نکل کر لوگوں کے پاس چلے گئے۔

ابوموسیٰ نے کہا:

میں عمرو کی مثال اللہ عزوجل کے اس فرمان کے مطابق سمجھتا ہوں:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ [۷/الاعراف:۱۷۵]

''اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنادو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں اور وہ ان کی پابندی سے نکل گیا۔''

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ خاموش ہوئے تو عمرو نے کہنا شروع کیا:

میں ابوموسیٰ کی مثال ایسی ہی سمجھتا ہوں جیسا اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ [۶۲/الجمعۃ:۵]

''جن لوگوں کے سر پر توراۃ لاد دی گئی پھر انہوں نے اس کے بار کی تعمیل کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔''

ہر ایک نے جو مثال اپنے ساتھی کی دی تھی لکھ کر تمام شہروں میں بھیج دی۔

ابن شہاب کہتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کو لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے اللہ کی بقدر طاقت حمد و ثنا کے بعد کہا: اگر کوئی بات چیت کرنا چاہتا ہو تو اپنا سر اٹھائے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنا ہاتھ کھول کر یہ کہنا چاہا:

اس معاملہ میں وہ لوگ بات چیت کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے آپ کے باپ سے اسلام پر لڑائی کی تھی۔

لیکن پھر میں ڈرا کہ کہیں میرے اس کلمہ سے مسلمانوں میں تفرقہ بازی نہ ہو جائے اور خون ریزی نہ ہونے لگے۔ یا کسی غیر صحیح بات پر میں لوگوں کو اکسا نہ دوں۔ اس لیے اللہ کا جنت اور اس کی نعمتوں کا وعدہ ہی میرے نزدیک زیادہ اچھا معلوم ہوا۔

جب وہ قیام گاہ پر واپس آئے تو میرے پاس حبیب بن مسلمہ آئے اور کہا: جب وہ شخص بول رہا تھا تو آپ کو بولنے سے کیا چیز مانع رہی۔

میں نے کہا: میں نے سوچا تھا۔ پھر مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں میں ایسی بات نہ کہہ دوں جس سے جماعت میں افتراق پیدا ہو جائے یا خون ریزی ہونے لگے یا میں کسی غلط رائے پر لوگوں کو ابھار دوں۔ حبیب نے کہا کہ: آپ تو محفوظ رہے۔ [1] [2]

اس روایت میں ایک جھول نظر آتا ہے جو مطلوبہ اسلامی معیار سے میل نہیں کھاتا اور اسلامی طریقہ سے کس قدر ہٹا ہوا ہے۔ یعنی راوی کا یہ قول:

وہ اس مجلس میں رہے یہاں تک کہ گالم گلوچ کر بیٹھے۔

---

[1] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور ان کا فتنہ کے خطرہ سے گفتگو سے باز رہنا امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ [2] طبری ج ۵ ص ۵۷، ط دار المعارف مصر۔

اور وہ مثل بھی جسے ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے مخاطب کے لیے بیان کیا۔

ہمیں یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ کس بات پر ان دونوں کا اختلاف ہوا تھا جس سے گالی گلوچ تک نوبت پہنچ گئی۔ گفتگو کی ابتدا تو لچکدار حالات اور خوش دلی، صلح جوئی اور اصلاح ذات البین کے تحت شروع ہوئی تھی۔ روایت کے اندر اس بات کا خلا ہے کہ کس بات پر دونوں کا اختلاف ہوا جس سے دونوں کے اندر گالم گلوچ کی نوبت پہنچی۔ میرے خیال میں سب و شتم جو دونوں کے اندر پیدا ہوئی۔ اس کا سبب وہ مثال تھی جو اللہ کی کتاب سے دونوں نے بیان کی تھی۔

انسانی فطرت انتہائی برہمی اور شدید غصہ کے وقت یہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ ابوموسیٰ نے یہ سمجھا کہ عمرو نے بے وفائی کی ہے اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو کرامت کے فیصلہ کے لیے چند متعینہ باتوں پر اصرار کر رہے ہیں۔ اور عمرو یہ سمجھتے تھے کہ ابوموسیٰ نے اپنی وہ ذمہ داری محسوس نہ کی جو قرآن اٹھانے اور اسے حکم تسلیم کرنے کے بعد ان پر عائد ہوئی۔

کشیدہ فضا ہر آدمی کو اس بات کی طرف لے آئی تھی کہ وہ اپنے ساتھی کے بارے میں اس طرح کی رائے قائم کرے۔ ہمارے ذہن میں یہ واضح ہو جانا بہتر ہے کہ عبارت کا پس منظر اس سے اصل مقصود کی جانب اشارہ کر دیتا ہے۔

عمرو رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ابوموسیٰ قاری قرآن ہیں اور پختہ طور پر سمجھتے بھی ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ گمان تھا کہ عمرو اسلامی ذمہ داری سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ اتحاد کی دعوت دینے والے کی بات کو مان نہیں رہے ہیں۔

یہ بیان اس صورت میں ہو گا جب کسی بھی جرح سے محفوظ ہو۔

لیکن اس روایت کو صواب سے قریب تر سمجھتے ہوئے بھی اسے پوری طرح صحیح نہیں مانتے۔ اس لیے کہ اس میں ایک راوی ضعیف ہے اور اس کے باپ کے زہری سے روایت

کرنے میں بھی کسی قدر ضعف ہے۔

مجموعی روایتوں سے صرف اس قدر اطمینان ہوسکتا ہے کہ عمرو بن العاص اور ابوموسیٰ اشعری نے کسی ایک شخص پر پہنچ کر اتفاق کر لینا چاہا تھا مگر یہ بات نہیں ہوسکی۔

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں روایات پر نظر رکھتے ہوئے اپنے اطمینان کو مختصر طور پر یوں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

جب دونوں حکم اکٹھا ہوئے تو دونوں نے باہم مسلمانوں کی مصلحت پر جستجو کے لیے رضامندی ظاہر کی۔ معاملات کا اندازہ لگایا۔ پھر دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ علی اور معاویہ کو معزول کر دیا جائے اور اس معاملہ کو مجلس شوریٰ میں پیش کر دیا جائے تا کہ ان دونوں میں سے زیادہ بہتر شخص کا انتخاب کر لیا جائے۔ ابوموسیٰ نے عبداللہ بن عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا عمرو نے کہا کہ میرے بچے عبداللہ کو خلیفہ بنا دیجئے۔ کیونکہ وہ علم وعمل اور زہد میں انہی کی طرح ہیں۔

ابوموسیٰ نے کہا: آپ نے اپنے ساتھ اپنے بیٹے کو بھی فتنہ میں ڈبو دیا لیکن اس کے باوجود وہ ایک سچے آدمی ہیں۔ [1]

یہ وہ مشکل ہے جسے ابن کثیر نے فیصلہ کے متعلق پیش کیا ہے لیکن پھر انہوں نے بعض طبری کی روایات بھی بیان کی ہیں جن کے مضمون پر ان کو اطمینان تھا مگر سند پر نہیں۔ ان روایات کے آخر میں ابن کثیر نے یہ کہا ہے کہ:

> ''کہا جاتا ہے کہ ابوموسیٰ نے بعض سخت قسم کی باتیں کہیں اور عمرو بن العاص نے اس کا جواب اسی طرح دیا۔''

ہم یہاں وہ روایت ذکر کرتے ہیں جسے حافظ دار قطنی نے بروایت حصنین بن المنذر ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں:

> ''جب عمرو نے معاویہ کو معزول کر دیا تو وہ (حصنین بن المنذر) آئے اور

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ج ۷ ص ۲۸۳۔

انہوں نے اپنا خیمہ معاویہ کے خیمہ سے قریب لگالیا۔ معاویہ کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے ان کے پاس کہلا بھیجا۔''

مجھے عمرو کے سلسلے میں ایسی ویسی بات پہنچی ہے۔ جا کر دیکھو یہ کیسی باتیں پہنچ رہی ہیں۔ میں نے ان کے پاس آ کر کہا:

مجھے اس معاملہ کے متعلق بتایئے جو آپ کے اور ابو موسیٰ کے سپرد کیا گیا تھا۔ آپ لوگوں نے اس سلسلے میں کیا کیا؟

انہوں نے جواب دیا کہ: لوگوں کو جو کچھ اس سلسلے میں کہنا تھا کہہ چکے۔ بخدا! معاملہ ایسا نہ تھا جیسا لوگوں نے بیان کیا ہے لیکن میں نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کا اس معاملہ میں کیا خیال ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت راضی تھے میں نے کہا: کہ مجھے اور معاویہ کو کس درجہ میں آپ رکھیں گے؟

انہوں نے جواب دیا: کہ اگر آپ لوگوں سے مدد طلب کی جائے تو آپ سے مدد مل سکتی ہے لیکن اگر آپ کی مدد سے بیزاری کا اظہار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ تو اکثر آپ لوگوں سے بے پرواہ رہا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ: یہی وہ بات تھی جس کی وجہ سے معاویہ اپنے دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ میں نے ان کو بتلایا کہ بات حقیقت میں ویسی ہی ہے جیسی ان کو موصول ہوئی ہے۔ [1]

صحت سے قریب تر روایات سے جو متعدد واقعات کے سلسلے میں متفق ہیں ہمیں درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

① دونوں حَکَم نے مقررہ وقت پر دومۃ الجندل میں ملاقات کی۔

② حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی کوشش یہ تھی کہ عمرو کو عبداللہ بن عمر بن الخطاب کی خلافت

[1] العواصم من القواصم، ص ۱۲۹، ط جدیدہ بمراجعۃ مہدی استانبولی۔

پر راضی کر لیں مگر انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔

③ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی کوشش یہ تھی کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو معاویہ کی خلافت پر راضی کر لیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (اپنے فرزند) کی حکومت پر راضی کرنا چاہا مگر انہوں نے اس کا بھی انکار کر دیا۔

④ دونوں کا اس بات پر اتفاق تھا کہ علی اور معاویہ کو معزول کر دیں اور معاملہ مسلمانوں کی مجلس شوریٰ میں پیش کر دیں یا یہ کہ معاملہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دیں جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت راضی رہے ہوں۔

یہ چند ثابت شدہ امور ہیں تحکیم کے سلسلے کے، لیکن کسی متعین خلیفہ کے اوپر ان کے عدم اتفاق کی وجہ سے یہ معاملہ بہت پھیل گیا۔ اس لیے نتیجہ منفی نکلا اور بقیہ امور بلا اتفاق اپنی جگہ پر باقی رہ گئے۔

اس کے سوا جتنی روایتیں ہیں سب ضعیف اور مکذوب ہیں جس میں ضعف سند اور متن دونوں حیثیتوں سے ہے۔ جس پر نہ تو کوئی حقیقت قائم ہوسکتی ہے اور نہ ہی کسی مفہوم کی بنا پڑ سکتی ہے۔

اسی سال یعنی ۳۷ھ میں دونوں حکم ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے رمضان کے مہینہ میں دومۃ الجندل میں جمع ہوئے۔ ''اذرح'' بھی کہا گیا ہے۔ جو دومۃ الجندل سے قریب ہی واقع ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا خود نہیں آئے۔ معاویہ خود ہی آئے تھے لیکن دونوں حکم کا کسی بات پر اتفاق نہ ہوسکا اور لوگ جدا ہو گئے۔

شام والوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے ذی قعدہ ۳۷ھ میں بیعت کی۔ یہ معاملہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک نئے موقف کا تقاضا کر رہا تھا۔ یہ کہ وہ شام والوں کی بیعت کے بعد وہ بقیہ علاقہ کے لوگوں سے بھی خلافت پر بیعت لینے کی کوشش شروع کر دیں۔

سنہ ۳۸ ہجری

تاریخ طبری میں وارد ہے:

(جب قیس بن سعد [1] سے محمد بن ابی بکر کے متعلق بیان کیا گیا کہ وہ امیر بن کر آئے ہیں۔ تو انہوں نے ان سے تنہائی میں ملاقات کی اور سرگوشی کے انداز میں کہا:

آپ ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں جس کے پاس کوئی رائے ہی نہیں آپ کا مجھے معزول کر دینا نصیحت کرنے سے روک نہیں سکتا۔ میں آپ کا یہ معاملہ بخوبی جانتا ہوں۔

میں اس سلسلے میں معاویہ، عمرو اور ''اہل خربتا'' [2] کے ساتھ فریب کرتا تھا۔ تم بھی ان کے ساتھ چالبازی کرو۔ اس لیے کہ اگر کسی غیر کے ساتھ تم نے اس طرح فریب کاری کی تو ہلاک ہو جاؤ گے۔

قیس بن سعد نے محمد بن ابی بکر سے وہ چالبازی بیان کی جو ان کے ساتھ وہ کیا کرتے تھے۔ محمد بن ابی بکر نے انہیں فریب کار سمجھ کر ہر چیز میں ان کے خلاف کیا۔ جب محمد بن ابی بکر آئے اور یہ بات معاویہ اور عمرو کو معلوم ہوئی تو اہل شام کو لے کر مصر گئے اور مصر کو فتح کر لیا اور محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا پھر حضرت معاویہ ہی کے ماتحت رہا۔

قیس بن سعد مدینہ آئے تو مروان بن حکم اور اسود بن البختری نے ان کو بہت خوف

[1] قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کبار انصار اور ان کے سرداروں میں سے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز ان کے باپ سے علم لے کر ان کے سپرد کیا تھا۔ یہی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے اختلاف کو دور کیا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کے لیے بیعت کر لی تھی۔ جبکہ خود سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی تھی۔ علی بن ابی طالب کے بڑے مشیروں اور بڑے لیڈروں میں سے تھے۔ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر کی ولایت سپرد کی تھی۔ پھر دونوں کے درمیان چغل خوروں نے لگائی بجھائی کی جس کی وجہ سے انہوں نے ان کو مصر کی ولایت سے معزول کر دیا۔ اور محمد بن ابوبکر کو ان کی جگہ والی مقرر کیا۔ اس چیز سے قیس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ لوٹ کر اپنی ساری طاقت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے تصرف میں دے دی۔ حتیٰ کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔

[2] ''خربتا'' مصر میں ایک جگہ کا نام ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل کے بعد یہاں کے باشندے انہی کے حامی رہے اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت نہیں کی۔

دلایا جب انہیں یہ خوف پیدا ہوا کہ انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے گا تو اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ آئے۔

معاویہ نے مروان اور اسود کے پاس بڑا غصہ سے بھرا ہوا خط لکھا:

تم دونوں نے قیس بن سعد اور اس کی رائے وفریب اور چال کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی ہے۔ بخدا! اگر تم نے ایک لاکھ جانبازوں کے ذریعے ان کی مدد کی ہوتی تو مجھے اتنا غصہ نہ آتا جتنا قیس بن سعد کے علی کے پاس نکالنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

جب محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر لوگوں تک پہنچی اور اس واقعہ کی کھود و کرید ہوئی تو معلوم ہوا کہ قیس بن سعد بڑی بڑی چال کے مقابل آ جایا کرتے تھے اور جن لوگوں نے انہیں قیس بن سعد کی معزولی کا مشورہ دیا تھا وہ ان کے خیر خواہ نہیں تھے۔ [1]

اور شاید محمد بن ابی بکر کے قتل کے سلسلے میں سب سے صحیح روایت [2] وہ ہے جو عمرو بن دینار نے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص محمد بن ابوبکر کو قید کر کے لائے۔ اور کہا: کیا آپ کے پاس کوئی عہد و پیمان ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ چنانچہ ان کے قتل کا حکم دیا اور وہ قتل کر دیئے گئے۔

اسی سلسلے میں ایک دوسری روایت ملتی ہے جس کے اندر وہ ساری تفاصیل مذکور ہیں جو لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں یعنی محمد بن ابوبکر کا قتل، ان کا گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلایا جانا، علی کی جانب سے معاویہ اور عمرو کے حق میں قبیح قسم کی باتیں، اشتر نخعی کو معاویہ کی جانب سے زہر دینے کی حرکت یہ ساری لغو اور باطل قسم کی باتیں اس روایت میں موجود ہیں۔ جس کی سند مندرجہ ذیل ہے:

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۰۷ عن عبداللہ عن یونس عن الزھری۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق ہم نے پچھلی روایت میں گفتگو کی تھی۔ عبداللہ بن احمد: صدوق ہیں متقدم فی القراۃ ہیں۔ یونس بن یزید: ثقہ ہیں مگر ان کے زہری سے روایت کرنے میں کچھ وہم ہے۔ زہری فقیہ حافظ ہیں۔ ان کی جلالت شان اور حفظ [illegible] لوگوں کا اتفاق ہے۔

[2] اس حدیث کے رواۃ یہ ہیں۔ غندر عن شعبۃ عن عمرو بن دینار۔ یہ سب رواۃ ثقہ ہیں اور صحیح کے رجال ہیں۔ جو امام بخاری اور امام مسلم کے یہاں موجود ہیں۔

(محمد بن ابی بکر کے سلسلے میں مصر جانے اور ان کی وہاں کی امارت کے سلسلے میں جو بات ابومخنف نے کہی ہے، اس کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے اور اب ہم اس خبر کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں جس کو اس نے یزید بن ظبیان ہمدان سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں)

گویا دونوں راوی ابومخنف اور یزید بن ظبیان ہیں۔

اور ابومخنف ضعیف وضاع ہیں اور یزید بن ظبیان کا رواۃ میں شمار ہی نہیں۔

پھر ہم کیسے ایسے آدمی کے بیانات قبول کر سکتے ہیں اور اس پر احکام کی بنا کر سکتے ہیں جبکہ وہ سچائی کے سلسلے میں مطعون ہے اس کی حقیقت مجہول اور اس کی معرفت لامعلوم ہے؟

اور وہ روایت جس پر ہم نے اعتماد کیا ہے۔ منہج اسلامی سے ہم آہنگ ہے۔ اس پر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا مقام بلند ہو جاتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی بھی صحابی رسول کی حق تلفی نہیں ہوتی۔

لیکن یہ واقعہ حوادث کے متعلق ایک نئی راہ اپنانے کا اشارہ کرتا ہے جبکہ تحکیم کا معاملہ منفی نتائج پر منتج ہو چکا تھا اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو یہ موافقت مل گئی تھی کہ وہ مصر کو اپنی سلطنت میں شامل کریں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ پلڑا انہی کی جانب جھکنا شروع ہو گیا تھا اور فریقین کی نقل وحرکت کے مزاج کے سلسلے میں ایک نئی علامت بنا رہا تھا۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ان خوارج کی جانب سے ایک نیا محاذ کھل گیا تھا جو ان کی فوج سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ انہیں ان کی جنگ کا پورا یقین تھا۔ نیز ان کے باطل پر ہونے کا بھی پورا پورا یقین تھا۔ حالانکہ ان کا دعویٰ حق کا تھا اور ان کی ظاہری جنگ حق کے لیے تھی۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ معاملات میں ہوشیاری سے کام لینا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کا افتراق رک جائے اور علی رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہونے والے لوگوں کے اتحاد کو توڑنے کے لیے کوشش شروع کر دی۔ اس کی ابتدا

---

[1] امام بخاری نے مندرجہ ذیل سند سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: حدثنا شعیب عن الزهري قال اخبرني ابو سلمة بن عبدالرحمن ان ابا سعيد الخدري قال: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بصرہ سے ہوئی جہاں ان کے فرستادہ ابن الحضرمی کے گرد اہل بصرہ کی ایک بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی اور بصرہ پر امیر المومنین کا والی روپوش ہوگیا تھا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلدی کی اور صورتحال کو سنبھال لیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دوسری کوشش یہ تھی کہ انہوں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیر امارت ایک ولایت تھی بھیجا، لیکن یہ کوشش سودمند ہونے کی بجائے رائیگاں چلی گئی۔

(بقیہ حاشیہ ۞) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ آپ کچھ مال تقسیم کر رہے تھے کہ ذوالخویصرہ آپ کے پاس آیا (یہ بنو تمیم کا ایک آدمی تھا) اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انصاف سے کام لیجئے۔ آپ نے فرمایا تمہارا برا ہو، اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون انصاف کرے گا اگر ایسا ہوگا تو گھاٹا ہی گھاٹا، خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول آپ حکم دیں تو میں اس کی گردن ماردوں۔ آپ نے فرمایا نہیں اسے چھوڑ دو۔ اس لیے کہ اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے جو اپنی نماز کے آگے تمہاری نماز حقیر سمجھیں گے اپنے روزے کے مقابل تمہارا روزہ حقیر جانیں گے۔ یہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا یہ دین سے ایسے ہی نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے نکل جاتا ہے کہ اس کے پھل کی طرف دیکھیں تو کچھ بھی نظر نہ آئے پھر اس کے پٹھے کو دیکھا جائے تو کچھ بھی نہ ملے پھر تیر کی لکڑی کو دیکھیں تو اس میں بھی کچھ نہ ملے۔ پھر پر کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کچھ موجود نہ ہو۔ لید اور خون پہلے ہی ختم ہو چکا ہو ان کی نشانی وہ کالا شخص ہے جس کا ایک بازو عورت کے سینے کی طرح ہوگا یا یہ کہ بضعہ کی طرح ہل رہا ہوگا۔ یہ لوگ لوگوں کے اختلاف کے وقت بغاوت کریں گے۔

ابو سعید کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی تھی۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے اس آدمی کو تلاش کرنے کا حکم دیا اس کو لایا گیا تو میں نے اس کو انہی صفات پر دیکھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔

اسی طرح مسلم نے بھی ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ج ۶، ص ۲۱۹)

معاویہ رضی اللہ عنہ کی توسیعی کوششیں

انتالیسواں سال امیر شام کے مفاد کے لیے زیادہ مثبت تھا اس لیے کہ چھ ہزار کا لشکر سفیان بن عوف کی سرکردگی میں تیار کر کے عراق میں ''ھیت'' اور وہاں سے ہوتا ہوا مدائن میں ''انبار'' کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے بھیجا انبار میں تصادم ہوا جس میں مسلمانوں کے تین آدمی قتل کیے گئے۔ اسی طرح تیماء واقصہ اور دجلہ کے چند حملے کامیاب رہے۔

البتہ چالیسویں سال کے واقعات دور والے صوبوں میں دونوں فریقوں میں برابر برابر رہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار جانبازوں کے ساتھ اپنے وطن حجاز بھیجا۔ ادھر اسلامی فوج شام وفارس کی سرحدوں میں قیام پذیر تھی اندرونی طور پر اسلامی شہروں میں کوئی مستقل طاقت نہ تھی اس لیے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ لڑنے والی فوج کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ بسر مدینہ میں داخل ہوئے ان سے کسی نے جنگ نہ کی۔ حجاز کے شہروں میں مدینہ شام سے زیادہ قریب تھا دونوں کی باہمی مسافت عراق میں کوفہ اور شام کی مسافت سے بہت کم تھی۔

بسر مدینہ کے منبر پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر کہا:

اے دینار، اے نجار، اے زریق، میرے شیخ، میرے شیخ کہاں ہیں؟ ابھی تو وہ کل یہیں تھے۔ آج کہاں ہیں؟ ان کی مراد عثمان رضی اللہ عنہ سے تھی۔

یہ پہلا موقع ہے جب مدینہ باغیوں کی پرچھائیں سے آزاد ہے۔ جنہوں نے خلیفۂ مظلوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اور یہ پہلی بار ببانگ بلند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقام کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

دوسری طرف بسر کی آواز یہ بتا دے رہی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں اہل مدینہ

بھی متہم ہیں یا یہ کہ کم از کم یہی شکل اس جنگی لشکر کے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی وہ مدینہ کے قبائل بنونجار، بنودینار، بنوزریق کو پکارتے ہیں اور شیخ الامت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے دستبرداری کو معیوب قرار دے رہے ہیں۔

وہ یہ چاہتے تھے کہ کاش وہ اہل مدینہ میں سے ان لوگوں سے جنہوں نے ان کے خیال میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر ساتھ دیا تھا انتقام لے پاتے تو اچھا ہوتا۔

بسر ایک جنگجو قائد تھے۔ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا نہ ہوتا تو مدینہ میں یہ فساد برپا کر دیتے۔

اسی بات کی تصریح کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔ اے اہل مدینہ! بخدا اگر معاویہ نے مجھ سے عہد نہ لے لیا ہوتا تو میں جتنے بالغ آدمی ہیں سب کو قتل کر ڈالتا۔

بسر کا برا ہو۔ کیا انہوں نے قرآن مجید میں ان لوگوں کے متعلق نہیں پڑھا تھا:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [الحشر: ۵۹/۹]

''اور ان لوگوں کے لیے بھی جو مہاجرین سے پہلے ہجرت کے گھر یعنی مدینے میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں۔ ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کوئی خواہش اور خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔''

اور مہاجرین وانصار کے سابقین اولین کے متعلق نہیں پڑھا تھا: کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں سنی تھی:

((اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَ أَبْنَاءَ الْأَنْصَارِ وَ أَبْنَاءَ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ))

''اے اللہ انصار پر، ان کے بیٹوں اور پوتوں پر رحم فرما۔''

((وَاللّٰهِ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ شِعْبًا وَ سَلَكَ الْأَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكْتُ

شِعْبَ الْاَنْصَارِ وَاللهِ لَوْ لَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ اِمْرَأً مِّنَ الْاَنْصَارِ.))

''بخدا!! اگر لوگ ایک گھاٹی میں چلیں اور انصار کسی دوسری گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی گھاٹی میں چلوں گا۔ بخدا!! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کی جماعت کا ایک فرد ہوتا۔''

دلی غم وافسوس ہے مدینہ پر۔

کل اسی میں باغی داخل ہوئے اور خلیفۃ المسلمین کو خون میں تڑپتا چھوڑ دیا۔

آج اسی مدینہ میں بسر کی گرج، چمک سنائی دے رہی ہے۔ اگر ان کی لگام معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں نہ ہوتی تو کسی بھی ذی شعور آدمی کو باقی نہ چھوڑتے۔

مدینہ پر پہلے قبضہ کے وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بچا نہ سکے تھے کیونکہ شامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے باغیوں نے ان کو شہید کر دیا تھا۔ لیکن آج دوسرے قبضہ کے موقعہ پر مدینہ کو خون ریزی و بدعہدی سے بچانا ان کے بس میں تھا۔ اسی لیے بسر بن ارطاۃ کو بڑی نصیحت کی کہ دیکھو کسی کا خون نہ ہونے پائے۔

چنانچہ مدینہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت دہشت وخوف کے زور کی وجہ سے پوری ہو گئی حالانکہ زبردستی کی بیعت بیعت مانی نہیں جاتی۔ اس خیال کی تائید بسر کا وہ قول کرتا ہے۔ جب انہوں نے صحابی جلیل جابر بن عبداللہ کو طلب کیا جو کہیں چھپ گئے تھے۔ بنوسلمہ کے پاس انہوں نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم جابر بن عبداللہ کو نہیں لے آؤ گے۔ نہ تمہاری بیعت قبول کی جائے گی اور نہ ہی تمہیں امان ملے گی۔

حضرت جابر ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے کہا:

آپ کا کیا خیال ہے؟ مجھے یہ خوف ہے کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا۔

اور یہ بیعت بھی گمراہی کی بیعت ہے۔

انہوں نے فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ تم بیعت کر لو۔ اس لیے کہ میں نے اپنے بیٹے عمر بن ابی سلمہ کو بھی بیعت کر لینے کے لیے کہا ہے۔ اسی طرح میں نے اپنے داماد عبداللہ بن

زمعہ کو بھی کہا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی آئے اور انہوں نے بیعت کر لی۔ [1]

بسر مدینہ سے مکہ آئے جہاں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ان کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں قتل نہ کر دیں، لیکن بسر نے یہ کہتے ہوئے ان کے دل کا خوف دور کر دیا:

میں کسی صحابی رسول کے ساتھ اس قسم کا کام نہیں کر سکتا اور پھر ان کو چھوڑ دیا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس فیصلہ کے بعد بہت شہرت حاصل ہوگئی تھی اور لوگوں میں یہ بات عام طور پر مشہور ہوگئی تھی کہ ابوموسیٰ صحابی رسول ہیں اس لیے ابن ارطاۃ کے نزدیک شہرت و معرفت کے اس معیار پر کوئی دوسرا نہیں تھا۔

بسر کا لشکر حجاز سے پیش قدمی کرتا ہوا یمن پہنچا۔ جہاں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فوراً کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس آخری اور عظیم تبدیلی کی اطلاع دینے کے لیے چلے گئے جس کی وجہ سے مکہ اور یمن ان کے ہاتھوں سے نکل کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔

اور یہ پیش قدمی ایک اچھی اور کامیاب پیش بندی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس اطلاع کے بعد دو فوجیں تیار کی۔

پہلی فوج جاریہ بن قدامہ کی سرکردگی میں دو ہزار کی۔

اور دوسری دو ہزار کی فوج وہب بن مسعود کی سرداری میں۔

اب بڑے بڑے جنگجوؤں کے قتل کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا تاکہ ملک جس کے ہاتھ میں جائے پرامن رہے۔ اس لیے یمن میں دونوں جانب سے ایک بڑی تعداد قتل ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے پہنچنے کے ساتھ ہی بسر کو یہ احساس ہوا تھا کہ ان کو مقابلہ کی تاب نہیں۔ اس لیے بقیہ لشکر اپنے ساتھ لے کر شام واپس چلے گئے اور یمن دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر حکومت آ گیا۔ اسی طرح مکہ پر خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

امیر المومنین کی فوج کا ریلا مدینہ کی طرف بڑھا اور اسے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ سے

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۳۹ عن زیاد بن عبداللہ البکائی عن عوانۃ۔

واپس چھڑا لیا۔

کوئی بھی تجربہ ایسا نہیں بچا تھا کہ فریقین میں سے ایک دوسرے پر غلبہ کے لیے جو طریقہ اختیار کرتا اسے بلا فائدہ دوسرا فریق بھی اختیار کرتا۔ ملک ایک طرف سے فتح ہوتا تھا اور جلد ہی دوسرے کی ماتحتی میں چلا جاتا تھا۔ قوت نے اس شکل کے حل کرنے میں اور پورے مسلمانوں کے کلمہ کو متحد کرنے میں اپنی کمزوری ثابت کر دی تھی حالانکہ عام افتراق کے موقعہ پر یہی حل مطلوب ہے اور طاقت ضروری ہے۔

لیکن دونوں قوتیں برابر تھیں اور ہر فریق دوسرے پر غلبہ پانے سے مایوس تھا۔

اس لیے اب از سر نو گفتگو کا آغاز ہوا۔

ہمارے سامنے صرف وہ صورت ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔

جب دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی دوسرے کی اطاعت کے لیے تیار نہ ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھا:

اگر آپ چاہیں تو آپ عراق پر حاکم رہیں اور میں شام پر، اور اس طرح لوگوں کی گردنوں پر تلواروں کا چلنا بند ہو جائے اور مسلمانوں کی خون ریزی نہ ہو۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات مان لی اور دونوں اس بات پر رضا مند ہو گئے۔ [1]

اب معاویہ شام میں اپنے لشکر کے ساتھ مقیم ہو گئے وہ شام اور اس کے اطراف کا ٹیکس وصول کرتے اور علی عراق میں رہ کر ٹیکس وصول کرتے اور اپنے لشکروں میں تقسیم کر دیتے۔

ہم یہاں یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیوں نہ شروع سے ہی ایسا ہوا؟

جس کا جواب واضح ہے کہ بیک وقت دو خلیفہ کا ہونا ابتدائی امر حرام تھا یہ ضروری تھا کہ جنگ اس وقت تک ہو جب تک کہ کوئی ایک فریق دوسرے کا تابعدار نہ ہو جائے اور

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۴۰ از زیاد بن عبداللہ عن ابن اسحاق۔

لوگ متفق نہ ہو جائیں۔

اور اب جنگ ہو چکی تھی۔ دسیوں ہزار آدمی مقتول ہو چکے تھے لیکن پھر بھی کوئی فریق ذرہ برابر بھی اپنے موقف سے ہٹا نہیں تھا اس لیے کہ ہر فریق کو اپنے حق پر ہونے کا پورا بھروسا تھا۔

تو کیا یہ قتال امت کے فنا ہونے تک جاری رہتا؟

ایک وقتی صلح ضروری تھی تاکہ موقف کھل کر سامنے آ جائے اور ان دونوں میں کسی کا پلڑا دوسرے پر خود بخود بھاری ہو جائے۔

اسی نظریہ کے تحت دونوں کی گفت و شنید کا وقوع ہوا۔

ہر فریق نے دوسرے کی جانب رجوع سے انکار کر دیا اس لیے ہر فریق کو اپنے حق پر ہونے کا اعتماد تھا۔ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل بھی کہا ہے کہ حق کی خاطر باطل کے سامنے کبھی جھکا نہیں جا سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکیدی طور پر فرمایا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ برحق ہوگا۔

امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ

جب صبح کی نماز پڑھنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے تو برک بن عبداللہ نے ان پر اپنی تلوار سے حملہ کر دیا لیکن تلوار ان کی پشت پر پڑی اور اسے پکڑ لیا گیا اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

میں ایک بات بتاؤں جسے جان کر آپ کو خوشی ہوگی اگر میں وہ بات آپ کو بتا دوں تو کیا اس میں میرا فائدہ ہوگا؟

انہوں نے کہا: ہاں!

اس نے کہا: میرے ایک بھائی نے رات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔

انہوں نے کہا: شاید اس کو موقع نہ مل سکا ہو۔

اس نے جواب دیا کیوں نہیں ہو سکتا۔ علی رضی اللہ عنہ جب باہر نکلتے ہیں تو انکے ساتھ کوئی پہرہ دار نہیں ہوا کرتا۔

اس گفتگو کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے وہ قتل کر دیا گیا۔ [1]

اب انہیں یہ احساس ہوا کہ شاید وہ خطرہ کے قریب ہو چکے ہیں اس لیے اپنے طبیب ساعدی کو بلایا۔ طبیب نے ان کو بغور دیکھنے کے بعد کہا۔

دو باتوں میں ایک بات آپ پسند کر لیں یا تو لوہا گرم کر کے تلوار کی ضرب کی جگہ کو داغ دوں اور یا تو آپ کو میں ایک شربت پلا دوں جس سے آپ شفایاب ہو جائیں گے مگر اب بچے کی پیدائش نہ ہو سکے گی۔ اس لیے کہ تلوار زہر آلود تھی۔

معاویہ نے اپنی بقیہ زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے طبیب سے کہا:

آگ کے برداشت کرنے کی تو مجھے طاقت نہیں۔ رہا بچوں کی پیدائش کا خاتمہ تو یزید اور عبداللہ میں ایسی خصلتیں موجود ہیں جس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک مل سکے گی۔

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۴۹۔

چنانچہ طبیب نے وہ شربت انہیں پلا دیا جس سے وہ شفایاب ہو گئے مگر اس کے بعد ان کی اولاد نہ ہوئی۔ اسی وقت معاویہ نے حویلیوں کے بنانے کا اور رات کو چوکیداری کرنے اور سجدے کے وقت سر کے پاس پولیس کے کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خبریں ان کو پہنچتی رہیں یہ تشدد اور جنگ کے ایک نئے مرحلہ کا اعلان تھا کیونکہ یہ معاملہ کسی ایک شخص کے قتل کا معاملہ نہ تھا۔ بلکہ اصول کی برتری کا معاملہ تھا۔ ڈر تھا کہ عثمان کے قاتل حسن رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ اسی طرح موجود رہیں گے جس طرح ان کے باپ کے زیر سایہ تھے۔

ان کی شرکت اگرچہ ٹوٹ چکی تھی لیکن پھر بھی ان کے بعض سردار علی کی فوج میں نمایاں تھے۔ اس لیے مسلمانوں میں عام طور پر کوچ کا اعلان کر دیا اور ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے فوج جمع کرنی شروع کر دی۔ اب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے لڑائی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی فوج کو ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ اس طرح افق پر ایک خوفناک ٹکراؤ کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جنگ صفین پھر قریب آ چکی ہے۔

معاویہ ایک عظیم کشمکش اور غم میں گرفتار ہو گئے۔

انتقامات سر اٹھا رہے تھے۔ فوجیں پیش قدمی کر رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھوں تباہ ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔

---

[1] ابن کثیر نے جریر بن عبدالحمید سے جو ثقہ ہیں روایت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ وہ مغیرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر معاویہ کو ملی تو وہ رونے لگے۔ ان کی بیوی نے ان سے کہا کیا تم روتے ہو؟ حالانکہ تم نے ان سے جنگ کی ہے۔ انہوں نے جواباً کہا: تمہارا برا ہو تم کو نہیں معلوم کہ لوگوں نے علم و فضل اور فقہ کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا ہے۔

اسی طرح کے سوالات معاویہ کے ذہن میں آ رہے تھے۔

انہوں نے امیر المومنین علی کے ساتھ ایک فیصلہ کن قدم اٹھا کر خون کے سیلاب کو روک دیا تھا اور شام اور اطراف واکناف کو قبول کر کے اس امت کے لوگوں کی گردنوں سے تلوار اٹھا دی تھی۔ اب ان کے سامنے عراق اور اس کے آس پاس کا مسئلہ رہ گیا تھا۔ ان کو موافق وقت کا انتظار تھا جس میں ان وقتی حالات کا خاتمہ ہو جائے کیونکہ مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو رہا تھا اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض وعناد بھرا ہوا تھا۔ ان کی نگاہیں جنگ کے خوف اور اس کے انجام سے پتھرائی ہوئی تھیں۔

اور وہ موافق وقت قریب آ چکا تھا۔

شاید اس نئی شخصیت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا کوئی دوسرا موقف ہو۔

اس لیے گفتگو سے ابتدا ضروری تھی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گمان صحیح بھی تھا کیوں کہ تکلیف کے بعد آسانی ہوتی ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ تیاری بھی ضروری تھی۔

یہی معاویہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں بات چیت کرتے ہیں اور اپنے خوف اور غم کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ حسن بصری نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بخدا! حسن بن علی نے پہاڑوں جیسے لشکر جرار سے معاویہ کا استقبال کیا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں ایسی فوج دیکھ رہا ہوں جو سرداروں کے قتل کے بغیر پیٹھ نہیں پھیر سکتی۔"

معاویہ نے (جو بخدا دونوں میں بہتر تھے) کہا:

"اے عمرو! اگر وہ لوگ اور یہ لوگ قتل کر ڈالے گئے تو کون میری طرف سے لوگوں کے معاملات دیکھے گا کون ان کی عورتوں اور بچوں کا تحفظ کرے گا کون ان کی جائیداد کا محافظ ہوگا۔"

چنانچہ انہوں نے ان کے (حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے) پاس بنو عبد شمس کے دو قریشی

آدمیوں عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز کو بھیجا اور کہا:

اس شخص کے پاس جاؤ اور یہ بات پیش کر کے گفتگو کرو اور یہ مطالبہ ان کے سامنے رکھو۔

وہ دونوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان سے بات چیت کی اور یہی درخواست کی حسن بن علی نے ان دونوں سے کہا:

بنو عبدالمطلب نے یہ مال حاصل کیا ہے۔ یہ امت اپنے خون میں لت پت ہو چکی ہے۔

ان دونوں نے عرض کیا۔ آپ سے وہ (معاویہ) ایسا ایسا کہتے ہیں اور آپ سے گزارش کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں۔

انہوں نے پوچھا: کون اس کی ذمہ داری لیتا ہے؟

ان دونوں نے کہا: ہم ذمہ داری لیتے ہیں۔

اس کے بعد جتنی بھی باتیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھیں سب کے لیے انہوں نے یہی کہا کہ ہم ذمہ داری لیتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے مصالحت کر لی۔ [1]

---

[1] حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے کبھی آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حضرت حسن کی طرف اور فرماتے۔ ''میرا یہ بچہ سردار ہوگا اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا'' اس حدیث کو امام بخاری اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔

خطابی کہتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسن کے متعلق یہ قول اسی واقعہ پر صادق ہوتا ہے: جس میں ان کے ذریعے اہل شام میں صلح ہوئی اور فتنہ کے خوف سے اور خوں ریزی کی کراہت کی وجہ سے آپ نے اس امر سے علیحدگی اختیار کر لی اس لیے اس سال کا نام سال اجتماع (عام الجماعۃ) رکھا گیا۔ اس خبر میں اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی اس فتنہ میں کسی قول اور کسی فعل کے ذریعے حصہ لینے کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج نہیں۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو مسلمان قرار دیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس طرح وہ فتنہ کبریٰ جس نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر دیا تھا حسن رضی اللہ عنہ کی شرافت اور عالی ظرفی اور خلوص وللّٰہیت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت اور دور بینی کی وجہ سے رک گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عظمت اوران کی عالی ظرفی کی وجہ سے وہ سیادت کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اس لیاقت کی وجہ وہی تھی جس کی شہادت سید الخلق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی تھی۔

اس طرح لوگ معاویہ کی اطاعت میں داخل ہوگئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ پہنچ کرلوگوں سے بیعت کرلی۔

ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

اسی سال ایلیا میں معاویہ کی خلافت کے لیے بیعت لی گئی۔ حدیث کی سند اس طرح ہے۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ اَخْبَرَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ رَاشِدٍ (انہیں اس سے قبل شام میں امیر کہا جاتا تھا) وَحَدَّثَ عَنْ اَبِیْ مُسْھِرٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ

(بقیہ حاشیہ ✿) اور یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے ایک صحیح راستہ پر اور دوسرا غلطی پر تھا۔
ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ صادق ومصدوق نے دونوں فریقوں کے اسلام پر ہونے کی شہادت دی ہے تو اگر کسی نے بھی ان دونوں کو یا ان میں سے کسی کو بھی کفر کی طرف منسوب کیا تو اس نے غلطی کی اور نص نبوی کی مخالفت کی جن کی کوئی بات اپنی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ وحی الٰہی ہوتی ہے۔

عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا: لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو خلافت کی خواہش ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ لوگوں کی کھوپڑیاں میرے ہاتھ میں تھیں وہ ہر اس شخص سے جنگ مول لے لیتے جس سے میں جنگ کرتا اور جس سے میں صلح کرتا وہ بھی صلح کر لیتے میں نے اللہ کی رضا کی تلاش اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خون ریزی روکنے کے لیے اس کو ترک کر دیا تھا۔ پھر کیا دوبارہ میں اسے اہل حجاز کی طرف اٹھاؤں گا؟ یہ روایت ابن سعد اور حاکم نے اپنی مستدرک میں بیان کی ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔ مگر ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے امام ذہبی نے اپنی تلخیص میں انہی کی موافقت کی ہے۔

عَبدِالعَزِیز [1] یہ کہتے ہیں کہ عراق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہا جاتا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام میں امیر کہا جاتا تھا لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہا جانے لگا۔

چونکہ لوگوں کے سامنے اس صلح کے مزاج کا بھی واضح ہو جانا ضروری تھا اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں میں کھڑے ہو کر تقریر فرمائیں۔ اس لیے ان سے کہا:

آپ لوگوں کے سامنے تقریر کیجئے اور جو حیثیت آپ کو حاصل تھی اس کا بھی ذکر کیجئے۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے کہا: [2]

سب تعریف اس خدا کی ہے جس نے اولین کو ہمارے ذریعے ہدایت دی اور ہمارے ذریعے بعد میں آنے والے لوگوں کا خون بہنے سے روک دیا۔

لوگو! سن لو سب سے چالاک وہ شخص ہے جو متقی ہو اور سب سے بڑی عاجزی اور مجبوری بدکاری ہے۔

لوگو! یہ معاملہ جس میں میں نے اور معاویہ نے اختلاف کیا تھا۔ اس وجہ سے تھا کہ یا تو وہ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں اور یا میں ان سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔ لیکن ہم نے اسے اللہ کی خاطر، امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح و خیر کے لیے اور ان کی خون ریزی بند کرنے کے لیے ترک کر دیا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے معاویہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

﴿وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ.﴾ [۲۱/الانبیآء:۱۱۱]

''اگرچہ میں یہ جانتا ہوں کہ تمہارے لیے باعث آزمائش اور ایک وقت متعینہ

---

[1] ابومسہر: مقبول ہیں۔ سعید بن عبدالعزیز: ثقہ امام ہیں آخری عمر میں اختلاط ہو گیا۔ امام احمد نے ان کو اوزاعی کے مثل قرار دیا ہے۔

[2] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ج۱ص ۳۷۴۔

کے لیے فائدہ کا سامان ہے۔"

پھر وہ منبر سے اتر پڑے۔ حضرت عمرو نے معاویہ سے کہا: میں یہی چاہتا تھا۔ [1]

تو یہ تھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شخصیت، ایک ایسے مسلمان کی شخصیت جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پائی تھی کہ مسلمانوں کی خون ریزی ختم کرنے کے لیے اور امت کی خیر خواہی کی خاطر دستبردار ہو گئے۔ عاجزی اور ضعف کی وجہ سے وہ دست بردار نہیں ہوئے تھے بلکہ مسلمانوں کے سر ان کے ہاتھ میں تھے حتی کہ ان کے اس کام پر بعض لوگوں نے ناراضگی کی وجہ سے ان سے کہا تھا۔ السلام علیکم یا مذل المؤمنین (مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے السلام علیکم)

جس کا جواب انہوں نے یہ کہہ کر دیا۔ اے ابو عامر ایسا نہ کہو۔ میں نے مومنوں کو ذلیل نہیں کیا۔ بلکہ میں نے ملک گیری کی ہوس میں ان کا قتل پسند نہیں کیا تھا۔ [2]

[1] اس کی تخریج حاکم نے ج ۳ ص ۱۷۵ میں اور بیہقی نے ج ۸ ص ۱۷۳ میں شعبی سے کرتے ہوئے اسی طرح کی ہے۔ دیکھئے حیاۃ الصحابہ: ج ۲، ص ۶۹۹، ط دار القلم۔

[2] حیاۃ الصحابہ: ج ۲ ص ۶۹۸، حاکم نے مستدرک میں ج ۳ ص ۱۷۵ اور ابن عبداللہ نے استیعاب ج ۱ ص ۳۷۲ میں نقل کیا ہے۔

عرب کے دو مدبر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صف میں

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبرداری کے بعد مسلمانوں نے بحیثیت امیر قیس بن سعد کے ہاتھ پر بیعت کی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کا عہد کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن رضی اللہ عنہ سے اطمینان کرنے کے بعد امیر معاویہ نے ایک ایسے آدمی کو اپنا ہم خیال بنانا چاہا جوان کے نزدیک اس پہلو سے بہت اہم تھا کہ ان کے ساتھ چالیس ہزار آدمی تھے وہ انہیں اور عمرو اور اہل شام کو لے کر آئے اور قیس بن سعد کے پاس آدمی بھیج کر خدا کا خوف دلایا۔ کہا: کس کی اطاعت پر تم جنگ کرو گے جس شخص کو تم نے اپنی اطاعت دی ہے اس نے مجھ سے بیعت کر لی لیکن قیس نے کوئی نرم پہلو ان کے لیے اختیار نہیں کیا۔ [1]

قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ پہلا تجربہ نہیں تھا بلکہ قیس بن سعد جب مصر کے والی تھے اس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلی کوشش کی تھی اور انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے تمام طاقت اور تدبیر کا استعمال کیا لیکن ناکام رہے:

ہم جانتے ہیں کہ جب والیٔ مدینہ نے قیس بن سعد کو کوفہ چلے جانے پر مجبور کیا تو امیر معاویہ نے کتنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا:

> ”تم نے قیس بن سعد اور ان کی رائے و تدبر کے ذریعے علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی بخدا! اگر تم نے ایک لاکھ لشکریوں کے ذریعے علی کی مدد کی ہوتی تو یہ بات قیس بن سعد کو علی کی طرف نکل جانے پر مجبور کرنے سے میرے نزدیک زیادہ باعث غضب نہ ہوتی۔“

معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی صف میں شامل کرنے کے لیے انتھک کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۶۵ ابروایت عبداللہ بن احمد عن سلیمان بن الفضل عن عبداللہ عن یونس عن الزہری اس کے راویوں پر پہلے کلام ہو چکا ہے وہ سب مقبول ہیں۔

لیکن دونوں موقعوں میں فرق واضح ہے۔

پہلا موقع یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ہم نوا تھے۔

دوسرا موقع یہ ہے کہ ان کا کوئی امیر نہیں جس کی ہم نوائی کریں۔

یہ بات قیس کی فطرت وخصلت کے بھی خلاف ہے کہ اطاعت کی چادر کو تار تار کر دیں وہ قیس ہی کی ذات تھی جس نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مسلمانوں کے اختلاف کو دور کیا تھا اور اپنے باپ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور انہیں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن قریش کی عزت افزائی کے لیے ان کے باپ کے ہاتھ سے ان کی قوم کا عَلَم لے کر عطا کیا تھا۔

امیر معاویہ قیس پر اپنے مزید اعتماد کا اظہار کرتے ہیں:

ان کے پاس ایک رجسٹر مہر لگا کر بھیجا کہ آپ جو چاہیں اس میں لکھ دیں تسلیم کیا جائے گا۔ [1]

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس حد تک تساہل پر بڑا تعجب ہو رہا تھا وہ جانتے تھے کہ معاویہ کا پلہ بھاری ہے اور اب قیس ان سے جنگ کی پوزیشن میں نہیں تھے وہ سوچتے تھے کہ وہ قیس بن سعد سے جنگ کیوں نہیں کرتے کہ بزور طاقت انہیں زیر کریں یا قتل کریں۔

امیر معاویہ کا طریقہ آدمیوں کے پہچاننے اور ان کے معاملات سے آگاہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تھا وہ دلوں کے زخم پر ہاتھ پھیرنا چاہتے تھے اور صبر کی آخری حد تک وہ ایسے حل کی تلاش کرتے جو مطمئن کر سکے ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے کہ دشمنوں کا کانٹا توڑ دیا جائے یا ان کا استیصال کر دیا جائے لیکن جو باقی رہیں ان میں کینہ وبغض موجود رہے اور یہ کہ ان کے مصائب کو ختم کیا جائے ان کی تالیف قلوب کی جائے اور ان کی محبت ووفا حاصل کی جائے۔

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۲۵ روایت سابقہ۔

عمرو رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کو یہ موقع نہ دیجئے بلکہ جنگ کیجئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تشدد ٹھیک نہیں ہم انہیں قتل کریں گے تو اہل شام کے بھی اتنے ہی لوگ مارے جائیں گے۔ سوچو اس کے بعد زندگی میں کیا بھلائی ہے واللہ میں ان سے اس وقت تک جنگ نہیں کروں گا جب تک قتال کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہے۔ [1] یہ انتہا درجے کا حکیمانہ قدم تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس طریقے پر قیس کو مجبور کیا کہ اپنا سینہ امن و سلامتی کے لیے کھول دیں جب کہ اس سے پہلے وہ شدید طور پر ان سے برسر پیکار ہونے کے لیے تیار تھے۔

قیس رضی اللہ عنہ نے اس میں شرط لگائی کہ ان کو اور شیعان علی کو جانی اور مالی نقصانات کے سلسلے میں امان دی جائے اس رجسٹر میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے کوئی مال طلب نہیں کیا۔ انہوں نے جو سوال کیا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے پورا کیا۔ [2]

اس سے قطع نظر کہ یہ بلاشبہ ایک پرخطر کام تھا چنانچہ بہت سے لوگ تھے جن کے دلوں میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے کینے کی آگ روشن تھی اور بہت سے لوگ ایسے تھے جو ہر وقت ان کے خلاف جنگ کا محاذ کھولے رکھتے تھے لیکن ان سب کو پراگندہ کر کے امان دے دینا امیر معاویہ کی رعیت کے حق میں بڑا سودمند تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تصور میں قیس بن سعد کو حاصل کر لینا سب سے بڑا نفع تھا اس لیے کہ ان کے نزدیک قیس ایک لاکھ افراد کے برابر تھے اور یہ بات ان کے تدبر، صبر اور حکمت و شجاعت کے سبب تھی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبات پورے کیے اور اس طرح اس کوفہ میں داخل ہوئے جو مسلسل چار سال تک ان کا مخالف تھا اور وہ زخم مندمل ہو گیا جو عرصے سے باعث اذیت تھا۔

اور اب خارجیوں کی اولین ٹولیاں حرکت میں آئیں جب امیر معاویہ مقام نخیلہ میں تھے حروریہ فرقہ کے پانچ سو افراد جو فروہ بن نوفل اشجعی کے ساتھ شہر زور میں الگ ہو گئے تھے یہ کہہ کر سامنے آ گئے کہ اب وہ گھڑی آ گئی جس میں شبہ نہیں چنانچہ نکلو اور معاویہ سے جنگ

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۲۵ روایت سابقہ۔ [2] طبری: ج ۵ ص ۱۲۵ روایت سابقہ۔

کرو۔ پہلے اقدام میں انہوں نے کوفہ پر قبضہ کرلیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اہل کوفہ کو خارجیوں کے مقابلے سے علیحدہ رکھیں تو اہل شام کا ایک اسپ سوار (شاہسوار) دستہ بھیجا۔ دو گروہوں کا مقابلہ ہوا اور اہل شام شکست کھا کر واپس ہوئے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اسے دانشمندانہ طور پر حل کرنا ضروری ہے اور خوارج کے ساتھ جنگ میں ان کے بھائی اہل کوفہ ہی سے پائداری حاصل ہوسکتی ہے۔

انہوں نے سوچا کہ اللہ نے ان کو مشکلات کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ ایک وسیع دروازہ ہے اگر خوارج کی طرف سے اسے کھول دیا گیا تو بند نہ ہوسکے گا اور لشکر خلافت اگر ایسے ہی پسپا ہوتا رہا تو خارجیوں کو شام پر چڑھائی کرنے کے لیے جری کردے گا انہوں نے ایک قوی عزم کیا اور کوفہ میں اعلان کرادیا:

''بخدا! میرے پاس تمہارے لیے کوئی امان نہیں ہے تا آں کہ تم اپنی شر پسندی سے باز آجاؤ۔''

یہ ان تمام اہل کوفہ کے لیے بڑی دھمکی تھی جو معاویہ کے قبضے میں تھے تم اپنی تلواریں سنبھالو اور خارجیوں سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑو۔

خارجیوں نے کہا: افسوس! تم ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہو کیا معاویہ ہمارا اور تمہارا مشترک دشمن نہیں ہے؟ ہمیں اس سے جنگ کرنے دو اگر ہم اس پر غالب آگئے تو تمہاری طرف سے دشمن کے لیے کافی ہوں گے اور اگر وہ غالب آگیا تو تم ہمارے لیے کافی ہوگے۔

انہوں نے جواب دیا بخدا! ایسا ہرگز نہ ہوگا ہم تم سے جنگ کریں گے۔

خوارج نے جواب دیا: اے کوفہ والو! ہمارے برادران اہل ہنر پر اللہ رحم فرمائے وہ تمہارے بارے میں ہم سے زیادہ جانتے تھے۔ [1]

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۲۶ سن ۴۱ بروایت زیاد عن عوانہ۔

ان گفتگوؤں کا کوئی حاصل نہ نکلا اور جنگ ضروری ہوگئی۔

اہل کوفہ نے خوارج پر چڑھائی کی اور کوفہ کو دوبارہ خلافت کے قلم رو میں لوٹا لیا۔

بصرہ عراق کا دوسرا شہر تھا کیا اس شہر نے بھی آسانی سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کی؟

وہاں نقل وحرکت دوبارہ شروع ہوگئی۔ حمران بن ابان نے بصرہ پر قبضہ کرلیا اور وہاں اپنی حکومت چلانے لگا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوراً بنوقین کے ایک آدمی کو وہاں بھیجا۔

لیکن عراق کے ایک دانشمند اور تجربہ کار آدمی نے انہیں اس کی نصیحت نہیں کی تھی وہ باشعور شخصیت کون ہے؟

وہ ایک نئی شخصیت ہے جو اس سے قبل ان کے بڑے دشمنوں اور شدید مخالفین میں سے تھی لیکن اسلام جس نے اس نسل کو اجتماعی معیار پر تربیت دی تھی اسے عقیدے کی تابعداری سکھلائی تھی نہ کہ جذبات کی اور ذاتی رجحانات کی، وہ علی بن ابی طالب کے زبردست ہم نوا اور عربوں کے ایک مدبر رہنما تھے یعنی ترجمان القرآن حبر الامت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ بسر بن ارطاۃ کو بصرہ کا والی بنادیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ اور اہل بصرہ کے حالات سے سب سے زیادہ واقف تھے وہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اس کے والی رہے۔

بلاشبہ کوفہ تمام شہروں سے زیادہ خطرے کا مقام تھا۔ یہ خلافت کا پہلا مرکز اور شیعان علی رضی اللہ عنہ کا گڑھ تھا یہاں معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی خلافت کے لیے عظیم خطرات تھے۔

اس کے لیے موزوں شخص کون ہوسکتا ہے؟

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملے پر بہت غور وفکر کیا انہوں نے دیکھا کہ مصر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وجہ سے محفوظ اور مضبوط ہو چکا ہے لیکن انہیں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے دوسرے لوگ کہاں ملیں گے؟

انہوں نے سوچا کہ ان کے لڑکے عبداللہ کو یہ ذمہ داری دے کر آزمایا جائے چنانچہ کوفہ کا والی بنا دیا اس تجربے کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مشہور مدبر مغیرہ بن شعبہ نے ان سے ملاقات کی اور ابن عمرو کی گورنری کے حالات جاننے کے بعد ان سے کہا: آپ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ پر گورنر مقرر کیا اور عمرو کو مصر پر اس طرح آپ شیر کے دونوں جبڑوں کے بیچ میں آ گئے ہیں۔

شاید مغیرہ کی اس بات نے امیر معاویہ کے نزدیک کوئی اہمیت حاصل نہ کی لیکن کیا ان کے سامنے بیٹھے ہوئے یہ مغیرہ نہ تھے ثقیف کے تجربہ کار مدبر؟ کیوں نہ انہیں کوفہ کے سمندر میں پھینک دیا جائے جو آج کوفہ کے حالات سب سے زیادہ جاننے والے ہیں؟

یہ عجیب اتفاق ہے جب کوفہ امیر المومنین عمر بن خطاب کے لیے دردسر بنا ہوا تھا انہوں نے اپنا بوجھ مغیرہ بن شعبہ کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ اہل کوفہ کو کوئی امیر پسند نہیں آتا اسے کون ان کا مطیع بنائے گا؟

مغیرہ کوفہ کے لیے بہت سے تجربہ کار اور باوصف لوگوں کی تجویز پیش کرتے رہے لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ کے سوا کسی کو ان اوصاف کے حامل نہیں پایا۔ چنانچہ ان سے کہا:

جاؤ تم ہی اس کے لیے مناسب ہو۔

اس طرح مغیرہ کوفہ پر عمر رضی اللہ عنہ کے والی بن گئے عمر رضی اللہ عنہ کس قدر مردشناس تھے؟

یہ موقف معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے مکمل غور و فکر کا حامل تھا وہ مغیرہ کو دیکھتے، کوفہ کا جائزہ لیتے پھر وہ سمجھ جاتے کہ اس کے لیے وہاں کا مخصوص صاحب الرائے ہی مناسب ہو سکتا ہے انہوں نے فوراً حکم صادر کر کے عبداللہ بن عمرو کو معزول کر دیا اور مغیرہ کو کوفہ کا عامل مقرر کر دیا اس طرح یہ عبقری شخصیت امیر المومنین معاویہ کی صف میں مل گئی۔

تیسرا مدبر اور گھات کا شیر

بلاد اسلامیہ کے آخری مقام پر ایک شیر تھا جو موقع کے انتظار میں تھا جس سے معاویہ کو اندیشہ تھا یہ شخص ذکاوت و ذہانت میں قیس بن سعد یا عبداللہ بن عباس سے کم نہ تھا جنہوں نے بیعت و اطاعت کر لی تھی۔

وہ شیر زیاد بن امیہ تھا جس نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو مضطرب اور ان کی نیند اڑا رکھی تھی۔ انہیں ڈر تھا کہ فارس میں مسلمانوں کو لے کر علیحدگی نہ اختیار کر لے چنانچہ اس میدان میں انہوں نے ابتدائی قدم اٹھانے شروع کئے یہ اقدامات سیاست و انتظام اور تدبر میں ان کی عبقریت کی علامت ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ صفات بردباری اور عقل و دانائی کے ذریعے کس طرح انہوں نے زبردست مخالف کو اپنے قبضے میں کر لیا۔

سب سے پہلا قدم وہ خط تھا جو امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کے پاس بھیجا اس میں لکھا:

''تمہارے ہاتھ میں اللہ کے مالوں کا ایک حصہ ہے اور تم اس کے والی بنائے گئے ہو۔ لہٰذا جو مال تمہارے پاس ہے اسے ادا کرو۔ [1]

زیاد نے یہ خط پڑھا اور فوراً اس کا جواب اللہ کی حمد و ثنا کے بعد لکھا: میرے پاس کچھ مال باقی نہیں رہ گیا جو کچھ تھا اسے میں نے اس کی جگہ پر خرچ کر دیا بعض حصہ کسی ناگہانی آفت کے لیے کچھ لوگوں کے پاس امانت رکھ دیا ہے اور جو زائد بچا اسے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔'' [2]

معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ زیاد کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ انہیں نہیں مل سکتا چنانچہ انہوں نے پوری دوستی کے اظہار کا ارادہ کیا اور سوچا کہ تمام دشواریوں کو ان کے سامنے سے

---

[1] طبری: ج ۵، سن ۴۱ ھ بروایت احمد بن زہیر عن علی بن محمد عن سلیمان بن بلال عن جارود بن ابی حبرہ۔

[2] طبری: ج ۵، سن ۴۱ ھ، روایت سابقہ۔

ختم کر دیں چنانچہ لکھا:

"ہمارے پاس آؤ تا کہ ہم دیکھیں کہ کس چیز کے تم والی ہوئے اور کیا تم نے صرف کیا اگر ہمارے ساتھ معاملہ درست رہا تب تو ٹھیک ہے ورنہ تم اپنے مقام پر واپس ہو جانا۔"

لیکن زیاد فارس میں جما رہا، اپنے نیزے کو نرم نہیں کیا اور معاویہ کے پاس آنے کے لیے راضی نہیں ہوا۔ دشواری اسی طرح برقرار رہی جو معاویہ کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔

ایک روز معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کے بارے میں کہا: وہ ہر چھوٹی اور بڑی بات کے لیے ہے۔ تو اس کے ساتھ رہنے اور نہ رہنے میں کتنا فرق پڑے گا۔

بسر بن ارطاۃ کو خبر ملی کہ زیاد نے امیر المومنین کے بارے میں سختی کا اظہار کیا۔ سوچا کہ طاقت ہی وہ ہتھیار ہے جو باغی کو اس کی بغاوت سے روک سکتا ہے۔

انہوں نے جلدی کر کے زیاد کی تمام اولاد کو گرفتار کر لیا اور انہیں قید خانے میں ڈال دیا اور غضب ناک ہو کر زیاد کے پاس ایک پیغام لکھا:

تم امیر المومنین کے پاس آتے ہو یا تمہارے بیٹوں کو قتل کر دوں۔

یہ خط زیاد کے حلق میں اٹکے ہوئے لقمے کی مانند تھا لیکن اس کی مردانگی نے ذلیل لوگوں کی اطاعت سے انکار کیا۔ اسے غلاموں کی طرح امان طلب کرنا پسند نہ آیا۔ چنانچہ اس نے پیغام کا جواب زخموں سے چور دل کے ساتھ لکھا:

"جس جگہ میں ہوں وہاں سے ہٹ نہیں سکتا تا آں کہ اللہ میرے اور تمہارے امیر کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ میری جو اولاد تمہارے قبضے میں ہے اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو اس کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہمارے اور تمہارے بعد حساب و کتاب بھی ہے:

﴿وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [۲۶/الشعراء:۲۲۷]

"عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ کس چکر میں پھر رہے ہیں۔"

اس جواب سے غرض یہ تھی کہ بسر اللہ کے حکم کے خوف و شرم سے قتل کے ارادے سے باز آ جائے لیکن انہوں نے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ یہ خبر بصرہ میں پھیل گئی اور صحابی رسول حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی پہنچی جو زیاد کے ماں جائے بھائی تھے اور بھائی کے لڑکوں کے ساتھ ابوبکرہ کے لڑکے بھی قید کر دیئے گئے تھے۔

یہ ہرگز اتنا آسان نہیں ہے کہ وہ امیر کے پاس آئیں جب کہ انہوں نے اس سے پہلے ان کو ذلیل کیا۔ ایک روز بسر بصرہ کے منبر پر خطبہ دینے کھڑا ہوا اور اس نے علی رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کیا۔ پھر کہا:

"میں خدا کا واسطہ دلاتا ہوں کہ اگر کوئی جانتا ہے کہ میں سچا ہوں تو وہ میری تصدیق کرے اور اگر جھوٹا ہوں تو میری تکذیب کرے۔"

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم تجھے جھوٹا ہی جانتے ہیں۔

بسر نے حکم دیا اور لوگوں نے ان کا گلا گھونٹنا شروع کیا، ابولؤلؤ ضبی کھڑا ہوا اور خود کو ان کے اوپر ڈال کر انہیں بچایا پھر ابوبکرہ نے ایک قطعہ زمین اسے عطا کی۔

ابوبکرہ سے کہا گیا۔

ایسا کرنے سے آپ کی کیا غرض تھی؟ کہا۔ جب وہ ہمیں خدا کا واسطہ دے رہا ہے تو ہم اس سے سچی بات کیوں نہ کہیں۔ [1]

اس حادثے نے جس سے ان کی جان جانے کا خطرہ تھا ان کی پرانی یادیں تازہ کر دیں اور غم نے گھیر لیا وہ بسر کو اپنے ان بھائی کے لڑکوں کے قتل پر پوری طرح آمادہ دیکھ رہے تھے انہیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے اور اُن کے بھائی کے لڑکے اُن کے دروازے پر بے جان پڑے ہیں اور وہ ایک سہمے ہوئے شخص کی طرح نکلے اور پختہ ارادہ کیا کہ امیر کے پاس جائیں گے خواہ اس سلسلے میں انہیں اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۲۸ بروایت عمر بن شبہ عن علی بن محمد ۴۱ھ۔

رات بھر انہیں نیند نہیں آئی وہ فجر کا انتظار کر رہے تھے سورج کی کرنیں نمودار ہوتے ہی سوار ہو کر امیر کے پاس گئے۔ اجازت چاہی اور داخل ہونے کے بعد کہا:

تم نے میرے اور میرے بھائی کے لڑکوں کو بلا خطا غلام بنالیا حالانکہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اصحاب علی رضی اللہ عنہ کی امان پر خواہ وہ کہیں بھی ہوں صلح کی تھی لہٰذا ان پر اور ان کے باپ پر دست درازی کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔

بسر نے کہا: تمہارے بھائی پر کچھ مال آتا ہے جسے اس نے ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

انہوں کہا: اس پر کچھ نہیں ہے۔

بسر نے مزید گفتگو کرنی چاہی لیکن ابوبکرہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا: تم میرے بھائی کے لڑکوں سے اپنا ہاتھ روک لو میں ان کے چھٹکارے کے لیے معاویہ کے پاس سے تحریر لاؤں گا۔ جب انہیں یہ خیال آیا کہ انہوں نے اپنے اور بھائی کے بیٹوں کی زندگی کی ضمانت لے لی ہے تو برق رفتاری سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے آنے کی خبر پہلے مل گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ان کے ساتھ انتہائی عزت کا معاملہ کیا۔

اور فرمایا:

اے ابوبکرہ! کیا آپ ملاقات کے لیے یہاں آئے ہیں یا ہمارے پاس آپ کی کوئی ضرورت ہے۔

میں غلط بات نہیں کہتا ضرورت ہی سے آیا ہوں۔

اے ابوبکرہ! آپ کی سفارش قبول کی جائے گی ہمارے نزدیک یہ آپ کی برتری کی دلیل ہے اور آپ اس کے اہل ہیں ضرورت بیان کیجئے۔

میرے بھائی زیاد کو امان دیجئے اور بسر کے پاس لکھئے کہ اس کے لڑکے کو چھٹکارا دے اور ان سے تعرض نہ کرے اس طرح جس وقت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا بسر بن ارطاۃ کے پاس گلا

گھونٹا جا رہا تھا۔ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس وہ معزز و مکرم تھے۔

معاویہ بے حد فراغ دل تھے جو دائرہ انہیں محیط تھا اس سے زیادہ وسیلے تھے اسلامی مملکت کی نگرانی میں نرمی اور عدل پروری کا دور دورہ تھا خون ریزی کا سیلاب یہاں ہمیشہ کے لیے رک گیا وہ ابوبکرہ صحابی رسول رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہیں ان سے نرمی برتتے ہیں ان کے عظیم وجدان پر رقت پیدا ہوتی ہے اور ان کی عزت و تکریم کرتے اور ان سے کہتے ہیں:

بنو زیاد کے لیے آپ جو چاہتے ہیں میں لکھ دیتا ہوں۔ لیکن زیاد کے ہاتھ میں مسلمانوں کا مال ہے اگر وہ ادا کر دے تو اس سے کوئی تعرض نہیں ہے۔

اے امیر المومنین! اگر اس کے پاس کچھ ہے تو ان شاء اللہ اسے آپ سے نہیں روکے گا چنانچہ معاویہ نے بسر کے پاس ابوبکرہ کے لیے ایک خط لکھا کہ زیاد کے لڑکے سے کوئی تعرض نہ کرے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے مبارک ساعت سمجھتے ہوئے سوچا کہ نبوت کے عظیم سرچشمے سے سیراب ہوں جس کے فیض یافتہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چنانچہ ابوبکرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے ابوبکرہ! کیا ہمیں آپ ذمہ داری کا کوئی کام بتائیں گے۔

کہا ہاں۔ اے امیر المومنین تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم اپنی اور اپنی رعیت کی حفاظت کرو اور نیک عمل کرو اس لیے کہ تم نے بہت بڑی ذمہ داری اٹھائی ہے یعنی مخلوق میں اللہ کی خلافت۔ اللہ کا تقوی اختیار کرو تمہاری ایک حد ہے اس سے تجاوز نہ کرو تمہارے پیچھے ایک آہستہ رو طالب رہے قریب ہے کہ تم انتہا کو پہنچ کر طلب کرنے والے سے مل جاؤ اور اس کے پاس پہنچ جاؤ جو تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے سوال کرے جو تم سے زیادہ اس کا جاننے والا ہے یہ ایک محاسبہ اور مہلت ہے لہٰذا اللہ کی رضا پر کسی چیز کو ترجیح مت دو [1]

ساتواں دن طلوع ہوا۔ یہ ابوبکرہ کے لوٹنے کا آخری دن تھا کوفہ کے مسلمانوں پر غم

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۲۹۔

کا بادل چھانے لگا اس ڈر سے کہ بسر بن ارطاۃ اپنی دھمکی پوری کریں گے۔

سورج نکلا اور بسر زیاد کے بیٹوں کو باہر نکال کر سورج کے غروب ہونے کا انتظار کرنے لگا تاکہ وعدے کے وجوب پر انہیں قتل کر دیں۔

لوگ اکٹھے ہو گئے ان کی آنکھیں ابوبکرہ کے انتظار میں گڑی ہوئی ہیں۔ اچانک دیکھتے ہیں کہ ایک اصیل باربرداری کے گھوڑے پر تیزی سے چلے آ رہے ہیں۔

وہ اس پر کھڑے ہو گئے پھر اس سے اترے اور اپنے کپڑے سے اشارہ کیا تکبیر پڑھی اس کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی تکبیر پڑھی پھر تیز رفتاری سے بسر کے پاس پہنچے اور انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط دیا چنانچہ انہوں نے محبوس کو رہا کر دیا۔

اس طرح امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنی زیاد کو رہائی دلوائی ایک جلد باز آدمی کو امیر معاویہ کے اس تصرف میں جلد بازی نظر آتی ہے لیکن ان کا صبر اور بردباری تمام دشواریوں کو پارہ پارہ کر دیتی ہے وہ مصائب اور دشواریوں ہی کے لیے پیدا کئے گئے تھے جیسا کہ انہوں نے خود اپنے بارے میں کہا ہے اس کے باوجود یہ دشواری ان کے لیے بڑی ہمت شکن تھی۔

چند مہینے انتظار کیا کہ شاید ابوبکرہ زیاد کو بیعت پر راضی کر لیں لیکن کچھ حاصل نہ نکلا ایک رات وہ بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے اور نیند اچاٹ تھی۔ زیاد ان لوگوں میں سے نہیں تھا جن کو نظر انداز کیا جائے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس ارادے کے بارے میں لوگوں سے اطمینان حاصل کرنا چاہا اس کے لیے کس کو طلب کیا جائے چنانچہ عرب کے مدبر مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس آئے ان کو گرم جوشی سے خوش آمدید کہا ان کے پاس وہ شخص حاضر ہوا جسے وہ اپنی تکلیف بتا سکیں۔ شاید ان کے ارادے پر معاون ہو سکیں۔ ثقیف کے لوگ چالاک ہوتے ہیں شاید کہ مغیرہ کی دانشمندی ان دشوایوں کو حل کر دے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب انہیں دیکھا تو یہ اشعار پڑھے:

اِنَّمَا مَوْضَعُ سِرِّ الْمَرْءِ اِنْ بَاحَ بِالسِّرِّ اَخُوْهُ الْمُنْتَصِحُ

''اگر آدمی اپنا راز افشا کرے تو اپنے ایسے بھائی پر کرے جو اس کا خیر خواہ ہو۔''

فَـاِذَا اَبَـحْـتَ بِسِـرٍّ فَـالٰـی نَـاصِـحٍ یَّسْتُـرُهٗ اَوْلَا تَبِـحْ

''اگر تم اپنا راز افشا کرو تو ایسے خیر خواہ سے کرو جو اسے چھپالے یا پھر اسے افشا نہ کرے۔''

ہم نے مغیرہ کو دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ کی قربت کے دور میں فتنے کی ابتدا کے وقت ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول نہ کریں اس لیے کہ انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور شام میں ان کی طاقت کا علم تھا پھر انہوں نے فتنے سے علیحدگی اختیار کی لیکن اس وقت وہ امیر المومنین کے پاس تمام طاقتوں اور عبقریت کے ساتھ موجود تھے اور اس وقت کوفہ کے گورنر تھے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے جب کچھ پریشان خاطر دیکھا تو ان سے کہا:

امیر المومنین اگر آپ وہ راز بتائیں گے تو مجھے اس بارے میں ناصح، شفیق، متقی اور قابل اعتماد پائیں گے۔

اے امیر المومنین! وہ راز کیا ہے؟

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے فارس میں زیاد کی بحفاظت اقامت اور یہاں آنے سے گریز کی وجہ سے رات بھر نیند نہیں آتی۔

مغیرہ نے چاہا کہ زیاد کی حیثیت اور اسے متوقع خطرے کو معمولی بنا کر خلیفہ کی پریشانی کو کم کریں۔

چنانچہ انہوں نے کہا:

اے امیر المومنین! زیاد کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ درماندگی بری سواری ہے۔

عرب کا ایک مدبر جس کے پاس بہت سامال ہے جو فارس میں قلعہ بند ہو کر تدبیر و حیلے میں مصروف ہے۔ کیا خبر اس خاندان کے کسی فرد سے بیعت کر کے پھر نئے طور پر جنگ برپا کر دے۔

مغیرہ: امیر المومنین! کیا آپ مجھے اس کے پاس جانے کی اجازت دیتے ہیں۔

ہاں۔ تم ان کے پاس جاؤ اور نرمی کا معاملہ کرو۔

مغیرہ نے اپنی سواری تیار کی ضرورت کا سامان اکٹھا کیا اور فارس کی طرف چل دیئے۔

فارس میں مغیرہ نے زیاد کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

اس نے پوچھا دروازے پر کون ہے؟ کہا گیا مغیرہ بن شعبہ۔ وہ دوڑتا ہوا نکلا تا کہ اپنے عظیم مہمان مغیرہ بن شعبہ کا استقبال کرے جس سے ایک لمبی مدت سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ زیاد نے کہا پیش رو (خوش آمدید) کامیاب ہو۔

مغیرہ نے اسے غنیمت کا موقعہ سمجھا کہ اتنی قربت اور اعزاز حاصل ہونے کے بعد عرض مدعا کریں۔

مغیرہ نے کہا: آپ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب مجھے تمہارے پاس بھیجا تو ڈر وخوف کو کمتر اور ذلیل چیز سمجھا۔

مغیرہ تھوڑی دیر خاموش رہے اور زیاد کے چہرے پر اس بات کی تاثیر پڑھنے لگے انہوں نے جب اسے ہمہ تن گوش پایا تو آگے کہا:

وہ نہیں جانتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کے علاوہ اس معاملے کی طرف کوئی اور ہاتھ بڑھائے گا اور حسن رضی اللہ عنہ نے اب بیعت کر لی ہے۔

پھر انہوں نے نظر چرا کر زیاد کے چہرے کو غور سے دیکھا جب اسے پوری طرح متوجہ پایا۔

تو پھر کہا: استقرار سے پہلے اپنا انتظام کر لیجئے پھر معاویہ آپ سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

زیاد نے کہا مجھے مشورہ دیجئے۔ اصل مطلب واضح کیجئے اور فضول باتیں چھوڑیئے اس لیے کہ مشیر امانت دار ہے۔

مغیرہ نے کہا: اصل رائے بری ہے اور کنارے میں کوئی خیر نہیں۔

میرا خیال ہے کہ آپ ان کے پاس چلیں اور ان سے اتحاد کر لیں۔

زیاد نے کہا: سوچوں گا فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔

اور مغیرہ وہاں سے لوٹ آیا۔

ابھی تھوڑی ہی رات گزری تھی کہ زیاد نے ایک خط امیر المومنین کی طرف سے پایا اسے چاک کیا تو اس میں تحریر تھا:

کس لیے تم خود کو تباہ کر رہے ہو، میرے پاس آ ؤ اور اپنے تمام اموال کی خبر دو کہ کتنا مال جمع کیا اور کتنا صرف کیا اور اب کتنا باقی ہے تم پوری طرح محفوظ رہو گے اگر ہمارے پاس رہنا پسند کرو تو یہیں ٹھہر جانا اور اگر اپنے مقام امن کی طرف لوٹنا چاہو تو لوٹ جانا۔

یہ مکتوب فیصلہ کن ثابت ہوا۔ زیاد نے سوچا کہ مغیرہ کو بھیجنا اور اپنے ہاتھ سے خط لکھنا دونوں باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ میری سلامتی کے خواہاں ہیں۔ چنانچہ بلا تردد رخت سفر کا عزم کیا اور ہر طرح کے سرد و گرم برداشت کرتا دشوار گزار پہاڑیوں اور فارس کی وسعتوں کو طے کرتا ہوا شام پہنچا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہاں اترا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک طویل انتظار کے بعد یہ ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے زیاد کا شاندار استقبال کیا اور بڑے اعزاز سے پیش آئے۔ پھر اس موضوع پر آئے جوان کے لیے باعث اضطراب تھا یعنی اس مال کا موضوع جس کے ذریعہ زیاد سلطنت کو ہلا سکتا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیروں سے زمین کھسکا سکتا تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ خوف بجا تھا۔ چنانچہ سیاہ علم والی وہ جماعتیں جو فارس سے آئیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ایک آدمی سے بیعت کی انہیں جماعتوں نے تقریباً سو سال کے بعد اموی سلطنت کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔

معاویہ نے زیاد سے اس کے پاس فارس سے آئے ہوئے مالوں کے بارے میں

سوال کیا زیاد نے جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔ اس کی خبر دی نیز جو دیگر ضرورتوں میں صرف ہوا تھا اسے بھی بتایا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس صرفے کی اور جو کچھ اس کے پاس باقی تھا اس کی تصدیق کر دی اور بقیہ اس سے لے لیا اور کہا:

تم ہمارے خلفا کے امین آدمی تھے۔ [1]

زیاد نے کہا اے امیر المومنین! تولیت سے پہلے میرے پاس مال تھا میں نے یہ مال باقی رکھنا چاہا اور تولیت سے جو کچھ میں نے لیا وہ چلا گیا۔

مغیرہ زیاد کی خبروں کا پتا لگایا کرتے تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ امیر المومنین کے پاس جا رہا ہے تو وہ بھی شام کی طرف چل دیئے اور زیاد سے ایک مہینے بعد تاخیر کر کے پہنچے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مغیرہ! تمہارے مقابلے میں زیاد کی دوری تقریباً ایک ماہ کی مسافت کی مقدار ہے تم اس سے پہلے نکلے لیکن وہ تم سے پہلے پہنچ گیا۔

کہا اے امیر المومنین ماہر آدمی جب ماہر سے گفتگو کرتا ہے تو دلیل سے اسے خاموش کرتا ہے۔

کہا اچھا محتاط ہو جاؤ اور اپنا راز مجھے بتاؤ۔

مغیرہ نے جواب دیا:

کہ زیاد آیا تو اسے زیادتی کی امید تھی اور میں آیا تو مجھے نقصان کا ڈر تھا اس طرح یہ تینوں مدبرین اکٹھے ہو گئے ان میں چوتھے شخص عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے جو مصر میں وقت کے منتظر تھے دوسرے دو مدبرین کے سلسلے میں معاویہ نے صرف مشورہ پر اکتفا کیا جو حکمت و تدبر کے پہاڑ تھے لیکن زیاد اب بھی تجربے اور آزمائش کے مرحلے میں تھا۔

زیاد نے معاویہ سے کوفہ میں اقامت کے لیے جانے کی اجازت چاہی انہوں نے احتیاط کی شرط پر اجازت دے دی۔

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۷۸، بروایت ابن جریر عن عمر بن شبہ (ثقہ) عن علی بن محمد (صدوق) عن مسلمہ بن محارب۔ (جن کا نام نہیں)

خلیفہ یہ جانتے تھے کہ کوفہ ان کے دشمنوں کا گڑھ ہے وہ اگرچہ بیعت وولایت کو تسلیم کر چکے ہیں لیکن ان کے دل دشمنی کی طرف مائل ہیں۔

زیاد کوفہ آیا۔ معاویہ کی خبریں اسے برابر پہنچ رہی تھیں۔ زیاد یہ جانتا تھا کہ معاویہ اس کا تتبع رکھیں گے چنانچہ اس نے نرم رویہ اختیار کیا اور خود کو امیر کوفہ مغیرہ بن شعبہ سے منسلک کر رکھا معاویہ کے پاس بعض خبریں پہنچیں کہ زیاد کبھی کبھی جماعت سے رہ جاتا ہے انہوں نے فوراً ایک خط بھیجا۔

زیاد سلیمان بن صرو، حجر بن عدی، شیث بن ربعی، ابن الکراء اور عمرو بن الحمق کو نماز باجماعت کے لیے لے لیا کرو۔

وہ سب حضرات ان کے ساتھ نماز میں حاضر ہوتے تھے۔

مغیرہ چاہتے تھے کہ زیاد کی زیادہ سے زیادہ عزت واکرام کریں چنانچہ جب نماز کا وقت ہوتا تو اس سے کہتے آپ نماز پڑھائیے۔

وہ جواب دیتا کہ آپ پڑھائیں اپنے دائرہ ولایت میں آپ مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔ [1]

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۸۰، بروایت عمر بن شبہ عن علی بن محمد عن سلیمان بن ارقم، یہ روایت ضعیف ہے۔

شیعان علی گمراہ خارجیوں کے مقابلے میں

معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تیسرا سال گزر رہا تھا۔ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات مٹ چکے تھے یا مٹنے کے قریب تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری نے تمام دشواریاں دور کر دیں تھیں۔ اب وقت آ گیا تھا کہ جہاد کے لیے نئے سرے سے کوشش شروع ہو۔ جب کہ چار سال بلکہ اس سے زیادہ مدت سے یہ سلسلہ معطل ہو گیا تھا۔ اب ابتدا کی طرف لوٹنا تھا چنانچہ ارض روم پر غزوات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کا بصرہ سے تبادلہ کر کے اسلامی سرحدوں پر لشکر کی قیادت کے لیے مقرر کیا یہ حکومت میں سخت تھے لہٰذا یہ سختی اللہ کے دشمنوں پر ہونی چاہیے۔ اب معاویہ مسلمانوں کے مسائل کی طرف متوجہ ہوئے اس سال جس حادثے نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دھکا پہنچایا وہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہے جو ارض مصر میں ان کی طرف سے انتظام سنبھالے ہوئے تھے۔ چنانچہ فوراً ان کے لڑکے عبداللہ کو وہاں کا والی بنا دیا جو پرہیز گاری اور تقویٰ شعاری میں بے مثل تھے۔ [1]

---

[1] عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سکرات موت کے وقت کی کیفیت یہ ہے کہ امام احمد نے عبدالرحمن بن شماسہ سے روایت کی ہے کہ جب وفات کا وقت آیا تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رو پڑے ان کے لڑکے عبداللہ نے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں کیا موت کا ڈر ہے؟

کہا نہیں بلکہ موت کے بعد کا خوف ہے۔ عبداللہ نے کہا آپ تو بھلائی پر تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور شام کی فتح کا ذکر فرمایا۔ عمرو نے کہا: تم نے ان سب سے بہتر چیز چھوڑ دی یعنی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت پھر عمرو اپنی زندگی کے سلسلے کا جائزہ لینے لگے فرمایا: میری زندگی کے تین مرحلے ہیں۔ ہر ایک مرحلے میں میں نے خود کو پہچانا۔ میں قریش میں کفر میں پیش پیش تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت متشدد تھا اگر اس حال میں مر جاتا تو یقیناً جہنمی ہوتا۔

لیکن جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی تو سب سے زیادہ حیا میں آپ سے کرتا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا اور نہ اپنے کسی ارادے میں آپ سے مراجعت کی۔ میں نے ایسا شرم کی وجہ سے کیا یہاں تک کہ آپ اللہ سے جا ملے۔

اگر میں اس وقت انتقال کر جاتا تو لوگ کہتے عمرو کو مبارک ہو کہ وہ اسلام لایا اور خیر پر قائم رہا اور اسی پر مر گیا ہم اس کے لیے جنت کی امید کرتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی عرصہ میں ایک بڑا داخلی خطرہ درپیش ہوا کہ عراق میں خارجیوں نے ایک انقلابی شورش برپا کی لیکن اس حادثے میں انہیں زیادہ الجھن نہ تھی اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ مغیرہ بن شعبہ دشواریوں پر قابو رکھنے والے ہیں۔

مغیرہ نے اپنی عبقریت سے کام لیتے ہوئے شجاعت و بہادری میں منفرد اشخاص کو خوارج سے جنگ کے لیے روانہ کردیا ان کی بغاوت کا علم ہونے کے بعد اپنے اقدام کے آغاز میں کہا:

"لوگو! تم جانتے ہو کہ میں ہمیشہ تمہارے لیے امن و عافیت ہی چاہتا ہوں اور تمہیں تکلیف سے بچاتا ہوں بخدا! مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ چیز تم میں سے احمق لوگوں کو بدآموز نہ کردے مگر بردبار اور پرہیزگار لوگوں سے اس کی امید نہیں ہے۔ بخدا! مجھے اندیشہ ہے کہ احمق اور جاہل لوگوں کے سبب سے بردبار اور پرہیزگار لوگوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں۔"

یہ مغیرہ کی سیاست میں نئی تبدیلیوں کا پیش خیمہ تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کے علاوہ کوئی بھی شخص [1] اہل کوفہ کی نفسیات کی حقیقت جاننے اور ان کی دشواریوں کو حل کرنے میں ان کے پائے کا نہیں تھا۔ مغیرہ وہ ہی ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کی دشواری حل کرنے کے لیے منتخب فرمایا تھا، اہل کوفہ نے خاص طور سے اس وقت خوف محسوس کیا:

(بقیہ حاشیہ ۞) پھر اس کے بعد حکومت اور امور دنیا میں مشغول ہوا اب مجھے معلوم نہیں کہ اس کا مجھے نقصان ہوگا یا فائدہ۔ لہٰذا جب میں مر جاؤں تو کوئی عورت مجھ پر گریہ نہ کرے میرے پیچھے کوئی ستائش کرنے والا نہ چلے اور نہ آگ لے جائی جائے میرے اوپر میرا تہ بند باندھ دینا کہ مخاصم ہوں گا میرے اوپر مٹی آہستہ سے ڈالنا میرا دایاں پہلو بائیں پہلو سے زیادہ مٹی کا حق دار نہیں ہے میری قبر میں کوئی لکڑی یا پتھر مت رکھنا جب تم مجھے دفن کرو تو میری قبر کے پاس اونٹ کے ذبح کرنے کی مقدار ٹھہر جانا تا کہ میں تمہاری وجہ سے انسیت حاصل کروں۔ مسلم نے اپنی صحیح میں یزید بن ابی حبیب سے یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ شاید یہ جائزہ جو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے تین اصول کے بارے میں پیش کیا اس سے معاویہ کے ساتھ ان کے موقف کے متعلق ان کی نفسیات کی ایک تقریر سامنے آتی ہے انہوں نے اجتہاد کیا۔ انہیں نہیں معلوم کہ درستگی کو پہنچے یا خطا کی انہوں نے وسعت بھر حق کی جستجو کی وہ اب اللہ سے مغفرت کے طالب ہیں اگر ان سے حق کے پانے میں چوک (غلطی) ہوگئی ہے۔

[1] طبری: ج۵ ص۱۸۲، ۴۳ھ

جب گفتگو میں شدید ڈانٹ پھٹکار اور فیصلہ کن لہجے کو دیکھا مغیرہ کہہ رہے تھے:

لوگو! اپنے احمق لوگوں کو اس وقت کے آنے سے پہلے روک لو جب مصیبت سب کے لیے عام ہو جائے مجھے بتایا گیا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ شہر میں اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں بخدا! ایسے لوگ عرب کے جس خاندان میں بھی ملیں گے میں انہیں ہلاک کر دوں گا اور بعد میں لوگوں کے لیے نمونہ عبرت بنا دوں گا۔

میں اس جگہ حجت قائم کرنے اور تنبیہ کر دینے کے لیے کھڑا ہوا ہوں۔ [1]

کوفہ کے ایک بڑے سردار معقل بن قیس ریاحی جو شیعان علی میں مقتدر شخصیت رکھتے تھے حرکت میں آئے انہوں نے کہا:

اے امیر! کیا ان لوگوں میں سے کسی کا نام لیا گیا ہے اگر نام لیا گیا ہے تو ہمیں بتایئے کہ وہ کون ہیں اگر وہ ہم میں سے ہیں تو آپ کی طرف سے ہم ان کے لیے کافی ہیں اور اگر ہمارے علاوہ ہیں تو ہمارے شہر کے اہل اطاعت کو حکم دیجئے کہ وہ آپ کے پاس اپنے اپنے قبیلے کے احمق لوگوں کو پکڑ کر لائیں۔

مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے کسی کا نام نہیں بتایا گیا ہے لیکن مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ ایک جماعت نے شہر میں بغاوت پھیلانے کا ارادہ کیا ہے۔

معقل نے جواب دیا اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ میں اپنی قوم میں چلتا ہوں اور ایسے لوگوں سے نمٹ لیتا ہوں اسی طرح تمام سردار اپنی قوم کے ساتھ کریں۔

مغیرہ نے یہ بات معقل بن قیس کے منہ سے اچک لی اور کہا جاؤ اور سرداران کوفہ کو ایک رازدارانہ اجتماع کی دعوت دے آؤ۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو مغیرہ نے کھڑے ہو کر تقریر کی:

کہ جو معاملہ تھا وہ آپ سب لوگوں نے جان لیا اور میں نے جو کچھ کہا وہ سن لیا لہٰذا ہر قبیلے کا سردار میری طرف سے اپنی قوم کی ذمہ داری لے ورنہ اس ذات کی قسم جس کے سوا معبود نہیں ہے میں تمہاری جانی ہوئی باتوں سے نامانوس باتوں کی طرف اور تمہاری

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۱۸۲،۴۳ ھ۔

پسندیدہ باتوں سے ناپسندیدہ باتوں کی طرف پھر جاؤں گا۔ پھر ملامت کرنے والا خود کو ملامت کرے گا جس نے تنبیہہ کردی وہ معذور ہے۔ [1]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب اس تنبیہہ سے فارغ ہوئے اور رؤسا اپنے قبیلوں کی طرف جانے کے لیے حرکت میں آئے تو انہوں نے ان لوگوں کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دلایا اور جو فتنے بھڑکاتے اور افتراق پیدا کرتے ہیں ان کی خبر کا مطالبہ کیا۔

مغیرہ کا یہ اقدام زبردست طور پر کامیاب ہوا شیر اپنی جھاڑیوں سے نکلے اور فوجی دستے جنگ کے لیے بہادری کے ساتھ پیاپے (پے درپے) نکلے گویا کہ حضرت علی امیرالمومنین رضی اللہ عنہ ان کی قیادت کررہے ہیں۔

قبیلہ عبد قیس کا رئیس صعصعہ بن صوحان تقریر کررہا تھا اور خوارج اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے:

یقیناً اللہ نے جس کے لیے بے پناہ حمد ہے جب مسلمانوں میں فضل و برتری کی تقسیم کی تو اس کا بہترین حصہ تمہیں دیا اور تم نے اللہ کے اس دین کو اختیار کیا جو اس نے خود اپنے لیے اور اپنے فرشتوں اور پیغمبروں کے لیے پسند کیا ہے پھر تم اس پر قائم رہے یہاں تک کہ اللہ نے اپنے رسول کو اپنے پاس بلالیا پھر لوگوں نے اختلاف کیا تو ایک گروہ حق پر قائم رہا اور دوسرا گروہ مرتد ہوگیا ایک گروہ نے مداہنت کی اور ایک نے انتظار کو اپنایا تم اللہ کے دین اور اس کے رسول پر ایمان کے پابند رہے تم نے مرتدوں سے جنگ کی یہاں تک کہ دین قائم ہوگیا اور اللہ نے ظالموں کو ہلاک کردیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر چیز میں اور ہر حال میں تمہیں بھلائی عطا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ امت میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ ایک گروہ نے کہا کہ ہم طلحہ اور زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو چاہتے ہیں۔ ایک نے کہا: ہم اہل مغرب کو چاہتے ہیں ایک گروہ نے کہا کہ ہم عبداللہ بن وہب راسبی ازدکو چاہتے ہیں:

---

[1] طبری: ج۵ص ۱۸۲، ۱۸۳، ۴۳ھ۔

اور تم نے کہا کہ ہم صرف اہل بیت کو چاہتے ہیں اللہ نے اپنی توفیق سے ہمیں اولین برتری عطا کی آج تک تم اس حق پر قائم ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذریعے اور ان لوگوں کے ذریعے جو تمہاری طرح ہدایت پر تھے جنگ جمل کے دن وعدہ توڑنے والوں اور نہر کے دن بددین ہو جانے والوں کو ہلاک کر دیا۔ اس نے اہل شام کے ذکر سے سکوت اختیار کیا اس لیے کہ دبدبہ اس وقت انہیں کا تھا۔

اللہ کی، تمہاری، تمہارے نبی کے اہل بیت کی اور مسلمانوں کی جماعت کی بدترین دشمن یہی گمراہ جماعت ہے۔ جنہوں نے ہمارے امام کو جدا کیا۔ ہمارا خون حلال کیا اور ہمیں کافر ٹھہرایا۔

خبردار! تم انہیں اپنے گھروں میں پناہ دینے سے بچو۔ ان کا حال مت چھپاؤ، قبائل عرب میں سے ہر خاندان کے لیے یہ لازم ہے کہ اس گمراہ جماعت کی دشمنی میں سب سے بڑھ کر ہو بخدا! مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ ایک قبیلہ میں ہیں اور میں اس سلسلے میں تحقیق کر رہا ہوں اگر یہ بات درست نکلی تو میں ان کے خون سے اللہ کی قربت طلب کروں گا اس لیے کہ ان کا خون حلال ہے'' پھر کہا:

''اے عبدالقیس کے لوگو! ہمارے یہ والی تمہیں اور تمہارے خیالات کو زیادہ جانتے ہیں اس لیے انہیں اپنے خلاف کوئی راستہ نہ دو کیونکہ وہ تمہارے اور تم جیسے لوگوں کی طرف بہت جلد پہنچ سکتے ہیں۔''

پھر ایک طرف بیٹھ گیا۔ [1]

صعصعہ کے لیے ضروری تھا کہ اپنی قوم کے موقف کا جائزہ لے تاکہ انہیں اس سیدھی راہ پر لگا سکے جس کی ذمہ داری ان لوگوں نے اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے کے وقت ہی سے قبول کی ہے وہ اس پوزیشن میں ہو گیا کہ اپنی قوم کو خوارج کے مقابلے میں ایک متحدہ صف میں کھڑا کر دے وہ حق کے لیے اس وقت بہت جری تھا۔ جب اس نے اہل بیت

[1] طبری: ج ۵، ص ۱۸۶۔

کی نصرت کی بات کہی تھی وہ مع اپنی قوم کے انہیں کے متبعین میں تھا اس وقت ہر خاندان کے رئیس کی طرف سے اسے موافقت حاصل ہو گئی انہوں نے کہا: اللہ ان پر لعنت کرے اور ان سے بری ہو، ہرگز نہیں، بخدا! ہم انہیں پناہ نہیں دیں گے اور اگر ہم نے ان کی جائے رہائش کی خبر پائی تو تمہیں اس کی اطلاع دیں گے۔

سوائے سلیم بن محدوج کے جس نے اپنے پاس خوارج کو چھپا رکھا تھا وہ اپنے گھر گیا لیکن اس کے سینے میں غم واندوہ کروٹیں لے رہا تھا گھٹن اس کی سانسوں کو اکھیڑے دے رہی تھی۔ خوارج اس کی یہ صورتحال دیکھ کر بھانپ گئے۔ چنانچہ فجر طلوع ہونے تک ان کے گھر میں کسی کا پتا نہ تھا۔ [1]

وہ سب وہاں سے بہت دور چلے گئے اور کوئی باقی نہ رہا سلیم کے لیے بہتر یہ تھا کہ فتنہ کو گھیرنے کے لیے زمین ہموار کرتا اور انہیں منتشر ہونے سے پہلے پکڑ لیا جاتا وہ جہاں بھی جاتے اور کہیں بھی ٹھہرتے ان کے ساتھ پھیلتا مگر اس نے اپنے پیمان کو توڑ کر بھروسا کرنے والے کے ساتھ بے وفائی سے انکار کر دیا اور اب اس کے سامنے کوچ کے علاوہ کوئی حل نہیں تھا۔

لیکن صعصعہ بن صوحان کو ہوش آ گیا اور صبح ہی کو مغیرہ بن شعبہ کے پاس گیا اس کے دل میں مختلف خیالات امڈ رہے تھے؟

تمہارا خیال ہے کہ خوارج کے مقابلے میں جو حملہ ہو گا اس کی قیادت تمہیں سونپی جائے گی؟

لیکن اس کے اور امیر کے درمیان کچھ ملامتیں ہیں۔ آل بیت کی محبت اس کے دل میں مشتعل ہے۔ امیر نے کتنی بار اسے نصیحت کی کہ عام مجالس میں ان کی مدح سے باز آ جائے لیکن سب بے فائدہ، نیز یہاں دو اور مد مقابل اشخاص اس گمراہ فرقے کے مقابلے میں حملے کی قیادت کے خواہشمند موجود ہیں لیکن کوئی حرج نہیں وہ خود کو اس عظیم خدمت کے لیے پیش کرے گا۔

---

[1] طبری ج ۵ ص ۱۸۷۔

صعصعہ امیر کی مجلس میں پہنچا مجلس میں موقع نکلنے سے پہلے اس نے خوارج کے حملے کی قیادت کے لیے خود کو پیش کیا اس وقت امیر کے عتاب سے متعلق اپنے شکوک کو دفع کرنے کی وہ کوشش کر رہا تھا لیکن ممکن نہ تھا کہ امیر کوفہ کی مجلس میں گفتگو کی ابتدا کرے اس لیے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔

چنانچہ وہ موقع آ گیا امیر نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد گفتگو شروع کی ان کے اردگرد روسا بیٹھے ہوئے تھے اس بد بخت گروہ کو ہلاکت اور بری رائے نے باہر نکالا ہے تمہارے خیال میں ان کی طرف کس کو بھیجوں گا؟

عدی بن حاتم نے کہا ہم میں سے ہر ایک ان کا دشمن اور ان کے خیالات کو احمقانہ تصور کرتا ہے۔ ہم سب آپ کے اطاعت شعار ہیں ہم میں سے جس کو چاہیں ان کی طرف بھیج دیجیے۔

معقل بن قیس نے کہا: آپ اپنے اردگرد جتنے اشراف کوفہ کو دیکھ رہے ہیں جس کسی کو بھیجیں گے ان کو مطیع فرمان پائیں گے اور ان سب کی ہلاکت کو پسند کرنے والا دیکھیں گے۔

میں سمجھتا ہوں اللہ آپ کو سلامت رکھے کہ ان کی طرف بھیجے گئے لوگوں میں سے زیادہ ان کا دشمن اور متشدد اور کسی کو نہیں پائیں گے لہٰذا مجھے بھیج دیجیے اللہ کے حکم سے میں آپ کے حق میں ان کے لیے کافی ہوں گا۔ مجلس میں طویل گفتگو کے بعد امیر مغیرہ بن شعبہ معقل بن قیس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اللہ کا نام لے کر نکلو۔ مغیرہ نے اس کے لشکر کے ایک سردار قبیصہ کو طلب کیا اور اس کے ذمہ فوج کی تیاری کا کام سونپا اور کہا:

شیعان علی کو ساتھ لو اور معقل بن قیس کے ساتھ نکلو کہ وہ ان کے سرداروں میں سے تھا جب شیعوں کے پاس یہ خبر بھیجو گے سب اکٹھے ہوں گے آپس میں اظہار انس و نصیحت کریں گے اور وہ اس گمراہ فرقے کے خون بہانے میں سب سے زیادہ سخت اور دوسروں سے اس معاملے میں جری ہیں اور وہ اس سے پہلے لڑائی بھی کر چکے ہیں۔

قبیصہ کے بارے میں مغیرہ کا حسن ظن صحیح تھا انہوں نے تین ہزار فوجی تیار کیے جو

شیعان علی کے مغز اور شہسوار تھے۔ معقل بن قیس مغیرہ کے پاس سلام کرنے اور رخصت ہونے کے لیے آئے مغیرہ نے ان سے کہا: اے معقل! میں نے تمہارے ساتھ کوفہ کے شہسواروں کو بھیجا ہے میں نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے چیدہ لوگوں کو تیار کیا اور کہا جاؤ اور ان گمراہ لوگوں کو جنہوں نے ہماری جماعت کو چھوڑ دیا اور ہمیں کافر ٹھہرایا انہیں پہلے توبہ کی دعوت دو اور جماعت میں داخل ہونے کی طرف بلاؤ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو ان سے رک جاؤ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے اعلان جنگ کردو اور ان پر غلبہ کے لیے اللہ سے استعانت طلب کرو۔

معقل نے دلیری اور ہوش مندی سے جواب دیا:

ہم انہیں دعوت دیں گے اور اتمام حجت کریں گے لیکن اگر انہوں نے حق کو قبول نہ کیا تو ہم ان سے باطل کو بھی قبول نہیں کریں گے۔

اللہ کا نام لے کر لشکر روانہ ہوا اور لڑائی اس وقت تک چلتی رہی تا آں کہ فتنہ ختم ہو گیا اور یہ گمراہ جماعت فنا کے گھاٹ اتر گئی ان کا سردار مارا گیا اور مغیرہ کے عظیم تدبر سے عرب میں اتحاد پیدا ہو گیا اور عراق کے شیعان علی اس آزمائش میں بہت کھرے ثابت ہوئے۔

خوارج کے مقابلے پر ساری طاقتیں متحد ہو گئیں یہ جدید ترین نہروان تھا جس نے امت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والوں کے خلاف قطعی اور فیصلہ کن موقف اختیار کیا۔

مشرق کا والی زیاد

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کوفہ و بصرہ کے مسائل میں ایک اٹکاؤ رہتا تھا لیکن امیر معاویہ عظیم دشمنوں کے موجود ہونے کے باوجود کوفہ سے مطمئن ہو گئے اور یہ بات مغیرہ کی حکمت و تدبر کے سبب سے تھی انہیں نے خوارج کے مقابلے میں وہاں کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کیا اور اپنی بہترین سیاست سے خلیفہ کے لیے وہاں کی جملہ دشواریوں کو قابو میں کر لیا۔

لیکن بصرہ اور اس کے مضافات پر عبداللہ بن عامر والی تھے فتوحات میں عبداللہ بن عامر کو پرکھا جا چکا تھا مگر نرمی کا پہلوان پر غالب تھا جس کے سبب سے حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ڈھیلی پڑ گئی ایک انتشار اور لاقانونیت برپا تھی، چوروں کی کثرت ہو گئی بددین کھل کھیلے، امن درہم برہم ہو گیا۔ بصرہ اور اسکے متصل علاقہ فتنوں کا گڑھ بن گیا۔

زیاد نے خلیفہ سے بیعت کے بعد کوفہ میں رہائش اختیار کی تھی اس کی مثال بیڑیوں میں جکڑے ہوئے شیر کی سی تھی وہ اپنی آنکھوں سے یہ بدنظمی اور انتشار دیکھ رہا تھا لیکن کسی پر اس کا قبضہ نہ رہا۔ ابن عامر امیر بصرہ نے زیاد کے پاس بصرہ کے فساد اور بگاڑ کی شکایت کی اس نے کہا: ان کے لیے تلوار میان سے باہر کھینچ لو۔

امیر نے کہا: میں خود کو بگاڑ کر ان کی اصلاح پسند نہیں کرتا۔

معاملہ حد سے آگے بڑھ گیا دانشمند لوگ پریشان ہو گئے اور اسے حدود اللہ کے نفاذ کے لیے فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے لیے دعوت دی۔

اس نے کہا میں کس طرح لوگوں کو اکٹھا کروں اور ایسے آدمی کی طرف کیسے دیکھوں جس کے باپ اور بھائی سے میں نے قطع تعلق کر لیا ہے۔

یہ طریقہ اس اسلامی منہج کے خلاف بغاوت تھی جس میں قوانین وضوابط مجرموں کی سزا اور بدکرداروں کو روکنے کے لیے وضع کیے گئے قرآن نے وضاحت و تاکید سے بتایا ہے کہ ان امور میں رحم سے کام لینا امام کے کندھوں پر ڈالے گئے بار امانت کے لیے خیانت ہے۔

زنا کی سزا کے متعلق قرآن نے اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ

﴿ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ ﴾[۲۴/النور:۲]

’’اللہ کے دین میں ان دونوں کے بارے میں تمہارے اوپر رحم کا غلبہ نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

خلیفۂ وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے رکن رکین عمرو بن العاص کی رحلت کے بعد تنہا بار خلافت کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے تھے۔ عراق جو چار سال سے ان سے برسر پیکار تھا اور اس کے مختلف خطوں میں جو واقعات وحادثات پیش آتے تھے ان کی خبریں پیہم (مسلسل) ان کو پہنچ رہی تھیں جب بھی ان کے پاس کوئی وفد آتا تو اس سے بڑی حسرت سے سوالات کرتے۔ سب سے زیادہ انہیں بصرہ کے حالات کی فکر تھی ایک مرتبہ جب کوفہ کا ایک وفد ان کے پاس آیا جس میں ابن کوا یشکری بھی تھا بصرہ کے حالات جاننا چاہے۔

ابن کوا نے کہا: اہل بصرہ کو ان کے احمقوں نے برباد کر دیا ان کی طاقت کمزور پڑ گئی۔ بصرہ کے متعلق یہ اولین خبر نہ تھی جو معاویہ کو پہنچی بلکہ اس سے متعلق ایک عرصے سے وہ پریشان تھے اخیر میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ بصرہ کی تولیت زیاد کو سونپنا ضروری ہے تاکہ وہ بصرہ کی بگڑی ہوئی صورتحال کو کنٹرول کر سکے لیکن ابن عامر کا حق قرابت اور مقام جہاد آڑے آ رہا تھا...... نہیں امت کی خیر خواہی افراد کی مصلحت پر فوقیت رکھتی ہے۔ بصرہ کے لیے دوراندیش اور عقل مند والی کی ضرورت ہے جس کے لیے زیاد سے مناسب کوئی نہیں ہے جسے معاویہ کے اپنے نسب سے ملانے کے بعد زیاد بن ابی سفیان کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔ [1]

---

[1] قاضی ابوبکر ابن العربی اپنی کتاب العواصم من القواصم ص ۲۴۰/۲۴۱ میں لکھتے ہیں موضوع گفتگو معاویہ کا زیاد کو اپنے نسب میں شامل کرنا ہے لوگوں نے اس پر گرفت کی ہے لیکن اس میں گرفت کی کیا بات ہے اگر یہ بات انہوں نے اپنے باپ سے سنی ہو اور ابوسفیان کے لیے کون سی عار کی بات ہے کہ جاہلیت میں ولد الزنا کو خود سے منسوب کریں یہ بات معلوم ہے کہ سمیہ ابوسفیان کی نہ تھی نہ ہی زمعہ کی بیٹی عتبہ کی تھی لیکن عتبہ کے لیے اس باری میں نزاع درپیش تھی اور معاویہ کے لیے زیاد کے بارے میں کوئی نزاع نہ تھی حارث بن کلدہ نے زیاد کو نہیں پکارا اور نہ وہ اس کی طرف منسوب تھا حالانکہ وہ اس کی لونڈی کا لڑکا تھا جو اس کے گھر میں پیدا ہوا لہٰذا جس کسی نے پکارا وہ اس کا ہو گیا مگر کوئی اس سے زیادہ قریبی اس کے آڑے آئے لہٰذا معاویہ کے لیے یہاں کوئی جائے طعن نہیں بلکہ امام مالک کے مذہب کے مطابق اس بارے میں انہوں نے حق کیا اگر کہا جائے کہ صحابہ نے اسے ناپسند کیوں کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے جس کا خیال ہوا کہ نسب ایک وارث کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا اس نے اس کا انکار کیا اور اس کو اہمیت دی۔

یہ ان کی خلافت کے چوتھے سال ہوا جب امیر المومنین نے حکومت کے انتظام کو تمام طرف سے محکم کرلیا اور اسے اپنی دانشمندی اور حکمت سے مضبوط کر دیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر کو ملاقات کے لیے بلایا۔ ابن عامر آیا اور خلیفہ کے معزز و مکرم مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا۔ خلیفہ نے اس سے امارت کے سلسلے کی کوئی بات نہیں کی لیکن جب لوٹنا چاہا تو معاویہ اسے رخصت کرنے کے لیے ساتھ ساتھ چلے اور آخری موقعہ پر اپنا بے خطا تیر چھوڑا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: میں تم سے تین چیزیں طلب کرنے والا ہوں کہہ دو کہ وہ تمہاری ہیں۔

ابن عامر: وہ تمہاری ہیں اور میں ابن ام حکیم ہوں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: میرا کام مجھے لوٹا دو اور خفا نہ ہو۔

ابن عامر: میں نے ایسا ہی کیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: اپنا عرفہ کا مال مجھے دے دو۔

ابن عامر: میں نے ایسا ہی کیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: اپنے مکہ کے گھر مجھے دے دو۔

ابن عامر: میں نے ایسا ہی کیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: تم صلہ رحمی کے مستحق ہو۔

ابن عامر سمجھ گیا کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ پوری طرح محسوس کرنے لگا کہ معاملہ اس سے بڑا ہے اس وقت اس نے اپنی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے کہا:

اے امیر المومنین! میں آپ سے تین چیزوں کا سوال کرتا ہوں کہہ دیجئے کہ وہ تمہاری ہیں۔

کہا وہ تمہاری ہیں اور میں ابن ہند ہوں۔

ابن عامر: آپ میرا عرفہ کا مال مجھے لوٹا دیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: میں نے ایسا ہی کیا۔

ابن عامر: عامل کی حیثیت سے میرا محاسبہ نہ کریں اور نہ تحقیقات کریں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: میں نے ایسا ہی کیا۔

ابن عامر: اور مجھ سے اپنی بیٹی ہند کا نکاح کر دیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: میں نے ایسا ہی کیا۔ [1]

اس طرح یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔

طے شدہ منصوبے کے برخلاف معاویہ نے حارث بن عبداللہ ازدی کو مبہم طریقے سے بصرہ کا والی بنا کر بھیج دیا تاکہ تمام لوگ اور رشتے دار ابن عامر کی معزولی کو فراموش کر دیں۔ یہ سن پینتالیس کا واقعہ ہے چار مہینے گزرنے کے بعد معاویہ نے بصرہ پر زیاد کی تولیت کا اعلان کیا نیز بصرہ کے ساتھ خراسان اور سجستان کا بھی اور اس طرح پورے مشرق سے مطمئن ہو گئے اور ہند، بحرین اور عمان ان کے لیے اکٹھا ہو گیا۔

اب ہم زیاد والی بصرہ کے حالات دیکھیں اور اس کے تدبر کا مشاہدہ کریں بصرہ کے دانشمندوں اور لغوکار بے وقوفوں پر اس کی امارت کا اثر ملاحظہ کریں۔

جامع مسجد بصرہ میں مسلمانوں کے سامنے اس نے جو خطبہ دیا اسے سنیں یہ وہ خطبہ ہے جس نے حالات میں انقلاب پیدا کر دیا اور غلط کاروں کی چولیں ہلا دیں۔ [2]

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۱۳، ۲۱۴ بروایت عمر بن شبہ عن علی بن محمد۔

[2] کہا گیا ہے کہ اس خطبے میں اس نے اللہ کی حمد بیان نہیں کی اس لیے اس کا نام خطبہ بتراء (دم کٹا) رکھا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے اللہ کی حمد کی تھی اور کہا تھا کہ اللہ کے کرم و احسان پر ہر طرح کی تعریف اسی کے لیے ہے ہم اسی سے مزید انعام کا سوال کرتے ہیں، اے اللہ! جس طرح ہمیں نعمتیں عطا کیں ہمیں ان نعمتوں پر شکر کی بھی توفیق دے۔

خلافت سے ملوکیت تک

زیاد نے اپنے خطبہ میں کہا: امابعد!

یہ عام جہالت اور گھٹاٹوپ ضلالت اور عصیان شعاری جو بھڑکتی آگ بن کر لپٹنے والی ہے یہ تمہارے احمق لوگوں کا شیوہ بن چکا ہے اور تمہارے بڑے بڑے بردبار لوگ اس میں گرفتار ہیں، چھوٹے اسی میں پنپ رہے ہیں اور بڑے اس سے کنارہ کش نہیں ہوتے گویا کہ تم نے اللہ کی آیات نہیں سنیں خدا کی کتاب نہیں پڑھی۔ اطاعت شعاروں کے لیے جو بہترین ثواب اور اہل معصیت کے لیے جو دردناک عذاب تیار کیا ہے جو ایک ناختم ہونے والی زندگی تک باقی رہے گا اسے تم نے نہیں سنا۔

کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کی آنکھیں دنیا نے اچک لیں اور کان خواہشات نفس نے بند کر دیئے اور فانی کو باقی کے مقابلے میں ترجیح دی۔ تمہیں ہوش نہیں کہ تم اسلام میں ایسے حادثے کے موجب ہوتے ہو جس کی مثال نہیں ہے۔ تم نے دن دھاڑے بدکاری کے اڈوں کو چھوڑ رکھا ہے جبکہ تعداد کم نہیں ہے۔

کیا تم میں ایسے روکنے والے نہ تھے جو گمراہوں کو رات کو چلنے اور دن کو ڈاکہ زنی سے روکتے۔ قرابت کو تم نے اپنا لیا اور دین کو چھوڑ دیا پھر عذر بیجا تراشتے ہو، کمزوروں کو مارتے ہو، تم میں ہر ایک اپنی قوم کے احمق سے خوف کھاتا ہے جو نہ عذاب سے ڈرتا اور نہ ثواب کی توقع رکھتا ہے۔ تم میں بردبار نہیں تم نے یہ معاملہ اسی طور پر درست ہوگا جس طرح پہلے درست ہوا تھا نرمی ہو مگر کمزوری کے ساتھ نہیں سختی ہو مگر جبر و تشدد سے نہیں۔

زیاد نے سچ کہا اس لیے کہ اسلام ہی اس امت کی اصلاح کر سکتا ہے غلط کاریوں کے اڈوں کو منہدم کرنا، برائیوں کو دبانا اور انحراف کے ٹھکانوں کو جلانا ضروری ہے۔ اہل بصرہ اپنے نئے والی زیاد کو اس کا جواب دینے کی کیا طاقت رکھتے ہیں؟

سیاسی پہلو سے اس نے جس اصول کا اعلان کیا وہ دائمی اسلامی اصول ہیں جو امت

عادلہ کے لیے اس کے دین کے معاملے میں افراط وتفریط سے دور رہنے کے انتہائی موافق ہیں۔

لیکن خطبہ کا دوسرا حصہ منہج اول سے مختلف ہے۔

اس نے کہا: بخدا! میں مالک کو غلام سے، مقیم کو مسافر سے، آنے والے کو جانے والے سے، تندرست کو بیمار سے پکڑوں گا یہاں تک کہ تم میں سے کوئی آدمی دوسرے سے جب ملے تو کہے سعد کو بچاؤ سعید تو ہلاک ہوگیا یا تم میرے تابع فرمان ہو جاؤ۔

خطبے کے اس فقرے میں اسلامی فرمانروائی کے مفہوم سے زبردست انحراف پایا جاتا ہے۔ یہ پہلا موقعہ ہے جہاں سے حکومت خلافت سے ملوکیت کی طرف مڑنے کی راہ پر لگتی ہے۔

بادشاہ حصول مقصد کے لیے اچھے اور برے سبھی وسائل اختیار کرتا ہے لیکن خلافت مقصد کی سلامتی کے ساتھ ذرائع کی سلامتی کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتی بلکہ وسیلے اور مطلوب دونوں میں اللہ کی اطاعت شعاری مطلوب ہے۔

بادشاہ مقصد تک پہنچنے کے لیے دہشت، طاقت اور قتل تک کو اختیار کرتا ہے خواہ اس کا بھی مقصد اللہ کی شریعت کے مطابق حکومت کرنا ہو جب کہ خلافت ان باتوں کی منکر ہے۔

پھر زیاد حکومت کے رجحانات پر مشتمل ایک اہم سیاسی منشور کا اعلان کرتا ہے:

① منبر کا جھوٹ مشہور ہو جاتا ہے اس لیے جب تم میری کسی بات کو جھوٹ پاؤ تو میری نافرمانی تمہارے لیے حلال ہے۔

② تم میں سے جس پر رات میں حملہ کیا جائے تو میں اس کی ضائع شدہ چیز کا ضامن ہوں۔

③ رات کے آخری حصہ میں چلنے سے ڈرو میرے پاس جب کبھی ایسے کو لایا جائے گا تو اسے قتل کر دوں گا میں نے اس کے لیے تمہیں اتنی مہلت دی ہے کہ خبر کوفہ پہنچے اور پھر

یہاں اطاعت و معصیت کا معیار اللہ کی اطاعت اور اس کی معصیت ہے اس لیے کہ حکومت کا اللہ کی تفویض سے جس قدر تعلق ہے اس سے زیادہ امت کی طرف سے ذمہ دار بنانے سے ہے۔

سید الخلفا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں تمہارا والی بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں اگر میں درست طریقہ اپناؤں تو میری مدد کرو اور اگر غلط روش اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو۔''

اس بات اور زیاد کی بات میں کتنا فرق ہے۔

''ہم تمہارے سردار بنائے گئے اور تمہارے محافظ ہوئے ہم تمہاری قیادت اس طاقت کے ذریعہ کریں گے جو اللہ نے ہمیں عطا کی ہے۔''

چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ولایت کو امت سے مربوط کرتے ہیں اور خطا کے وقت امت کو سیدھا کرنے کا حق بھی دیتے ہیں لیکن زیاد ولایت کو اللہ کی اس عطا سے مربوط کرتا ہے جو حاکم کی طاقت ہے۔

یہ خلافت و ملوکیت میں پہلا فرق ہے۔ یہ موقف ہم ذیل کے مبادی میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

☆ رات کے آخری حصے میں چلنے سے مجھ سے ڈرو، میرے پاس جب کبھی ایسے کو لایا جائے گا تو اسے قتل کردوں گا۔

☆ جاہلیت کی پکار سے بچو، اگر ایسا کرتا ہوا کسی کو پاؤں گا تو اس کی زبان کاٹ دوں گا۔

☆ تمہارے عام لوگ جس طریقے پر ہیں اس کے خلاف اگر کسی نے کیا تو میں اس کی گردن ماردوں گا۔

یہ خون بہانا، زبان کاٹنا، گردن مارنا، بحث و تحقیق سے روکنا، نظام اسلامی کے قانون میں کوئی چیز نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ اِلَّا بِاِحْدَی ثَلَاثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ . وَ الثَّیِّبُ الزَّانِیُ. وَالتَّارِکُ لِدِیْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ.))

''کسی آدمی کا خون تین باتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے حلال ہو سکتا ہے جان کے بدلے میں جان، شادی شدہ زانی اور دین کو ترک کر کے جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔''

لیکن صرف رائے کا اعلان بامعارضہ گردن مارنے اور خون بہانے کے لیے کافی نہیں ہے ایسی چیز کی خلافت اسلامی کے نظام نے کبھی اجازت نہیں دی ہے۔

اظہار رائے کرنے والے کو باہم غور وفکر سے روکنا، ملوکیت میں دار و گیر اور قتل کی علامات میں سے ہے خلافت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اس موقف کا تعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے موقف سے کیا ہے کہ وہ منبر پر لوگوں سے مناقشہ اور مناظرہ کرتے تھے، لوگوں کو دور دور سے طلب کرتے اور ان کے والیوں کے سلسلے میں ان کی آراء دریافت کرتے جس والی کے بارے میں تہمت درست ثابت ہوتی اسے معزول کر دیتے۔

اس کا مناظرے کی بندش، خون ریزی اور زندہ درگور کرنے سے کیا تعلق ہے۔

اللہ کی شریعت اور اس کے احکام میں کشادگی ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ.﴾ [۵/المآئدۃ:۴۹]

''اور یہ کہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔''

اللہ کی شریعت کی تطبیق عدل برپا کرنے، امن بحال کرنے، مال وآبرو کی حفاظت کرنے کی ضامن ہے لیکن کسی معارض کے قتل کرنے، کسی معترض کو دفن کرنے۔ کسی مجرم کی خون ریزی کرنے، رائے عامہ کی مخالفت کرنے والے کی گردن مارنے، دہشت اور قوت کے ذریعہ لوگوں کو بندش، پھر اس کے بعد اللہ کی شریعت کی تطبیق، یہ بلاشبہ ملوکیت کا مفہوم

ہے خلافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسرا فرق مال کے مفہوم میں ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت اسلامی کے نظام میں مال امت کا مال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ کے اس مال کے بارے میں میں خود کو یتیم کے ولی کی طرح سمجھتا ہوں اگر میں مستغنی ہوں گا تو اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور اگر میں محتاج ہوں گا تو بھلے طریقے سے کھاؤں گا۔''

اس معروف طریقے کی تحدید ان الفاظ میں کی ہے:

''عمر کے لیے اللہ کے مال میں سے دو جوڑے حلال ہیں۔ ایک جاڑے کے لیے اور ایک گرمی کے لیے اور وہ مال جس کے ذریعے میں حج وعمرہ کروں اور میری اور میرے اہل وعیال کی روزی قریش کے ایک آدمی جیسی ہے جو نہ ان میں سب سے غنی ہے اور نہ سب سے محتاج ہے پھر میں اس کے بعد مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب مال کو خدا کا مال کہہ دیا اور مسلمانوں کا مال نہیں کہا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس کی شدت سے مخالفت کی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک انہوں نے مال المسلمین نہیں کہا (آگاہ رہو میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ مال غیر اللہ کا ہے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ مال مسلمانوں کا مال ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سابق قول میں اور زیاد کے قول میں کتنا فرق ہے کہ (ہم اللہ کی غنیمت سے جو اس نے ہمیں عطا کیا تمہارا دفاع کریں گے)

اور یہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ مذکورہ واقعے میں وہ مال کے بارے میں لوگوں کے خیالات اور حالات کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بروایت ابوقبیل عن معاویہ بن ابی سفیان مروی ہے کہ وہ جمعہ کے دن منبر پر چڑھے اور اپنے خطبے میں کہا:

''مال ہمارا مال ہے۔ غنیمت ہماری غنیمت ہے جسے ہم چاہیں گے دیں گے

جسے چاہیں گے منع کر دیں گے اس کا جواب انہیں کسی نے نہیں دیا۔“

دوسرے جمعہ میں بھی انہوں نے اسی طرح کہا پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ جب تیسرے جمعہ میں انہوں نے اسی طرح کہا تو مسجد کے حاضرین میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا ہرگز نہیں مال ہمارا ہے۔ غنیمت ہماری غنیمت ہے لہٰذا جو شخص ہمارے اور مال کے درمیان حائل ہوگا تو ہم اپنی تلواروں کے ذریعے اللہ سے فیصلہ چاہیں گے۔

معاویہ منبر سے اترے آدمی کو بلایا وہ شخص آپ کے پاس آیا لوگوں نے کہا۔ برباد ہوا پھر جب اور لوگ وہاں گئے تو دیکھا وہ آدمی ان کے ساتھ چارپائی پر بیٹھا ہوا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

”اس نے مجھے زندگی عطا کی اسے اللہ زندہ رکھے میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا میرے بعد ایسے امرا ہوں گے کہ وہ جو کچھ کہیں گے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہ دے گا وہ آگ میں ایسے داخل ہوں گے جیسے بندر، میں نے پہلے جمعہ میں گفتگو کی کسی نے میری تردید نہیں کی تو مجھے اندیشہ ہوا کہ میں انہیں لوگوں میں سے ہوں گا پھر دوسرے جمعہ کو کہا پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا تو میں نے اپنے جی میں کہا میں انہیں میں سے ہوں لیکن جب تیسرے جمعہ میں کہا اور یہ آدمی کھڑا ہوا اور اس نے مجھے جواب دیا تو اس نے مجھے زندہ کر دیا اللہ اسے زندہ کرے۔“ [1]

یہ معاویہ کا تقویٰ ہے جو سیرت نبوی کے لیے انہیں حریص بناتا ہے اور ان کی خشیت ہے کہ مبادا اپنے فیصلوں میں اللہ کے منہج سے دور ہو جائیں اور جہنم میں داخل کر دیئے جائیں۔

کون سی ایسی چیز کہہ سکتے ہیں جس کے ذریعے لوگوں کے ردعمل کو ابھاریں۔

انہوں نے اس میں بھلائی نہیں سمجھی کہ لوگوں کا مال چھوئیں، وہ پہلے حاکم ہیں

[1] طبرانی کبیر و اوسط اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے، ہیثمی نے کہا اس کے سب رجال ثقہ ہیں۔

جنہوں نے سلف کے منہج سے ہٹے ہوئے اس موقف کا اعلان کیا۔

ان کا دل خوف سے بھر گیا جب ان کے خطبے میں کسی نے ان کی تردید نہیں کی، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کے ڈر اور رعب کے نتیجے میں ہلاک ہو جائیں گے۔

بلا عقیدہ کے حکمرانی کرنے والا کوئی حاکم جب اپنے لیے لوگوں کی اتنی اطاعت شعاری دیکھتا ہے تو مبتلائے غرور و تکبر ہو جاتا ہے اور کوئی شخص اس کی مخالفت میں آواز اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا۔

لیکن دوسرے اور تیسرے جمعہ میں معاملے کو بار بار دہرانا ان کے وجود میں عقیدے کے رسوخ کا پتا دیتا ہے اور ان کے اس خوف کو بتلاتا ہے کہ اس حکومت کے ذریعے وہ جہنم میں نہ داخل ہو جائیں۔

لیکن تیسرے جمعہ میں وہ مطمئن ہو گئے کہ امت ابھی خیر و صلاح پر باقی ہے اور وہ ظالم کو ظالم کہہ سکتی ہے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتی۔

لیکن جب سرکشی حد کو پہنچ جاتی ہے اور لوگوں پر ایک خوف مسلط ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ زیاد نے کہا:

''سعد نجات ڈھونڈو۔''

سعید ہلاک ہو گیا اس وقت امت فنا کی مستحق ہوتی ہے۔ فتنہ حاکم، محکوم سب کو گھیرتا ہے لیکن اس بات میں شبہ نہیں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں خود اعتمادی اس وقت پیدا کر لی تھی جب ان کے ہلاکت کے ڈر کی بات کہنے کے بارے میں لوگوں نے آپس میں سرگوشیاں کیں امت نے جان لیا کہ اس کا حاکم خلفا کی کڑی کا ایک حصہ ہے۔''

یہ بات کہنی ممکن ہے کہ یہ چیز اسلامی خلافت کے تمام قلمرو میں عام نہیں تھی بعض صوبوں میں لوگ حق کہنے سے ڈرتے تھے اور مطالبۂ حق پر اپنی زندگی کو مامون نہیں سمجھتے تھے یہ بات ان اسباب میں سے ہو سکتی ہے جن پر ہم خلافت سے ملوکیت کی تبدیلی کا اطلاق کرتے ہیں یہ ان اضطرابات میں سے ہو سکتا ہے جسے ہم خطبۂ زیاد میں دیکھ رہے ہیں کہ

جس کے فقرات اس نے انتہائی دیدہ ریزی سے مرتب کئے ایسی صورت میں معاویہ اور زیاد کو الگ الگ کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ زیاد معاویہ رضی اللہ عنہ کا والی ہے اگر اس سیاسی موقف سے وہ ناراض ہوتے تو زیاد کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسرے والی کو رکھتے۔

خلافت راشدہ کے منہج سے ہٹا ہوا تیسرا پہلو اطاعت حاکم کا معیار ہے۔

زیاد نے مسلمانوں پر اطاعت واجب کرنے کے لیے جو حکام کا حق ہے جو معیار پیش کیا وہ عدل ہے یہ معیار اگرچہ ان دقیق معیاروں میں سے ہے جن کے ذریعے اسلام میں حکام کو درست رکھا جاتا ہے لیکن سب سے پہلا معیار جس میں عدل بھی شامل ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے اس کی تعیین فرمائی ہے:

((اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ کَانَ رَاْسُهٗ زَبِیْبَةً مَّا قَامَ فِیْکُمْ کِتَابَ اللّٰهِ تَعَالٰی.)) [1]

''سمع و طاعت اختیار کرو خواہ تمہارا والی کشمش جیسے چھوٹے سر والا کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو جب تک وہ تمہارے درمیان اللہ کی کتاب قائم کرے۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: مسلمان پر پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہر حال میں سمع و طاعت فرض ہے لیکن اگر اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو سمع و طاعت فرض نہیں ہے۔ [2]

سید الخلفا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت ملنے کے دن اپنے خطبے میں اس منہج کو پورے طور پر نافذ کیا فرمایا:

''میری اس وقت تک اطاعت کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں ہے۔''

یہاں بھی خلافت اور ملوکیت میں دوری پیدا ہو جاتی ہے۔

زیاد اپنا خطبہ اس بات پر ختم کرتا ہے:

---

[1] بخاری۔ [2] بروایت خمسہ۔

''اور یہ بات بتا دی جاتی ہے کہ میں خواہ کچھ بھی تقصیر کروں لیکن تین باتوں میں کمی نہیں کروں گا۔ کوئی اگر رات کو بھی چل کر آئے تو میں تم میں سے کسی ضرورت مند کو واپس نہ کروں گا۔ کوئی روزی یا بخش اپنے موسم اور وقت سے روکی نہیں جائے گی اور تمہیں دشمن کی زمین میں لشکر کی حیثیت سے چار مہینے سے زیادہ نہیں روکوں گا۔

اللہ سے اپنے اماموں کے خیر وصلاح کے لیے دعا کرو وہ تمہارے قائد اور مودب ہیں، تمہارے ملجا و ماویٰ ہیں جب تم ٹھیک رہو گے تو وہ بھی ٹھیک رہیں گے۔ اپنے دلوں میں ان کے خلاف بغض نہ رکھو اس سے ان کے غضب کی آگ بھڑکے گی اور تمہارا غم دراز تر ہو جائے گا، تم اپنی ضرورتیں پوری نہ کر سکو گے باوجودیکہ اگر اسے قبول کر لیا جاتا تو تمہارے لیے برا ہوتا۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ تمام باتوں پر ہر ایک کی مدد فرمائے۔ جب تم دیکھو کہ میں تم میں کوئی حکم نافذ کر رہا ہوں تو اسے مضبوطی سے پکڑ لو بخدا! تم میں سے بہت سے میرے ہاتھوں قتل ہوں گے لہٰذا ہر ایک کو بچنا چاہیے۔'' [1]

دس نکات پر مشتمل یہ سیاسی منشور جس کا زیاد نے اعلان کیا اسلامی حکومتوں کی تاریخ میں ایک زبردست واقعہ ہے۔ اس نے حدود قائم کرنے، معاشرے کو اسلامی شریعت سے مضبوط کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ قائم کرنے کو اس سیاسی منشور میں اولین اور اعلیٰ ترین مقصد قرار دیا لیکن ذیل کی باتیں اسلامی منہج کے خلاف ہیں:

① حکومت سے امت اسلامیہ کے ارادے کو الگ کر دینا۔

② تشدد اور دہشت کو اختیار کرنا۔

③ مالی تصرفات میں لوگوں کو والیوں کے محاسبے کا اختیار نہ دینا۔

④ اطاعت کو انصاف سے مربوط کرنا اللہ کی شریعت کی تطبیق سے نہیں۔

اس آخری بات کا اگرچہ یہ مطلب نہیں ہے کہ حکام شریعت اسلامیہ کو چھوڑ کر دوسری

[1] طبری: ج ۵ ص ۲۱۷، ۲۱۹ بروایت عمر (ثقہ) عن علی (ثقہ) عن سلمہ (مجہول) والھذلی (اخباری، علامہ لین الحدیث)

شریعت اختیار کر لیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ مال اور حکم میں شریعت کی بعض مخالفتیں بغیر اصلاح وتغیر کے جاری رہیں۔

اس طریقے کے اختیار کرنے میں شاید کوئی زیاد کو بدنظمی، آوارگی اور بصرہ میں فساد و انتشار کی وجہ سے معذور قرار دے لیکن اسلام اس عذر کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس طریقے پر حکومت کو خلافت سے ملوکیت کی طرف منتقل ہو جانا تسلیم کرتا ہے۔

بروایت سعید بن جہمان عن سفینہ مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَآءُ))

''نبوت کی خلافت تیس سال رہے گی پھر اللہ جسے چاہے گا ملک عطا کرے گا۔''

سعید کہتے ہیں کہ مجھ سے سفینہ نے کہا ٹھہرو! ابوبکر رضی اللہ عنہ دو سال اور عمر رضی اللہ عنہ دس سال اور عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال اور بقیہ علی رضی اللہ عنہ۔

سعید کہتے ہیں کہ میں نے سفینہ سے کہا کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں تھے۔

انہوں نے کہا: بنی مروان جھوٹے ہیں۔ [1]

زیاد سے متعلق گزشتہ حالات کا تصور کیجئے، وہ فارس میں قلعہ بند ہے اس کے ماں جائے بھائی صحابی رسول ابوبکرہ رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیاد کے لیے امان اور اس کے لڑکوں کی حفاظت کا پروانہ لیے ہیں ہم نے دیکھا کہ معاویہ نے کس طرح ابوبکرہ کی تعظیم کی اس سے ابوبکرہ جو اللہ سے متعلق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں رکھتے اور

---

[1] اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ یہ حدیث حسن ہے، اسے کئی لوگوں نے سعید بن جہمان سے روایت کیا ہے مگر ہم اسے انہیں کی روایت سے جانتے ہیں۔

ہیثمی کہتے ہیں اسے عبداللہ بن امام احمد نے ابوریحانہ سے جن کا نام عبداللہ بن مطر بصری ہے بروایت سفینہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاکم وقت معاویہ سے جو گفتگو ہوئی ہمیں روشنی حاصل ہوگی۔

عبدالرحمٰن بن ابوبکر سے مروی ہے کہتے ہیں:

ہم زیاد کے ساتھ معاویہ کے پاس گئے ہمارے ساتھ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے ہم وہاں داخل ہوئے ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نفع بخشے گا۔

انہوں نے کہا ضرور، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے خواب بہت پسند تھے آپ ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھتے رہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کس نے کون سا خواب دیکھا ہے۔

ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک میزان اترا اور اس میں آپ اور ابوبکر کا وزن کیا گیا تو آپ کا پلہ بھاری رہا پھر ابوبکر اور عمر کا وزن ہوا تو ابوبکر کا پلہ بھاری رہا۔ پھر عمر کا عثمان کے ساتھ وزن ہوا تو عمر کا پلہ بھاری رہا۔

(بقیہ حاشیہ ۞) ''میرے بعد خلافت تیس سال تک ہے ایک آدمی نے جو مجلس میں حاضر تھا کہا: اس تیس سال سے ایک سال چھ مہینے خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں داخل ہو گئے۔

انہوں نے کہا کہ تم اس طرح سوچ رہے ہو ان بیعتوں میں بیعت حضرت حسن بن علی کے لیے تھی ان سے چالیس یا بیالس ہزار افراد نے بیعت کی تھی۔

ابن کثیرؒ نے کہا:

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال اور دس دن کم چار مہینے تھی اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال چھ مہینے چار دن تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت دو مہینے کم پانچ سال تھی فرمایا کہ تیس سالوں کی تعداد حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پوری ہوتی ہے وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے ربیع الاول سن اکتالیس ہجری میں دستبردار ہوئے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا تیسواں سال تھا آپ کی وفات ربیع الاول سن گیارہ ہجری میں ہوئی یہ بات آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

ابن کثیر نے کہا اور سنت یہ ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق معاویہ رضی اللہ عنہ کو بادشاہ کہا جائے۔ خلیفہ نہ کہا جائے۔

پھر میزان اٹھالیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ناگواری ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ نبوت کی خلافت ہے پھر اللہ جسے چاہے گا ملک دے دے گا۔

معاویہ غضب ناک ہو گئے انہوں نے ہماری گدی میں مارا اور ہمیں نکال دیا زیاد نے ابوبکرہ سے کہا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی دوسری حدیث بیان کرنے کے لیے نہیں ملی، کہا پھر زیاد مسلسل اجازت طلب کرتا رہا یہاں تک کہ اجازت مل گئی پھر ہم داخل ہو گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوبکرہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنایئے۔ امید ہے کہ اللہ ہمیں اس سے نفع دے گا کہا انہوں نے پہلی ہی حدیث کی طرح حدیث بیان کی، ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارا برا ہو تم ہمیں بادشاہ کہتے ہو تو ہم بادشاہ کہنے پر راضی ہیں۔ [1]

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امت مسلمہ پر زیاد کے بیان کا کیا اثر مرتب ہوا؟

اسے ہم تین مثالوں میں ملاحظہ کریں گے۔

① منافقوں اور طفیلیوں کی مثال جسے ہم عبداللہ بن اہتم کے زاویئے سے معلوم کرتے ہیں۔ اس نے کہا۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ کو حکمت اور فیصلہ کن بات سے نوازا گیا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہوتا ہے زیاد کے نزدیک ان کو کوئی اثر و رسوخ نہیں حاصل ہوا زیاد نے اس جھوٹی تعریف پر اسے جواب دیا:

تم نے جھوٹ کہا، ایسے اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام تھے۔

اس سے اس گروہ کی جڑ کٹ گئی جو ٹکڑوں پر پلتا اور حکام کی جھوٹی تعریف کے سہارے زندہ رہتا تھا۔

② امت کے دل اور اس کے زندہ اعصاب کی مثال، اس کی نمائندگی احنف بن قیس بنی

[1] اسے امام احمد اور طیالسی نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد نے مختصراً ذکر کیا ہے اس میں معاویہ کے پاس جانے کا ذکر نہیں ہے اسی طرح ترمذی نے مختصراً ذکر کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسے حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط پر ہے۔

تمیم کے سردار کر رہے ہیں جنہوں نے کہا:

آپ نے جو کچھ کہا بجا کہا، تعریف آزمانے کے بعد ہوتی ہے اور شکریہ بخشش کے بعد ہم تعریف اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک آزمانہ لیں۔

زیاد نے کہا:

تم نے درست کہا۔

③ امت کے انتہا پسندوں یعنی خوارج کی مثال، ان کا مثالی نمائندہ ابو بلال مرواس بن ادیہ ہے جس نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

جو تم نے کہا اللہ نے ہمیں اس کے ماسوا بتایا ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

﴿وَ اِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی ۙ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۙ وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۙ﴾ [۵۳/النجم: ۳۷تا۳۹]

''اور ابراہیم جس نے پورا کر دکھایا یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کوشش کی ہے۔''

اے زیاد! تم نے ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے اللہ نے اس سے بڑھ کر وعدہ فرمایا ہے۔ [1]

ابو بلال بن ادیہ نے سچ کہا لیکن انسان کے بس میں کہاں ہے کہ مکمل عدل کا مالک ہو جائے۔

ابو بلال کے قول کے پیچھے جو بات تھی زیاد اسے جانتا تھا اور اس گروہ کو بھی جس کی رائے کی وہ نمائندگی کر رہا تھا زیاد نے اس سے کہا جبکہ دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھ چکے تھے:

تم اور تمہارے ساتھی جو چاہتے ہیں اسے بغیر خون ریزی کے حل نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۲۱۹ بروایت عمر بن شبہ (ثقہ) عن علی بن محمد (صدوق) عن مسلمہ (مجہول) والہذلی (اخباری لین الحدیث)

زیاد کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ تشدد اور گمان پر گرفت ضروری ہے کہ اس کے بعد عدل قائم فرمایئے اور بقول ابن جریر: یہ پہلا شخص ہے جس نے حکومت کا حکم سخت کیا اور حکومت کو معاویہ کے لیے مضبوط کیا اور لوگوں پر اطاعت لازم کی، وہ سزا دینے کے لیے آگے بڑھا۔ تلوار کھینچی کمان پکڑا، شبہے پر سزا دی، اس کی حکومت میں لوگ اس سے شدید طور پر خوف کھانے لگے، یہاں تک کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مامون ہو گئے۔ کسی مرد یا عورت کی کوئی چیز گر جاتی تو اسے کوئی نہ اٹھاتا یہاں تک کہ وہ شخص آ کر اسے لے لیتا تھا عورتیں گھر کا دروازہ کھول کر رات گزارتی تھیں۔ لوگوں کی ایسی قیادت کی جس کی مثال نہیں ملتی اس سے لوگ اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ اس سے پہلے کسی سے نہ ہوئے تھے اس نے سخاوت سے کام لیا اور مدینۃ الرزق آباد کیا۔

زیاد سے کہا گیا کہ راستے پر خطر ہیں۔

اس نے کہا: مجھے صرف شہر کی فکر ہے جب اس پر قابو پا کر اسے درست کر لوں گا تو دوسرے علاقے خود قبضے میں آ جائیں گے۔

جب اس نے بصرہ کو قبضہ میں کر لیا دوسرے علاقوں پر توجہ کی اور وہاں حکم نافذ کیا وہ کہا کرتا تھا اگر میرے اور خراسان کے درمیان ایک رسی گم ہو جائے تو میں جان لوں گا کہ کس نے لی ہے۔

زیاد نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مدد لی جن میں چند یہ ہیں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ خزاعی، انہیں بصرہ کا منصب قضا عطا کیا اور حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ، انہیں خراسان کا والی بنایا اور سمرہ بن جندب اور انس بن مالک عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہم، عمران نے جب اس سے استعفیٰ دیا تو انہیں سبکدوش کر دیا۔ عبداللہ بن فضالہ اللیثی پھر ان کے بھائی عاصم بن فضالہ قاضی بنائے گئے اور اس کے بعد زرارہ بن اوفیٰ جرش، جن کی بہن لبابہ زیاد کے عقد میں تھیں۔ [1]

---

[1] طبری: ج ۵ ص ۲۲۴ بروایت عمر بن شبہ عن علی بن محمد۔

زیاد کے یہاں بادشاہت کے مظاہر میں سے ایک مظہر یہ تھا کہ یہ پہلا شخص ہے جو اپنے آگے نیزہ بردار بھیجتا تھا۔فوجی دستوں کے ساتھ چلتا تھا،پانچ سو افراد پر مشتمل محافظ دستہ تیار کیا اور شیبان کو ان کا عامل بنایا یہ لوگ مسجد سے ہٹتے نہ تھے۔

اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ اس شرق اسلامی سے مطمئن ہو گئے جو چار سال تک متواتر ان کا مخالف تھا۔

فتوحات کا نیا سلسلہ

اب وقت آ گیا کہ مسلمان اپنے خارجی دشمن کی طرف توجہ دیں۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید بلاد روم میں جہاد کے اس علَم کو بلند کیے ہوئے تھے جسے ان کے باپ سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے بلند کیا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے تھے:

میں خالد بن ولید کے ذریعے روم کے شیطانی وسوسے اور مکر کو بھلا کر دم لوں گا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن خالد کے ذریعے روم کے شیطانی وسوسوں کو بھلا دیا۔

خالد نے موت کے وقت کہا تھا:

واللہ! میرے جسم میں بالشت برابر کوئی جگہ نہیں ہے جس میں تلوار، نیزے یا تیر کا زخم نہ ہو لیکن اب میں اونٹ کی طرح اپنے بستر پر جان دے رہا ہوں خدا کرے بزدلوں کو نیند نہ آئے۔

چنانچہ بزدلوں کے ہاتھ عبدالرحمٰن بن خالد کی طرف بڑھے اور دھوکے سے انہیں زہر دے کر قتل کر دیا۔ [1] یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ان کے سامنے صلیبیوں کی ایک تدبیر نہ چلتی تھی اور انہوں نے ان کے غرور و شوکت کو ملیا میٹ کر دیا تھا۔ چنانچہ شام کے ایک نصرانی ابن اثال کے ذریعہ زہر آمیز شربت انہیں پلا دیا گیا جس کے نتیجہ میں وہ مر گئے پھر خالد بن عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید مدینہ سے حمص گئے اور اپنے باپ کے بدلے میں ابن اثال کو قتل کر دیا۔

---

[1] طبری نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ ابن خالد کے زہر سے مرنے میں معاویہ کو دخل تھا اور یہ کارروائی انہیں کے حکم سے ہوئی یہ روایت ضعیف ہے اس میں ایک راوی مسلمہ بن محارب مجہول ہے کتب تراجم میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ ابن کثیر نے اس روایت پر اس طرح تعلیق کی ہے بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ یہ معاویہ کے حکم سے ہوا ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ البدایہ والنہایہ: ج ۸ ص ۳۱۔

عبدالرحمٰن بن خالد کے ساتھ ساتھ اور دوسرے شہہ سوار بھی تھے جو ارض روم پر جہاد کا عَلَم بلند کئے ہوئے تھے یعنی بسر بن ارطاۃ اور مالک بن ہبیرہ سکونی۔

مسلسل کئی سال گزر گئے۔ بلاد روم میں جہاد جاری تھا لیکن انچاسواں سال زبردست جہاد کا سال تھا ابن جریر لکھتے ہیں:

مالک بن ہبیرہ کی سرمائی (سردی) قیام گاہ روم میں تھی، اسی سال میں جربہ میں فضالہ بن عبید نے غزوہ کیا انہوں نے جربہ میں موسم سرما گزرا اور اسے فتح کیا اور بہت کثرت سے لوگ گرفتار ہوئے۔ اس سال عبداللہ بن کرز بجلی نے موسم گرما کی قیام گاہ یہاں بنائی اور سمندر میں اسی سال یزید بن شجرہ رہاوی کا غزوہ ہوا اور اہل شام کے ساتھ موسم سرما گزارا۔ اسی سال عقبہ بن نافع نے سمندر کا غزوہ کیا اور اہل مصر کے ساتھ موسم سرما گزارا، اسی سن میں یزید بن معاویہ نے روم میں جنگ کی یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا ان کے ساتھ حضرت ابن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ [1]

قیصر کے شہر قسطنطنیہ کے غزوے کے سلسلے میں امت سے اللہ کا وعدہ پورا ہوا اس غزوے میں کبار صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی اس موقعہ پر امت اسلامیہ کے اتحاد کا شاندار منظر دیکھنے میں آیا ان میں ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

بخاری کی روایت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ثابت ہے:

((اَوَّلُ جَیْشٍ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ.)) [2]

''پہلا لشکر جو شہر قیصر پر چڑھائی کرے گا وہ جنتی ہوگا۔''

اور یہ پہلا لشکر تھا جس نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی۔

یہ دوسرے پہلو سے امت مسلمہ کے استحکام واتحاد کی طرف اشارہ تھا جس مقام کو

---

[1] طبری: ج ۵، ص ۲۳۳، ۴۹ھ۔

اس نے زخموں کے بھرنے اور داخلی خونریزیوں کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد حاصل کیا تھا۔

عالمی نقطۂ نظر سے اس فتح کا مطلب یہ تھا کہ عظیم شہنشاہیت کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں اور اب قیصر کے دار السلطنت پر چڑھائی ہو رہی ہے وہاں مسلمانوں کے ایک سردار میزبان رسول ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ شہر کی فصیل کے قریب دفن کئے گئے۔

اس عظیم واقعے کی طرف یہاں ایک زبردست اشارہ بھی ہے وہ اشارہ اسلامی اسٹیج پر یزید بن معاویہ کی نئی شخصیت کا ظہور ہے جس نے قسطنطنیہ کے اس حملے کی قیادت کی۔

اس طرح وہ کبار صحابہ اور بڑے بڑے مسلمان رہنماؤں میں معروف ہو گئے اور معاملات و واقعات کے معیار سے وہ عظیم ذمہ داریوں سے باخبر ہوئے کہ لوگوں کی نظریں ان کی طرف متوجہ ہو گئیں جس کے بعد ان کے حق میں وہ فضا تیار ہو گئی کہ ان کے باپ امیر المومنین اپنے بعد انہیں اپنا جانشین بنائیں۔

اس سے بڑی کوئی ذمہ داری نہیں تھی جو ان کے سپرد ہوئی اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اس کے لائق ہے۔ اسی سال یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ اسلامی میدان سے حسن بن علی بن ابی طالب نوجوانان جنت کے سردار رخصت ہو گئے وہ منفرد شخص تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ''سید'' کے لقب سے نوازے گئے۔

((اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَّ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ))

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اس کے ذریعے صلح کرائے گا۔''

وفات سے پہلے ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے جاہ و سلطنت پر مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو ترجیح دینے کا ثمرہ دیکھا انہوں نے دیکھا کہ فتوحات شہر قیصر کو متزلزل کر رہی ہیں یہ مبارک ثمرہ ان کی حکمت اور بے نفسی کا نتیجہ تھا۔ ہمیں اس صورتحال کا تصور کرنا چاہیے کہ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلافت کے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کشمکش جاری رکھتے تو صورتحال کیا ہوتی اور کس طرح انتشار، خونریزی اور کشاکش میں اضافہ ہوتا

اور شاید اپنے خیالات کی بہترین تعبیر انہوں نے پیش کی تھی جب کہا تھا:

''عرب کی کھوپڑیاں میرے ہاتھ میں تھیں، میں جس سے صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے لیکن میں نے محض اللہ کو راضی کرنے کی خاطر خلافت کو ترک کر دیا۔ مجھے ڈر پیدا ہوا کہ قیامت میں ستر یا اسی ہزار یا کم وبیش لوگ اس حال میں آئیں کہ ان کی کٹی ہوئی گردنوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور ہر ایک اللہ سے فریاد کرے کہ اس کا خون کس لیے بہایا گیا۔'' [1]

اسی طرح اس سال حکم بن عمرو غفاری صحابیٔ رسول کی وفات ہوئی جو زیاد کی طرف سے خراسان کے والی تھے۔ سن پچاس ہجری میں حکومتی سطح پر فیصلہ کن انقلابات آئے اسی سال میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کے دست راست کا انتقال ہوا جو ان کے

---

[1] ہمیشہ موضوع روایتیں ایک دوسرے کی اس بات پر تائید کرتی ہیں کہ ہر اس شخصیت کو جس کا امت میں زیادہ وزن ہے معاویہ کے ذریعہ زہر دے کر مار ڈالا جائے لیکن یہ امر گویا ان مسلمات میں ہے جو کسی طرح کی تنقید سے بالا ہے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ جو روایات ان باتوں کو ذکر کرتی ہیں ان کی کوئی سند نہیں وہ عموماً سمعت بعض من یقول (جیسا کہ میں نے سنا) کے لفظ سے شروع ہوتی ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق صحت سے قریب تر روایت عبدالرحمٰن بن صالح عتکی (صدوق متشیع) عن ابی اسامہ (صدوق) عن ابن عون (ثقہ) عن عمیر بن اسحاق (مقبول) کی ہے انکا بیان ہے:

میں اور قریش کا ایک دوسرا آدمی حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہ کھڑے ہوئے اور کمرے میں داخل ہوئے پھر نکلے اور فرمایا: میں نے اپنے جگر کے بہت سے ٹکڑے دیکھے ہیں جنہیں اس لکڑی سے الٹ پلٹ کر رہا تھا مجھے کئی دفعہ زہر دیا گیا لیکن اس بار سب سے زیادہ ہے پھر اس آدمی سے کہنے لگے کہ مجھ سے وہ وقت آنے سے پہلے پوچھ لو جب تم نہیں پوچھ سکو گے اس آدمی نے کہا: اللہ آپ کو عافیت میں رکھے میں آپ سے کچھ نہ پوچھوں گا راوی کہتا ہے ہم وہاں سے نکلے پھر دوسرے دن گئے وہ جان کنی کے عالم میں تھے اتنے میں حسین رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور کہا اے بھائی جان! ایسا کرنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا۔ کیا تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہاں! انہوں نے کہا اگر وہ وہی آدمی ہے جس کے بارے میں میرا گمان ہے تو اللہ اس سے زبردست انتقام لینے والا ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میری وجہ سے ایک بے گناہ شخص قتل کیا جائے۔ اس روایت کو ابن کثیر نے ابن ابی الدنیا سے اسی سند کے ساتھ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۴۲ میں نقل کیا ہے۔

دشمنوں کے گڑھ کوفہ کے لیے اپنی حکمت نرمی اور تدبر سے ان کی طرف سے کافی تھے۔ ان کی وفات کے ساتھ معاویہ کے لیے ضروری تھا کہ پورے اسلامی مشرق کے معاملات کو انجام دیں معاویہ کو یقین تھا کہ اس عظیم خطے کے قابل اگر کوئی ہے تو وہ زیاد ہے۔ وہی ایسا عقل مند با تدبیر اور بہادر شخص ہے جو حکومت کے لائق ہے اور حکومت اس کو زیب دیتی ہے۔

اس طرح زیاد بصرہ اور کوفہ کا والی ہو گیا نیز خراسان، سجستان اور ہندوستان کے علاقے بھی اس کی ولایت میں داخل ہوئے۔

اب زیاد مشرق اسلامی کا والی بن گیا۔

معاویہ کو عراق کی مخالفت کا اندیشہ لگا رہتا تھا وہ سمجھتے تھے کہ زیاد کی تلوار میں تشدد اور سخت گیری ہے ان کی خواہش تھی کہ اہل عراق کے دلوں میں خوف باقی رہے اور داخلی شگاف اور خانہ جنگی کا دروازہ نہ کھلے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے زیاد کو لکھا:

''یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم لوگوں کی قیادت ایک ہی طریقے پر کریں یعنی صرف نرمی کے ذریعے کہ وہ سرکش ہو جائیں یا صرف سختی کے ذریعہ کہ جس سے لوگ فنا کے گھاٹ اترنے لگیں بلکہ تم شدت، درشت خوئی اور سخت گیری کے لیے رہو اور میں نرمی، الفت اور رحم کے لیے تاکہ جب کوئی شخص ڈر محسوس کرے تو اسے ایسا دروازہ بھی مل جائے جس سے وہ داخل ہو سکے۔ [1]

اس میں شبہ نہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری اور نرمی پر اعتماد کرنے سے لوگوں کی امیدوں کا ایک وسیع میدان کھلا رہتا ہے کہ ان کے پاس ظلم نہ ہو گا اور امت میں یہ قناعت پیدا ہو چکی تھی کہ اگر والی کے پاس سخت گیری اور تشدد ہو گا تو دمشق میں خلیفہ کے پاس عدل و انصاف ہو گا وہ خطاؤں سے درگزر کرے گا اور گناہوں کو معاف کر دے گا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ: ج۸ص۱۳۶۔

اب مغرب اسلامی پر نظر ڈالی جائے۔

افریقہ کے فتح کرنے میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا کردار انتہائی عظیم تھا۔

ایک دفعہ ضرورت ہوئی کہ افریقہ کے ایک ایسے جنگل میں فوجی کیمپ نصب کریں جو درندوں اور زہریلے جانوروں سے بھرا ہوا تھا، عقبہ آگے بڑھے ان کے ساتھ بعض صحابہ تھے، انہوں نے یہ کہتے ہوئے ندا کی:

"اے درندو اور جاندارو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آدمی ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ اس لیے کہ ہم یہاں ٹھہرنے والے ہیں اس کے بعد ہم جسے یہاں پائیں گے مار ڈالیں گے۔"

چند ہی لمحوں میں یہ خبر تمام حیوانات کے حلقوں میں پہنچ گئی اور سب اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے جنگل چھوڑ کر نکل گئے۔ [1]

امیر المومنین معاویہ کی سیاست عظیم صلاحیتوں کے افراد کو منتخب کرنے اور انہیں زبردست ذمہ داریاں عطا کرنے پر مبنی تھی۔ چنانچہ پورے مغرب اسلامی مصر، برقہ، افریقہ اور طرابلس کو مسلمہ بن مخلد کے سپرد کیا۔

اور اس طرح مشرق اسلامی اور مغرب اسلامی مسلمہ اور زیاد کے درمیان منقسم تھا مسلمہ بن مخلد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک اپنی ذمہ داری پر برقرار رہے اور زیاد اپنی زندگی بھر اپنے عہدے پر فائز رہا۔

دشمنان امت پست ہو گئے خصوصاً رومی جو جنگ جمل اور صفین کے فتنے ہی کے موقع سے دولت اسلامیہ کو تہس نہس کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ [2] لیکن جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو گھروں میں ان کی نیندیں حرام کر دیں۔

---

[1] کتاب "اسباب سعادۃ المسلمین"، ص ۵۹ مطبوعہ دار القلم دمشق۔ [2] روم کے بادشاہ نے جب معاویہ کو دیکھا کہ علی کے ساتھ جنگ میں الجھے ہوئے ہیں تو بھاری لشکر کے ساتھ اس نے بعض خطوں پر چڑھائی کر دی معاویہ نے اس کے پاس لکھا کہ اے لعین: اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے اور اپنے ملک واپس نہ لوٹ گئے تو میں اور میرے چچا کا بیٹا دونوں تم سے مل کر جنگ کریں گے اور تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کر دیں گے اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود تم پر تنگ کر دی جائے گی اس وقت وہ ڈرا اور اس نے امیر معاویہ سے امان طلب کی۔

ابوزرعہ بروایت وحیم عن الولید عن سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں:

قتل عثمان کے وقت سے عام الجماعت تک دشمنوں سے کہیں جنگ نہ ہوسکی لیکن پھر معاویہ نے ارض روم میں سولہ جنگیں کیں ایک لشکر موسم گرما میں جاتا تھا اور ارض روم میں موسم سرما گزارتا تھا پھر اس کے بعد دوسرا لشکر جاتا تھا انہیں غازیوں میں ان کا لڑکا یزید بھی تھا اور اس کے ساتھ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گروہ موجود تھا وہ انہیں لے کر خلیج طے کرتا ہوا قسطنطنیہ پہنچتا ہے اور وہاں کے لوگوں سے ان کے گھر میں جنگ کی جاتی ہے۔ [1]

[1] البدایۃ والنہایۃ: ج ۸ ص ۱۳۳۔

ایک نیا اندرونی خلفشار

یہ طوفان حجر بن عدی کے قتل کا تھا۔

ابن جریر طبری نے بروایت محمد بن سیرین [1] نقل کیا ہے:

زیاد نے ایک دن جمعہ کا خطبہ دیا۔ خطبہ بہت طویل ہو گیا اور نماز میں تاخیر ہو گئی۔ حجر بن عدی نے اس سے کہا! نماز! وہ خطبہ میں مشغول رہا انہوں نے پھر کہا: نماز! اس نے اپنا خطبہ جاری رکھا جب حجر کو نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہوا تو اس کی طرف کنکری پھینکی اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ اٹھ پڑے۔ زیاد نے جب یہ دیکھا تو منبر سے اتر کر نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد معاویہ کو اس کی اطلاع بھیجی اور بڑھا چڑھا کر لکھا۔

معاویہ نے اس کے پاس لکھا کہ اسے زنجیر میں باندھ کر میرے پاس بھیج دو۔

معاویہ کو جس صورتحال کی اطلاع پہنچی اس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ کوفہ ان کے خلاف بغاوت کر دے گا چنانچہ پہلی بار معاویہ کا موقف ان کی طبیعت اور بردباری کے خلاف ہم نے بدلا ہوا دیکھا اور حجر بن عدی کا موقف بھی ہر جگہ معروف ہو گیا اس لیے کہ کوفہ جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا دشمنوں کا گڑھ تھا کسی بھی واضح موقف کو گھوڑ سوار ادھر ادھر لے جاتے تھے اور اس عرصے میں جدید اور جدید ترین واقعات کی توقع ہوتی تھی۔ اس دفعہ معاویہ کا موقف بدل گیا۔

یہ خبر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی انہوں نے فوراً عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو معاویہ کے پاس بھیجا اور حجر اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دینے کی سفارش کی۔ [2]

---

[1] ابن جریر نے اسے بروایت علی بن حسن (مقبول) عن مسلم الحرمی (مجہول) عن مخلد بن حسن (مقبول) عن ہشام بن عروہ (ثقہ ربما دلس) عن محمد بن سیرین (ثقہ ثبت) نقل کیا ہے یہ سند صحت کے زیادہ قریب ہے۔

[2] اسے ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۵۴ میں بروایت محمد بن سعد فی الطبقات عن بعض اہل العلم نقل کیا ہے۔

لیکن افسوس ام المومنین رضی اللہ عنہا کے قاصد کے پہنچنے سے پہلے معاملہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

ابن جریر آگے لکھتے ہیں:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کے پاس لکھا کہ اسے زنجیر سے باندھ کر میرے پاس بھیج دو جب معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط آ گیا تو حجر رضی اللہ عنہ کی قوم کے لوگوں نے انہیں روکنا چاہا تو انہوں نے کہا:

نہیں، بلکہ یہ سمع وطاعت ہے۔

چنانچہ انہیں زنجیر سے باندھ کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

جب وہاں پہنچے تو کہا:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ.

معاویہ نے ان سے کہا: امیر المومنین!

بخدا! تجھے نہ چھوڑوں گا نہ چھوڑنے کی سفارش قبول کروں گا۔

لے جاؤ اور اس کی گردن ماردو۔

چنانچہ وہ وہاں سے لے جائے گئے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف سے ظاہر ہے کہ وہ غصے اور پریشانی کے عالم میں تھے اس لیے کہ تمام حالات اور دلائل حجر رضی اللہ عنہ کے اتہام کی طرف اشارہ کر رہے تھے اس لیے لوگوں میں اس سے کوئی نامانوسیت نہیں تھی اور یہ بات معروف تھی کہ وہ متشدد شیعان علی میں سے اور سب سے بڑھ کر خود دار تھے وہ علی رضی اللہ عنہ کی محبت، ان کی ولایت کسی سے بلکہ والیوں کے سامنے بھی مخفی نہیں رکھتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ اکثر و بیشتر اس علانیہ اظہار موقف سے باز رہنے کی نصیحت کرتے تھے لیکن اسے وہ قبول نہیں کرتے تھے۔ مگر مغیرہ اس وقت حجر اور ان کے ساتھی شیعان علی سے کوئی جنگ کرنی نہیں چاہتے تھے۔ مغیرہ نے کہا تھا:

میرا وقت قریب آ گیا ہے، قوت عمل کمزور پڑ گئی ہے، مجھے پسند نہیں کہ اس شہر کے بھلے لوگوں کے قتل کی ابتدا کروں، ان کا خون بہاؤں، اس سے وہ کامیاب ہوں اور میں

بدنصیب ہو جاؤں، دنیا میں معاویہ کو عزت ملے گی لیکن قیامت میں مغیرہ کو ذلت نصیب ہو گی بلکہ میں ان کے نیکوں کاروں کو قبول کرنے والا، خطا کاروں کو معاف کرنے والا۔ بردباروں کی تعریف کرنے والا اور کم سمجھوں کو نصیحت کرنے والا ہوں یہاں تک کہ موت میرے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے۔

لیکن زیاد کی سیاست مغیرہ کی سیاست سے مختلف تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ معاویہ کی اجازت کے بغیر کسی چیز میں تصرف کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر جمے رہے۔

اور حجر اپنے انجام تک پہنچنے والے تھے۔

حجر نے اس کام کے ذمہ داروں سے کہا مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو۔

انہوں نے کہا پڑھ لو۔

انہوں نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر کہا:

اگر تم میرے بارے میں کچھ اور نہ سوچتے تو میں ان دونوں رکعتوں کو اور طویل کر کے ادا کرتا۔ انہوں نے حضرت خبیب کی سنت ادا کی جنہوں نے موت کے وقت اسی خیال سے دو ہلکی رکعتیں ادا کی تھیں اور کہا تھا:

اگر تمہارا خیال یہ نہ ہوتا کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں تو میں انہیں اور طویل کرتا۔

اسی بات کو حجر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا انہیں اندیشہ ہوا کہ یہ لوگ ایسا گمان نہ کریں کہ یہ موت کے خوف سے نماز طویل کر رہا ہے اس لیے بہتر سمجھا کہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں اپنے رب سے سرگوشی کر لیں پھر انہوں نے اپنی زندگی کے ساتھ رشتے کو مختصر لمحوں میں سمیٹتے ہوئے کہا:

"اگر گزری ہوئی نمازوں میں خیر نہیں تو ان دونوں میں بھی خیر نہیں۔"

لوگ ان کا بندھن کھولنے کے لیے آئے تو انکے ذہن میں ایک چمک پیدا ہوئی اور انہوں نے سچے عزم اور اپنے موقف کی صداقت پر بھروسا کرتے ہوئے کہا:

''یہ زنجیر مت کھولو اور نہ خون دھونا، میں کل معاویہ سے پل صراط پر ملوں گا،
پھر لائے گئے اور گردن ماردی گئی۔''

لشکریوں کا گروہ جب حجر بن عدی اور ان کے چودہ ساتھیوں کو لے کر معاویہ کے پاس سے مقتل کی طرف چلا تو معاویہ بیٹھ گئے اور اپنی رائے اور موقف کے بارے میں غور و فکر کرنے لگے پھر ان پر ان کی بردباری کا غلبہ ہوا اور انہوں نے بہتر سمجھا کہ ان کی خون ریزی سے رک جائیں اور اپنی گردن پر ان کے خون کا بار نہ لیں۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ انہیں قید کر دیا جائے یا دوسرے شہروں میں بھیج دیا جائے جس سے فتنہ فرو ہو جائے۔ کیا یہ طریقہ ان کے ساتھ اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کے ساتھ بغیر کسی کا خون بہائے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پھر طویل غور و فکر کے بعد یہی رائے پسند آئی اور قتل سے پہلے انہیں بچانا چاہا اور اس غرض سے فوراً ایک قاصد روانہ کیا۔

معاویہ کا قاصد لشکریوں کے پاس اس وقت پہنچا جب معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا لوگوں کو قتل کیا جا چکا تھا اور حجر اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو کر اپنے رب سے مل چکے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک غم اور اضطراب گھیر لیتا جب بھی حجر اور ان کے ساتھی انہیں یاد آتے۔

حجر کے قتل کے واقعہ سے امت مسلمہ میں غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ حجر بن عدی کا قتل صلحاء امت کے نزدیک معاویہ کے خلاف سب سے بڑی قابل مواخذہ بات تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حجر کے قتل سے شدید غم تھا اور حسن بصری حجر بن عدی کے قتل پر معاویہ کو شدید طور پر ملامت کرتے تھے اور خود معاویہ رضی اللہ عنہ حجر کے قتل پر خود کو بہت ملامت کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے:

''اے حجر! تمہارے غم میں میرا دن بہت طویل لگتا ہے۔'' [1]

---

[1] سابقہ روایات کے تکملہ کے بطور ابن جریر نے ابن سیرین سے ۲۵۶/۵ میں نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ صحابی رسول حجر بن عدی کا قتل ایسا واقعہ ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امت کے قائدین سے ملاقات

مکہ اور مدینہ کے حج و زیارت کے موقعہ پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خاص لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ یہ واقعہ حجر بن عدی کے قتل کے بعد کا ہے انہوں نے حسین، عبداللہ بن عمر اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی انہیں بیت الحرام کے حج کا خیال پیدا ہوا تا کہ اپنے ان گناہوں پر استغفار کر سکیں جو بتقاضائے بشریت سرزد ہو گئے تھے۔

روحانی شوق انہیں مقدس مقامات کی طرف کھینچ رہا تھا اور غالباً حجر اور ان کے ساتھیوں کا قتل انہیں مسلسل پریشان خاطر کئے ہوئے تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ امت کے قائدین سے ملاقات کر کے اس عظیم حادثے کے لیے ان سے معذرت کریں۔ اسی عزم کے ساتھ انہوں نے اس سال مسلمانوں کے ساتھ حج ادا کیا اور پھر مدینہ کا سفر کیا۔

سب سے زیادہ ڈر انہیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات سے تھا وہ ان کے بھائی محمد بن ابوبکر کے قتل پر ان کے شدید موقف سے آگاہ تھے، وہ چاہتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی حکومت کے لیے سند اور باعث تعاون ہوں اگر انہوں نے مخالف موقف اختیار کیا تو ان کی حکومت کی بنیاد متزلزل ہو جائے گی۔

انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی اجازت چاہی پہلے تو وہ انہیں اجازت دینے سے ہچکچائیں لیکن پھر اجازت دے دی۔

(بقیہ حاشیہ ✿) جو ہر مسلمان کے لیے باعث غم ہے تاہم یہ معاویہ کا اجتہادی کام تھا جس میں انہوں نے امت کی مصلحت سمجھی تھی اس کام پر انہیں غضب یا جذبۂ انتقام نے نہیں ابھارا تھا نہ ہی ان میں بردباری اور محبت کا فقدان تھا حجر نے کوفہ میں ایسے کئی کام کئے تھے جن سے اندیشہ تھا کہ کوئی نیا فتنہ پھوٹ پڑے یہاں تک کہ حجر نے زیاد کو منبر پر کنکری ماری تھی۔ حجر کے قتل کرنے کے سلسلے میں معاویہ کی رائے پر ان کی وہ بات شاہد ہے جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہی تھی جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عتاب کیا تھا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا ام المومنین! میں نے ان لوگوں کے قتل کو امت کی اصلاح اور بہتری اور ان کی بقا کو فساد سمجھا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ج ۶ ص ۲۲۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تم نے حجر کو قتل کر دیا؟

کہا ام المومنین میں نے ایسے آدمی کے قتل میں لوگوں کی بہتری سمجھی جس کے زندہ چھوڑ دینے سے لوگوں میں فساد پھیلتا۔ [1]

عائشہ رضی اللہ عنہا: معاویہ تم نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا تم نے جو کیا سو کیا۔ کیا تمہیں اس کا خوف نہیں ہے کہ میں کسی آدمی کو چھپا رکھوں جو تمہیں قتل کر دے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر کہا:

نہیں میں اماں کے گھر میں ہوں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے۔

''ایمان قتل کی بندش ہے۔ مومن قتل نہیں کرتا۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا: معاویہ تمہاری بردباری کو کیا ہو گیا تھا جب تم نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا؟

معاویہ رضی اللہ عنہ: اے اماں میری قوم سے آپ جیسا آدمی جب میرے پاس نہ تھا۔ پھر

---

[1] اس میں شک نہیں کہ فساد سے مقصود یہاں لوگوں کو حکومت کے خلاف ابھارنا اور نئے فتنے پیدا کرنا ہے یہ بات اس مسئلے سے متعلق معاویہ کو حاصل ہونے والی معلومات کی صحت سے متعلق ہے یہ بھی بعید نہیں کہ ان میں کچھ مبالغہ رہا اس لیے اس کی ذمہ داری معاویہ پر نہیں ہے ہم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ قتل میں بعض ایسی غلطیوں کا شکار ہوئے کہ بنی جذیمہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فعل سے برأت ظاہر کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ! خالد بن ولید نے جو کیا ہے میں تیرے سامنے اس سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں۔ ہم نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں کے سلسلے میں جنہیں غلطی سے قتل کیا گیا تھا خالد کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا انہیں معزول کر دیجئے ان کی تلوار میں تیزی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کا عظیم جواب یہ تھا۔

انہوں نے تاویل کی اور اس میں خطا ہو گئی خالد کے بارے میں اپنی زبان کو روک لو۔ میں ایسی تلوار کو عیب نہیں لگا سکتا جسے اللہ نے مشرکوں کے لیے کھینچا ہو۔

اور شاید معاویہ رضی اللہ عنہ نے تاویل کی اور غلطی کی جیسا کہ انہوں نے اپنے بعض اعتذارات میں کہا ہے ان لوگوں کو انہوں نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف گواہیاں دیں۔ ان کے اقوال میں سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی کا قتل کیا جانا ایک لاکھ کے قتل کئے جانے سے بہتر ہے۔ نئے سرے سے خون ریزی شروع ہو گی جسے امت میں روکا نہ جا سکے گا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے توڑتے ہوئے کہا:

اماں! آپ کے ساتھ میرا سلوک کیسا ہے؟

عائشہ رضی اللہ عنہا! تم میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہو۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: اس کے علاوہ آپ کی ضرورت اور معاملات میں میں کیسا ہوں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا: بہتر ہو۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: تو مجھے اور حجر کو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے کہ ہمارا فیصلہ اللہ کرے گا۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے نکلے اور اہل مدینہ ان سے سلام و ملاقات کے لیے آنے لگے انہوں نے ان کا استقبال خندہ پیشانی سے کیا پھر مسجد نبوی میں آئے منبر پر چڑھ کر پوری صراحت سے مسلمانوں پر اپنی سیاست کا اعلان کیا جس میں انہوں نے غرور کبریائی سے پاک نرمی اختیار کی حد درجے کا تواضع اور حکمت بالغہ اپنائی حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا:

بخدا! جب میں تمہارے امور کا والی بنایا گیا تو میں جانتا تھا کہ تم میری ولایت سے نہ خوش ہو اور نہ اسے پسند کرتے ہو اور اس بارے میں آپ لوگوں کے دل میں جو بات ہے اسے بھی میں جانتا ہوں بلکہ میں نے تو آپ لوگوں کو اپنی تلوار سے اپنی طرف کھینچا ہے۔

ایک آدمی اس تصور کے پیش نظر تھوڑی دیر ٹھہر کر یہ سوال کر سکتا ہے۔

اہل مدینہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو کیوں نہیں پسند کرتے تھے؟

جواب صاف اور واضح ہے۔

کوفہ جو اس سے پہلے ان کے دشمنوں کا گڑھ تھا وہ آج ان کا ہمنوا اور ساتھی بن چکا تھا۔ مدینہ منورہ اسلامی قائدین کا مرکز تھا۔ یہاں بہت سے لوگ معاویہ کے ہمسر اور مشابہ تھے بلکہ جہاد اولیت اسلام اور اس کی آزمائش میں ان سے بڑھ کر بھی تھے۔

---

[1] یہ بات مختلف صحیح روایات میں بیان ہوئی ہے جس میں ایک روایت امام احمد کی ہے جسے ابن ابی ملیکۃ کی سند سے روایت کیا ہے۔

مدینہ میں ابھی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما موجود تھے جو چھ اہل شوریٰ میں سے تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار اور مہاجرین کی ایک بڑی تعداد کچھ بدری صحابہ اور اصحاب بیعت رضوان بھی موجود تھے۔

مدینہ ہی سے قائدین، امرا اور حکام بھیجے جاتے تھے۔

کیا معاویہ اور ان کے اکثر والی مدینہ منورہ کے تربیت یافتہ اور اس کے مبارک ثمرہ نہ تھے اور مدینہ سے حکومت کا شام منتقل ہونا خلافت سے ملوکیت تک پہنچنے کے مترادف تھا معاویہ نے امت اور اس کے قائدین کے سامنے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی تھی:

''میں نے ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے طریقے کو اختیار کرنا چاہا لیکن مجھ میں اس کی قدرت نہ تھی، پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا طریقہ اختیار کرنا چاہا تو میری طبیعت نے اس سے فرار اختیار کیا، پھر ارادہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے طور طریقے کو اپناؤں لیکن میرا دل اس کے لیے بھی تیار نہ ہوا اور ان جیسے لوگوں کے مثل ہوا بھی کیسے جا سکتا ہے اور جو کوئی ان جیسے اعمال کی قدرت بھی رکھے تو ان کے بعد فضل و مرتبت کو نہیں پا سکتا۔ رحمۃ اللہ ورضوانہ علیہم۔''

انہوں نے امت کے سامنے اعلان کیا کہ خلافت ان شہسواروں کے ساتھ رخصت ہوگئی ان میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ ان کے معیار تک پہنچ سکیں پھر آج صورتحال کیا ہو سکتی ہے اس کے متعلق کہتے ہیں:

لیکن میں نے ایسا طریقہ اپنایا جس میں میرے لیے منفعت تھی نیز آپ لوگوں کے لیے بھی اور ہر شخص کے لیے بہترین زندگی کے ذرائع ہیں جب تک وہ اپنا طور طریقہ اچھا رکھے اور اطاعت باقی رکھے۔

رفاہ عامہ کے بارے میں انہوں نے اپنے اقتصادی منصوبے کا اعلان کیا اور کہا کہ

اس کا حصول حاکموں کے اللہ کے راستے پر قائم رہنے اور محکومین کے معروف میں اطاعت کرنے پر مبنی ہے۔

انہوں نے لوگوں کے اس خیال کا انکار نہیں کیا کہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان سے بڑھ کر ہیں یہ ہر شخص کا انفرادی حق ہے جس میں وہ مداخلت روا نہیں رکھتے بلکہ وہ اس امر کی واقعیت سے بھی اختلاف نہیں کرتے جب وہ کہتے ہیں:

اگر چہ میں تم میں بہتر شخص نہیں ہوں لیکن تمہاری بہتری کا ذریعہ ہوں۔ اپنی پرامن سیاست کا اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بخدا! میں اس پر تلوار نہیں اٹھاؤں گا جس کے پاس تلوار نہیں ہے اور جو کچھ ہو گزرا اس جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں میں نے اسے فراموش کر دیا۔

وہ لوگوں کے لیے اعلان کرتے ہیں کہ ان کے حق محفوظ ہیں جسے ان تک پہنچانے کے لیے وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے لیکن اس حق کی کمی کی صورت پر فتنہ و انقلاب سے بچنا چاہیے اس لیے کہ فتنہ لعنت اور حسد و بغض کو جنم دیتا ہے اور تمام خشک و تر کو نیست و نابود کر دیتا ہے وہ کہتے ہیں:

لوگو! تمہیں مجھ سے پورا حق نہ مل رہا ہو تو اس کے بعض حصے سے مجھ سے راضی رہنا اس لیے کہ فتنہ گھات میں لگا رہتا ہے اور فتنہ جب کھڑا ہو جاتا ہے تو تباہ کر کے ختم ہوتا ہے تم فتنے سے بچو اس لیے کہ یہ معیشت کو بگاڑتا، نعمت کو خراب کرتا اور استیصال کو جنم دیتا ہے۔

میں اپنے اور آپ سب کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ [1] پھر وہ منبر سے اتر آئے۔

---

[1] ابن کثیر نے یہ خطبہ اصمعی (ثقہ) عن الہذلی (ثقہ) عن الشعبی (ثقہ) روایت کیا ہے لیکن اس میں ایک اشکال ہے کہ یہ عام الجماعت میں دیا گیا جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ معاویہ نے صرف چوالیس اور پچاس ادرا کیادن ہجری میں حج کیا ہے اور راجح یہ ہے کہ انہیں دونوں سالوں میں یہ خطبہ دیا گیا ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کس سال میں یہ خطبہ دیا گیا بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس سے معاویہ کی طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے خواہ کوئی بھی سال ہو۔

اس خطبے کی روح پورے طور پر اُس خطبے کی روح سے مختلف ہے جسے زیاد نے پیش کیا۔

زیاد کے بیان سے اس قوم پر سطوت وتشدد کا اظہار ہوتا ہے جس کے کم عقل لوگوں نے ان میں فساد برپا کر دیا تھا۔

لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیان کی روح اہل حق کے حقوق کے اعتراف اور امت کے قائدین کی ان کے مرکز میں تعظیم وتکریم کے مشابہ ہے۔

ہم اہل مدینہ اور ان کے مرحوم خلیفہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جاننا چاہیں گے جو مدینہ میں اس سلسلے کی آخری کڑی تھے۔

تو معاویہ نے اپنے خطبے میں علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ اصلاً انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہی تسلیم نہیں کی تھی۔

یہ بھی ضروری تھا کہ اس سلسلے کی سب سے آخری کڑی یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جو خلافت کے سابق امیدواروں میں سے تھے رائے معلوم کی جائے۔

چنانچہ دونوں شخصیات کی گفتگو شروع ہوئی۔

مختصر گفتگو کے بعد معاویہ نے چاہا کہ سعد کے دل کا راز معلوم کریں چنانچہ ان سے فوراً سوال کیا۔

آپ نے ہمارے ساتھ کیوں جنگ نہیں کی؟

سعد: میرے اوپر ایک سیاہ آندھی چلی میں نے کہا ٹھہرو، ٹھہرو، اپنی سواری بٹھائی پھر جب آندھی گزر گئی تو میں نے راستہ پہچانا اور چلنا شروع کیا۔

معاویہ: کتاب اللہ میں بیٹھو بیٹھو نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ اِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج فَاِنْ م بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [۴۹/الحجرات:۹]

''اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان میں صلح کراؤ پھر
اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر سرکشی کرے تو سرکش گروہ سے جنگ
کرو تا کہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''

بخدا! میں نہ تو عادل گروہ کے برخلاف باغی گروہ کے ساتھ تھا اور نہ باغی کے خلاف عادل گروہ کے ساتھ تھا۔

سعد: میں ایسے آدمی سے جنگ نہیں کر سکتا تھا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

معاویہ: آپ کے ساتھ یہ قول اور کس نے سنا ہے؟

سعد: فلاں فلاں اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے۔

معاویہ: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہوتا تو علی رضی اللہ عنہ سے جنگ نہ کرتا۔ [1]

اس طرح وہ پوری صفائی اور سادگی سے حق بات کہتے ہیں اور اہل حق سے اعتذار کرتے ہیں اور اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ زبیر رضی اللہ عنہ سے جب علی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: زبیر کیا تمہیں یاد نہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کہا تھا کہ ایک دن تم علی سے جنگ کرو گے حالانکہ تم ہی ظالم رہو گے۔

تو زبیر نے اس وقت جواب دیا تھا اگر مجھے یہ یاد ہوتا تو آپ سے لڑنے کے لیے نہ نکلتا۔

یہ ایسی نسل کے لوگ تھے جو حق پر اور اہل حق کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، حق کی طرف لوٹنے اور نفس کو حق کے تابع کرنے میں کوئی عیب و عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

وہ ویسے ہی تھے جیسا اللہ نے ان کا وصف بیان فرمایا ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ

---

[1] اسے کثیر نوری نے عبداللہ بن بدیل سے روایت کیا ہے لیکن تاریخ رجال میں کثیر نوری کے نام کا علم نہ ہو سکا۔ عبداللہ بن بدیل صدوق ہیں لیکن خطا کرتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ج۸ ص ۷۷)

بَيْنَهُمْ ﴾ [۴۸/الفتح:۲۹]

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے اصحاب ہیں وہ کافروں کے لیے سخت اور آپس میں نرم ہیں۔''

اور دوسرے مقام پر ان کی تعریف میں فرمایا ہے:

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ﴾ [۵/المآئدة:۵۴]

''مومنوں کے لیے فروتن اور کافروں کے لیے سخت ہیں۔''

فی الواقع وہ تاریخ میں سب سے بہترین دور کے افراد تھے۔

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولی عہدی

سال پر سال گزر رہے ہیں، سرزمین اسلام میں امن کا دور دورہ ہے، فتوحات کا دائرہ مشرق و مغرب میں وسیع ہو رہا ہے، سرحدوں پر مجاہدین اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے فروکش ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات پر غور کیا انہوں نے دیکھا کہ وہ ستر سال کو پہنچ رہے ہیں ان کی عمر کافی دراز ہو چکی ہے۔ وہ سوچنے لگے کہ ان کی وفات کے بعد امت کا کیا حال ہوگا جس طرح ان کے بڑے والی رخصت ہو گئے ضروری ہے کہ نوجوان نسل اپنے فرائض سنبھالے۔ خصوصاً امیر مشرق زیاد کی وفات کے بعد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کے موقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خواہش ہوئی تھی چنانچہ اس کے لیے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہلوایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلہ اور آپ کا موئے مبارک دید یجئے۔

راوی کہتا ہے:

انہوں نے یہ چیزیں مجھے دیں انہیں لے کر میں معاویہ کے پاس آیا انہوں نے حلہ لے کر پہن لیا اور موئے مبارک کو لے کر پانی منگایا اسے دھویا اور اس پانی کو پیا اور اپنے جسم پر ملا، پھر پانی کو اپنے پاس محفوظ کر لیا۔

وہ برابر اصحاب رسول کی باتیں سنتے، ان سے مشورہ کرتے اور ان کی آراء کو پسند کرتے تھے۔

یہ مسور بن مخرمہ ہیں، معاویہ کے پاس آتے ہیں وہ جانتے تھے کہ مسور ہمیشہ خلیفہ اور اس کے والیوں پر تنقید کرتے رہتے ہیں لیکن انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان سے یہ گفتگو کی۔

معاویہ: مسور! والیوں پر آپ کی جرح سے کیا فائدہ ہوا؟

مسور: اب اس گفتگو کا موقعہ نہیں ہم جس کام کے لیے آئے ہیں اسے اچھی طرح کرو۔

معاویہ: تو تم خود بات کرو۔

مسور: میرے نزدیک جو چیز عیب دار ہوتی ہے لوگوں کو اس کی خبر کر دیتا ہوں۔

تھوڑی دیر خاموشی کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسور کی طرف نظر اٹھائی اور ان کی طرف نظریں گاڑ کر اعتماد کے ساتھ ان سے کہا:

کیا تمہارے کچھ ایسے گناہ بھی ہیں کہ اگر اللہ انہیں نہ بخش دے تو تمہیں ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

مسور: ہاں میرے ایسے گناہ ہیں کہ اگر اللہ نے انہیں نہ بخشا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

مسور نے جواب دیتے ہوئے محسوس کیا کہ انہیں خاموش کر دیا ہے لیکن انہوں نے اپنی نظر معاویہ کی طرف اٹھائی جو ان سے کہہ رہے تھے:

پھر وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے تم خود کو مجھ سے زیادہ مغفرت کا حق دار سمجھتے ہو؟

مسور نے ابھی جواب کا قصد نہیں کیا تھا کہ معاویہ اسی رو میں پوری حرارت کے ساتھ ان کا جواب دیتے گئے۔

بخدا! میرے ذمہ جو رعیت کی اصلاح، اقامت حدود، آپس میں اتحاد، جہاد فی سبیل اللہ اور دیگر بڑے بڑے امور ہیں جن کا شمار اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور نہ تم ہی کر سکتے ہو تم جتنے عیوب اور گناہوں کا ذکر کرتے ہو یہ سب ان سے زیادہ ہیں۔

مسور تھوڑی دیر غور و فکر کرنے لگتے ہیں اور معاویہ اپنی گفتگو جاری رکھتے ہیں:

اور میں ایسے دین پر ہوں جس میں اللہ نیکیوں کو قبول کرتا اور گناہوں کو معاف کرتا ہے بخدا! اگر اسی معاملے میں اللہ اور اس کے علاوہ کے درمیان مجھے انتخاب کا اختیار دیا جاتا تو میں اللہ کو اختیار کر کے سب کو ترک کر دیتا، مغیرہ نے اجازت طلب کی اور معاویہ کے پاس آئے، مسور کو معاویہ کی باتوں سے بڑی تنگی محسوس ہوئی اس لیے وہاں ٹھہرنے کی ہمت نہ کر سکے اور وہاں سے باہر نکل آئے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس گفتگو کے بعد مسور پر جو کیفیت گزری اسے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے جو کچھ کہا اس کے بارے میں میں نے غور وفکر کیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ معاویہ غالب آ گئے۔

کہا کہ مسور جب اس کے بعد ان کا ذکر کرتے تو ان کے لیے خیر کی دعا کرتے تھے۔ [1]

معاویہ کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی ہوتی تھی کہ ان کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟

جب ارض اسلام پر موجود اسلامی قائدین کا جائزہ لیتے تھے تو ان کی نظر میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، حسین بن علی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی شخصیات آتی تھیں۔

لیکن ان کی نظر میں موجودہ صورتحال میں یہ معاملہ کسی کی بھی گرفت سے باہر تھا۔ امت نئے اختلافات اور جدید مصائب میں گرفتار ہو سکتی تھی ایسی جنگیں برپا ہو سکتی تھیں جو سب کا صفایا کر دیتیں، جتنی خون ریزیاں ہو چکی ہیں یہی کیا کم تھیں، ان کا لڑکا یزید ان لوگوں کے مثل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ذمہ داریوں کا اہل ہے۔

اس نے بعض بڑی ذمہ داریوں کا تجربہ کیا ہے۔ قسطنطنیہ کے محاصرے کے وقت اس معاملے کی لیاقت کا اس نے ثبوت دے دیا ہے اس جنگ نے لوگوں کی نگاہیں اپنی جانب موڑ لیں خاص طور پر اس میں اس نے کبار مجاہدین اور مسلمان رہنماؤں کے ساتھ جنگ کی۔

لیکن ایسا کرنے سے وہ ایسی سنت کا اجرا کریں گے جسے اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

---

[1] ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ: ج ۸، ص ۱۳۲ میں بروایت عبدالرزاق عن معمر عن الزہری عن حمید بن عبدالرحمٰن عن المسور بن مخرمہ ذکر کیا ہے سند کے سبھی رواۃ ثقہ اور عدول ہیں۔

یعنی اولاً اپنی زندگی میں اپنا ولی عہد منتخب کریں۔

ثانیاً ولی عہد خود امیر المومنین کا بیٹا ہو۔

اسکے ساتھ انہوں نے یہ طریقہ پسند کیا کہ مدینہ میں کبار صحابہ سے اس بارے میں رائے لیں۔

چنانچہ وہاں کے والی کے پاس اطلاع بھیجی کہ جو میرے پاس آنا چاہے اسے بھیج دو۔

عمرو بن حزم انصاری ان کے پاس آ کر اجازت طلب کرتے ہیں۔

پاسبان! معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اجازت لینے آتا ہے اور کہتا ہے:

عمرو آئے ہوئے ہیں اجازت ملاقات چاہتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ! میرے پاس کس لیے آئے؟

پاسبان آپ کے حسن سلوک کے طالب ہیں۔

معاویہ! اگر سچے ہیں تو میرے پاس لکھ کر دیں جو طلب کریں گے۔ میں انہیں دوں گا اور ملاقات نہیں ہو سکے گی۔

پاسبان ان کے پاس گیا اور کہا آپ کو جو ضرورت ہے وہ لکھ دیجئے۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ بہت شرمندہ ہوئے اور دربان سے کہا:

سبحان اللہ! امیر المومنین کے دروازے پر آؤں اور ان سے ملاقات نہ کرسکوں، میں تو ملاقات کر کے ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

معاویہ نے دربان سے کہا: اس کو فلاں دن کی تاریخ دے دو کہ صبح کی نماز پڑھ کر آ جائیں۔

اس تاخیر سے عمرو رنجیدہ ہو کر لوٹ پڑے۔ سوچنے لگے کہ بلا ملاقات کیسے مدینہ لوٹ جائیں لیکن وہ بہت بڑی بات لے کر آئے تھے جسے معاویہ کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے وہ ان کے لیے بہت گراں ہو گیا لیکن اس کے لیے اللہ سے اجر کی امید رکھتے تھے بہرحال صبح کی نماز کا وقت آ گیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب صبح کی نماز پڑھ لی تو حکم دیا کہ دیوان خانے میں چارپائی بچھا

دی جائے پھر لوگ وہاں سے نکلنے لگے ان کے پاس صرف ایک ہی کرسی تھی جسے عمرو کے لیے رکھا گیا تھا۔ عمرو آئے اور اجازت چاہی انہیں اجازت مل گئی سلام کیا اور کرسی پر بیٹھ گئے معاویہ نے ان سے کہا آپ کی ضرورت؟

کہا:

تمام حمد وثنا اللہ کے لیے ہے۔

یقیناً یزید بن معاویہ قریش کا شریف النسب نوجوان مال سے غنی ہو گیا تمام چیزوں سے فارغ البال ہو گیا سوائے بھلائیوں کے، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

اللہ تعالیٰ جس شخص کو کسی رعیت کی نگہبانی عطا کرتا ہے قیامت میں اس کے بارے میں اس سے سوال کرے گا کہ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

اے معاویہ! امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کس کو خلیفہ بنائیں گے۔ اس کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں وہ بات ختم کر کے معاویہ کے جواب کا انتظار کرنے لگے اس کے متعلق انہیں کسی طرح کی پروا نہ تھی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے سر اٹھایا اور اتنی لمبی سانس لی جس سے ان کے ہوش وحواس غائب ہونے کا اندیشہ تھا صبح کی چادر میں انہیں گرمی محسوس ہوئی اور پسینہ آ گیا، وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگے پھر افاقہ ہوا، اس معاملے میں ان کو زندگی بھر کا حاکمانہ تجربہ تھا انہوں نے یزید کی خلافت کے لیے طویل غور وفکر کے بعد فیصلہ کیا تھا اور اس نتیجے تک پہنچے تھے۔

اللہ کی حمد وثنا کے بعد انہوں نے کہا:

آپ ہمارے ناصح ہیں میں آپ کی رائے پر انتہائی غور کر کے کہہ رہا ہوں۔

عمرو بن حزم کی جرأت اور خدا لگتی نصیحت نے انہیں سعادت سے معمور کر دیا انہوں نے مزید کہا:

اب میرا لڑکا اور ان لوگوں کے لڑکے ہی باقی رہ گئے ہیں لہٰذا میرا بیٹا ان کے بیٹوں سے زیادہ حق دار ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: آپ کی ضرورت؟

عمرو رضی اللہ عنہ: میری کوئی ضرورت نہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ: تو تشریف لے جائیے۔

ان کے بھائی نے کہا: کیا ہم مدینہ سے اتنی مشقت اٹھا کر صرف گفتگو کے لیے آئے ہیں؟

عمرو رضی اللہ عنہ: میں تو صرف گفتگو کے لیے آیا ہوں۔

چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں تحائف اور انعامات دیئے اور اسی طرح عمرو کو بھی دینے کو کہا۔ [1]

یہ عمرو بن حزم ہیں مدینہ سے شام تک کا سفر انتہائی مشقت اٹھا کر اس لیے کرتے ہیں تا کہ معاویہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنائیں اور ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنی آخری تجویز کا اعلان کرنے سے پہلے غور وفکر کر لیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خلیفہ اور جانشین بنانے کے سلسلے میں ان سے سوال کرے گا۔ عمرو یہ طویل سفر اس لیے کرتے ہیں تا کہ کلمہ حق کہیں، کچھ بھی ہو جائے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ دین اللہ، اس کے رسول، مسلمان ائمہ اور ان کے عوام کے لیے خیر خواہی کا دین ہے۔

اللہ اور رسول کی خاطر امام کو نصیحت ضروری ہے۔

اور یہ خلیفہ ہیں جو اللہ اور رسول کے ذکر، اپنے جانشین کے حسن انتخاب کے لیے یہاں تشریف لانے والے اور نصیحت کرنے والے کا شکریہ ادا کرتے ہیں ان کی اس کوشش کو سراہتے ہیں اور وفد کے دوسرے افراد کی طرح ایک درہم بھی کم کیے بغیر انہیں بھی تحائف اور انعامات سے نوازتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یزید کے لیے مخالفت اگر ہو سکتی ہے تو عبداللہ بن عمر،

---

[1] مجمع الزوائد بروایت ابن سیرین ج ۴، بوصیری نے اس سے سکوت اختیار کیا ہے۔ ہیثمی نے کہا: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

اور مدینہ وہ منفرد مرکز ہے جہاں مسلمانوں کے مہاجرین وانصار کے برگزیدہ پاکباز لوگ ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس موقف کے حق میں لوگوں سے بیعت کے لیے مدینہ خود جائیں اس لیے کہ ان کے سوا اس معاملے کو اور کوئی حل نہیں کر سکتا تھا۔

بہتر ہے کہ ہمارے سامنے محدثین کی وہ روایت ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ بیعت کس طرح لی۔ اس موضوع کے متعلق وہ سب سے زیادہ صحیح روایت ہے۔

ذکوان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام سے مروی ہے کہ جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حج کیا۔ مکہ ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ آئے جب مدینہ سے قریب ہوئے تو ابن عمر، ابن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم مدینہ سے نکل گئے۔ مدینہ آ کر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور حمد وثنا کے بعد اپنے لڑکے یزید کا ذکر کیا اور کہا اس معاملے میں اس سے زیادہ حق دار کون ہے؟

پھر کوچ کیا اور مکہ آئے طواف کیا پھر اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ ابن عمر کے پاس خبر بھیجی وہ حاضر ہوئے تو ان سے کہا:

اے ابن عمر!! تم مجھ سے کہا کرتے تھے کہ میں کوئی ایسی سیاہ رات نہیں گزارنا چاہتا کہ اس میں ہمارا امیر نہ ہو۔ اب میں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں اختلاف نہ پیدا کرو اور ان میں آپس میں فساد نہ پھیلاؤ جب وہ خاموش ہوئے تو ابن عمر نے حمد وثنا کے بعد کہا:

''آپ سے پہلے کئی خلفا تھے جن کے بیٹے موجود ہیں آپ کا لڑکا ان کے لڑکوں سے بہتر نہیں ہے آپ نے اپنے بیٹے کے بارے میں جو سوچا انہوں نے اپنے بیٹوں کے بارے میں نہیں سوچا بلکہ انہوں نے مسلمانوں پر معاملے کو چھوڑ دیا کہ جسے پسند کر لیں چن لیں۔''

ابن عمر نے اپنی نصیحت ان کو بتا دی اور حق بات کہی اور کسی ملامت کرنے والے کی

ملامت کا انہیں خوف نہ ہوا، پھر کہا:

"آپ مجھے مسلمانوں کے اختلاف اور ان میں فساد پیدا کرنے سے خبردار کر رہے ہیں میں ایسا کرنے والا شخص نہیں ہوں میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں اگر وہ لوگ کسی معاملے پر اتفاق کر لیتے ہیں تو ان میں ایک فرد میں بھی ہوں۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ان کے نقطۂ نظر کے سلسلے میں ہمیشہ یہی موقف رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کے اختلاف کی اساس نہ بنیں۔

انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے پاس خبر بھیجی وہ آئے ان سے گفتگو شروع کی۔ عبدالرحمٰن نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا: آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنے بیٹے کے سلسلے میں اللہ کے سپرد کر دیں بخدا! ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ واللہ یہ مسئلہ آپ کو مسلمانوں کی شوریٰ کی طرف لوٹانا ہوگا یا ہم آپ سے لڑیں گے پھر اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

ابن ابی بکر کا موقف واضح اور صریح تھا۔ حکم میں شوریٰ اختیار کر کے خلافت کے منہج کی تطبیق ضروری ہے اگر ایسا نہ ہوا تو جنگ ضروری ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! اپنی مرضی کے مطابق مجھے ان کے ساتھ انسیت کی توفیق دے پھر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔ دیکھو اپنی روش پہچانو اور اہل شام کے ساتھ حد سے تجاوز مت کرو! مجھے اندیشہ ہے کہ مجھ سے پہلے وہ تم سے نپٹنے کی کوشش کریں گے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بارے میں خطرہ لاحق ہوا اس لیے ان کی نصیحت کے لیے جلدی کی کہ وہ اہل شام کی جماعت کو اپنے افکار سے باخبر نہ کر دیں بیعت کے اظہار کے بعد انہیں اجازت دی کہ وہ اپنی باتیں ظاہر کریں۔

پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس خبر بھیجی اور کہا:

اے ابن زبیر تم چالباز روباہ (لومڑی) ہو۔ ایک بھٹ سے نکلنے کے بعد جس طرح وہ دوسرے میں داخل ہو جاتی ہے تم نے ان دونوں آدمیوں یعنی ابن عمر اور ابن ابوبکر کو اپنا ہم

خیال بنانے کی کوشش کی، تم نے ان کے دماغوں میں اپنی باتیں بھریں اور ان کی رائے کے خلاف انہیں آمادہ کیا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی اور کہا:

اگر آپ امارت سے اکتا چکے ہیں تو اسے چھوڑ دیجئے اور ہمارے پاس اپنے لڑکے کو لایئے ہم اس سے بیعت کر لیں آپ خود بتایئے کہ آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے بیٹے سے بھی بیعت کر لیں تو آپ دونوں میں سے کس کی اطاعت کریں؟ بخدا دونوں کی بیک وقت بیعت ہم کبھی نہیں کریں گے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مسئلے کو دوسرے پہلو سے اٹھایا انہوں نے طرز انکار ایک وقت میں دو بیعتوں کے اکٹھا ہو جانے کی وجہ سے اختیار کیا اور اس جدید منطق کو جسے اس سے پہلے کسی نے اختیار نہیں کیا انہوں نے چھوڑ دیا۔

معاویہ کے لیے دو راستے ہیں یا تو مخالفین سے بزور بیعت لیں اس کی انہیں طاقت حاصل ہے لیکن یہ راستہ محترم اسلامی شخصیات کی خون ریزی کی طرف لے جائے گا جسے وہ کبھی پسند نہیں کر سکتے اور ان کے نزدیک اس سے ناپسندیدہ چیز کوئی نہیں ہے۔

یا پھر انہیں بلا بیعت کے چھوڑ دیں جس سے اطاعت کی چادر تار تار ہو گی اور یہ بات اس راہ پر لے جائے گی جہاں نئی قیادتوں کے سبب امت کے مختلف جماعتوں میں بٹ جانے کی وجہ سے خون ریزی مچ جائے گی۔

ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قائدین امت کو بیعت پر راضی کریں تاکہ اطاعت میں افتراق پیدا نہ ہو اور وہ بیعت کے سلسلے میں ذلیل نہ کئے جائیں اس کی تنفیذ کے لیے انہوں نے قدم اٹھایا۔

امیر معاویہ اٹھے پھر منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور کہا:

ہم نے لوگوں کی باتوں میں کجی اور عیب دیکھا، ان کا گمان تھا کہ ابن عمر، ابن زبیر اور ابن ابو بکر نے یزید کے لیے بیعت نہیں کی ہے حالانکہ انہوں نے سمع وطاعت اختیار کرتے

ہوئے اس کے لیے بیعت کر لی ہے۔

اہل شام نے کہا: نہیں بخدا! ہمیں یہ بات پسند نہیں ہے انہیں تمام لوگوں کے سامنے بیعت کرنی چاہیے ورنہ ہم ان کو قتل کر دیں گے۔ امیر معاویہ نے کہا:

”خاموش! سبحان اللہ! قریش کو گزند پہنچانے میں تم اتنے تیز ہو! آج کے بعد یہ بات میں کسی سے نہ سنوں۔ پھر منبر سے اتر گئے۔“

لوگوں نے کہا: ابن عمر، ابن زبیر اور ابن ابوبکر نے بیعت کر لی وہ کہتے ہیں، نہیں بخدا! ہم نے بیعت نہیں کی۔ لوگ کہتے ہیں نہیں آپ لوگوں نے بیعت کر لی۔ پھر معاویہ سفر کر کے شام چلے گئے۔ [1]

یزید کی ولی عہدی کے بارے میں معاویہ کا زاویہ نظر کیا ہے؟

یزید کی بیعت فی الواقع خلافت نہیں بلکہ ملوکیت کی نشانی تھی اس میں کوئی عیب نہیں ہے کہ کسی رہنمائے امت کے لیے معاویہ کی زندگی میں بیعت مکمل ہو جاتی تا کہ ان کی وفات کے بعد امت مطمئن ہوتی ان سے پہلے وہ شخص خلیفہ بنایا گیا جو ان سے بہتر تھا جیسا کہ صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔

اس میں بھی عیب نہیں کہ اپنے بعد معاملہ مسلمانوں پر چھوڑ دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اس معاملے کو مسلمانوں پر چھوڑ دیا تھا۔

اس میں بھی عیب نہ تھا کہ اپنے بعد معاملہ مسلمان رہنماؤں میں مخصوص کر دیا جاتا جیسا کہ ان سے بہتر شخص حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا۔

لیکن ایک تو یہ کہ ان کے لڑکے کی بیعت ہو دوسرے یہ کہ خلیفہ اسے خود اپنی زندگی میں نامزد کرے یہ اسلامی خلافت کے لازمی اصولوں سے خارج ہے۔ یہ ملوکیت سے مشابہ

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط بروایت وہب بن جریر (ثقہ) عن جریر بن حازم (لاباس بہ) عن النعمان بن راشد (صدوق فیہ ضعف) عن الزہری (فقیہ حافظ ثقہ) دوسری روایت جس سے اشارہ ملتا ہے کہ انہوں نے ان کے قتل کی دھمکی دی وہ مدینہ کے مجہول شیوخ سے مروی ہے جس پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا بروایت وہب بن جریر عن جویریہ ابن اسماء عن اشیاخ من المدینہ۔

ہے نہ کہ خلافت کے۔ اسی بات نے بعض مسلمانوں کو اس تعبیر پر جرأت بخشی کہ یہ ہرقلیت اور کسرویت ہے کہ جب ایک قیصر ختم ہوا تو دوسرا قیصر آ گیا۔

ہم دوبارہ اس سوال کو دہراتے ہیں کہ اپنے ولی عہد کے سلسلے میں معاویہ کا زاویہ نظر کیا ہے؟

جو فتنے پے در پے اٹھ رہے تھے ان سے یہ مشکل ہو گیا تھا کہ مسلمان ایک خلیفہ پر متفق ہو جائیں خصوصاً با صلاحیت اسلامی قیادتوں کے ایک دوسرے کی خون ریزی میں لگ جانے کے اور مسلمانوں کے درمیان دوبارہ فتنوں کے پیدا ہو جانے کے بعد جن کی طرف خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

تقریباً بیس سال گزر گئے تھے مسلمانوں کے باہمی تعلقات اچھے تھے ان کی طاقتیں دشمن کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ یہ مسلمانوں کے اتحاد کا مثالی نمونہ تھا یہ ایک پہلو تھا دوسرے پہلو سے۔

حکومت کے امکانات، اس کے افراد اور ہتھیار شام میں وافر تھے۔ بنوامیہ جو حکومت کی بنیاد تھے انہیں حکومت کی ذمہ داریوں کا پورا تجربہ تھا، اس کے طریقوں سے باخبر تھے۔ حکومت کے جملہ ذرائع اور فوج کے تمام اہم شعبے امیر معاویہ کے بہی خواہ و وفادار تھے ان ذرائع میں کوئی بھی تبدیلی نئے طور پر انارکی اور انتشار پیدا کر سکتی تھی۔

یزید بن معاویہ نے حکومت اور اس کے طریقوں کا تجربہ حاصل کر لیا تھا اس سلسلے میں اپنی تمام ذمہ داریوں سے وہ گزر چکے تھے اس کے فنون اور طریقوں سے واقف تھے۔

یہ باتیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یزید کو منتخب کرنے کے لیے کافی تھیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے پورے طرز سیاست میں یہ بات پوری طرح واضح ہے۔

ابن درید نے بروایت ابو حاتم عن العتبی معاویہ کا قول ذکر کیا ہے:

لوگو! میں تم میں بہتر نہیں ہوں تم لوگوں میں ایسے لوگ ہیں جیسے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو وغیرہ اصحاب فضل حضرات، لیکن توقع ہے کہ حکومت کی سطح پر میں تمہارے لیے تم

میں سب سے زیادہ نفع بخش ہوں گا۔ تمہارے دشمن پر تم میں سب سے زیادہ غالب آنے والا اور تمہارے لیے فوائد کا سب سے زیادہ اکٹھا کرنے والا ہوں گا۔ [1]

بیٹے کے سلسلے میں باپ کے انسانی جذبات کی تاثیر کا ہرگز انکار نہیں کر سکتے یزید کے ولی عہد بنانے میں مذکورہ اسباب کے ساتھ ساتھ اس جذبہ کا بھی دخل تھا۔

انسانی جذبات کی تاثیر کا انکار ایسا انکار ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے اسی طرح ان جذبات کے درمیان اسباب کا حصر بے جا تعصب ہے جس کے لیے بھی وجہ جواز نہیں ہے لہٰذا معاویہ کا یزید کی لیاقت پر اعتماد کرنا ایک عمدہ اعتماد تھا۔

لیکن جب ہم دونوں موقف کا تقابل کرتے ہیں یعنی علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کا تو ہمیں ملوکیت اور خلافت کا فرق واضح نظر آتا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر ہیں۔ مسلمان ان سے پوچھتے ہیں کیا اپنے بعد آپ حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا رہے ہیں؟ ان کا جواب تھا۔ نہ حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔

اپنے لڑکے حسن رضی اللہ عنہ کی لیاقت پر اعتماد کرنے کے علی الرغم وہ اس کے دور رہے تاکہ اس معاملے میں پدرانہ جذبات کی کوئی تاثیر نہ ہو۔ انہوں نے اپنی رائے کا پوری صراحت سے اعلان کر دیا کہ نہ میں تمہیں منع کرتا ہوں نہ حکم دیتا ہوں۔

یہ معاملہ تمام مسلمانوں کا ہے اس مسئلے میں وہ اپنے حالات کو زیادہ جاننے والے ہیں پھر وہ اپنے رب کے پاس سدھار جاتے ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو معاویہ کی نظر میں یزید کا معاملہ اور قوی ہو گیا انہوں نے سمجھا کہ وہ اس کا اہل ہے یہ باپ کی بیٹے سے شدید محبت کے سبب سے ہوا۔ خصوصاً جب کہ وہ اس میں دنیاوی وجاہت کے مظاہر دیکھتے تھے جیسے شہزادے جنگی فنون

---

[1] بروایت اصحاب محمد عن ابن سعد عن محمد بن مصعب (صدوق کثیر الغلط) عن ابی اکبر بن ابی مریم (ضعیف) عن ثابت مولی معاویہ۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۳۴/۸)

سے آگاہی، حکومت کے انتظام اور اس کے کروفر کی بقا سے باخبر ہوتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ صحابہ کی اولاد میں سے کوئی بھی اس کے مقابلے میں نہ آئے گا اس لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

مجھے اندیشہ ہوا کہ میرے بعد رعیت اس طرح ہو جائے جیسے بارش میں بغیر چرواہے کے بکری۔ [1]

بعد کے واقعات نے معاویہ کے اندازے اور تجربے کی تصدیق کر دی چنانچہ یزید بن معاویہ کے مرنے کے بعد معاملہ کیا ہوا؟

عراق اور حجاز عبداللہ بن زبیر کے ہو گئے اور شام عبدالملک بن مروان کا۔

پھر اس کے بعد خون کی ندیاں بہیں تب جا کر عبدالملک نے اپنے حریف عبداللہ بن زبیر پر غلبہ حاصل کیا۔

عراق نے اسلامی خلافت کی نیندیں اچاٹ کر دیں اس نے خود یزید کے خلاف انقلاب کا اعلان کیا اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنے یہاں بلایا پھر ان کا ساتھ چھوڑ کر انہیں ذبح ہو جانے پر مجبور کر دیا حالانکہ اس سے پہلے حسین رضی اللہ عنہ کو یہ اپنا دل دے چکے تھے اور ان کی حمایت میں تلوار اٹھا چکے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو جب شام جانے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے اسے نہیں مانا اس لیے کہ شام میں حکومت کے ارکان اس کے لشکر اور اعوان و انصار ان سے خوش نہ تھے اور دوسرے پہلو سے ان کے لیے ان کا مخلص ہونا بھی ناممکن تھا۔

جو معرکہ معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان گرم ہوا اس نے معاویہ کے لشکر کو انتہائی مضبوط کر دیا اس میں زبردست اطاعت شعاری اور عجیب تابعداری پیدا کر دی جب کہ علی رضی اللہ عنہ کا لشکر ان کے خلاف بغاوت کرتا تھا اہل عراق ان کی اطاعت سے گریز کرنے لگے حتیٰ کہ علی دعا کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ان کے فریب اور ندامت سے انہیں خلاصی دے دے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بھی عراق والوں سے وہی معاملہ درپیش ہوا جو ان کے باپ

---

[1] البدایہ والنہایہ: ۸/۸۰۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا۔

دمشق کے علاوہ جہاں بھی حکومت قائم ہوتی تو شام اس کے لیے خطرہ ہوتا۔

شام میں ملوکیت اور اس کے مفاہیم پیوست ہو گئے تھے اور خلافت اولیٰ کی بیشتر بنیادیں جو امت کو کسی شخصیت کی بجائے اصول سے مربوط کرتی تھی وہ بدل گئیں۔

ملوکیت کی صورتحال اس طرح ہوئی معاویہ نے سچ ہی کہا تھا کہ ہم بادشاہت پر راضی ہیں۔

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ امت کی دوسری نسل معیار خلافت پر نہیں تھی؟

ہاں یہ ممکن ہے۔

ملوکیت کے میزان میں اسکے قابل یزید ہی ہے۔

اور خلافت کے میزان میں عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابوبکر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم یزید سے زیادہ حقدار تھے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ ان تمام پہلوؤں سے واقف تھے اور یزید کی لیاقت پر انہیں پورا بھروسا تھا لیکن فی الوقت وہ ڈر محسوس کرتے تھے کہ مبادا جذبۂ پدری نے یزید کو منتخب کرنے میں جوش کھایا ہے اور اس طرح حق سے اٹھا کر انہیں اس ماحول میں ڈال دیا ہو۔

اس لیے منبر اور لوگوں کے درمیان بڑی تضرع سے اپنے رب سے دعا کرتے ہوئے کہتے تھے:

اے اللہ! اگر تو جانتا تھا کہ میں نے اسے ایسے کام کا والی بنایا ہے جس کا میں نے اسے اہل سمجھا ہے تو اس کے لیے اسے پورا فرما اور اگر میں نے اسے محبت پدری کی بنا پر والی بنایا ہے تو اس کام کو اس کے لیے پورا نہ فرما۔

یہ نص جسے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت معاویہ نقل کیا ہے معاویہ کی نفسیات اور ان کے اسباب و محرکات پر صریح دلیل ہے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ۔

پدرانہ جذبات لیاقت اور بھروسے کے مفہوم سے آمیزش اختیار کر گئے انہوں نے

اب جل وعلا سے تضرع کی کہ امت کے لیے وہی بات پسند فرما جس سے وہ راضی ہوا لوگو! معاملہ یزید کے ماسوا ہوتا تو معاویہ امت کے بہت سے قائدین میں ایسی لیاقت پاتے تھے لیکن ان کی نظر میں یزید لیاقت میں ان سے کم نہ تھا یہ صورتحال ان کی زندگی کے آخری مرحلے میں تھی اس سے پہلے یہ بات نہ تھی۔ قبیصہ بن جابر نے ان کا قول ذکر کیا ہے۔

زیاد نے مجھے ایک کام سے معاویہ کے پاس بھیجا جب تمام امور سے فارغ ہو گیا تو میں نے کہا:

امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ کے بعد یہ ذمہ داری کس کے سر ہو گی؟

تھوڑی دیر خاموش رہے پھر کہا:

ایک جماعت کے یا تو قریش کا کریم النفس شخص سعید بن العاص یا حیا دانشمندی اور سخاوت کے اعتبار سے قریش کا معروف جوان عبداللہ بن عامر اور یا تو حسن بن علی جو سید و کریم ہیں یا کتاب اللہ کے حافظ، فقیہ، حدود اللہ میں متشدد مروان بن حکم یا فقیہ شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یا ایسے شخص کے جو درندوں کی سی چال کے ساتھ شریعت کو رد کر دے اور روباہ (لومڑی) کی سی چال کا مالک ہو یعنی عبداللہ بن زبیر۔ [1]

معاویہ کا احساس درست نکلا، یزید کے مرتے ہی معاملہ حافظ، فقیہ متشدد فی حدود اللہ مروان بن حکم کی طرف لوٹ آیا۔

یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ بعض اہل مدینہ یزید کو لہو ولعب اور شراب نوشی سے متہم کرتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات کسی بھی صحیح روایت میں نہیں آئی ہے اور یہ بات معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان سے بہت دور ہے کہ ایسے کردار کے آدمی کے لیے بیعت لیں اہل مدینہ میں یہ بات کافی پھیل چکی تھی لیکن یزید سے متعلق اس اتہام پر اس دور کے سب سے بڑے جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اتفاق نہیں کیا۔ امام احمد نے ابن عمر کے غلام نافع سے روایت کی ہے کہ:

---

[1] ابن کثیر نے ۸/۸۵ میں بروایت عبدالملک بن عمیر (ثقہ) عن قبیصہ بن جابر (ثقہ) نقل کیا ہے۔

جب لوگوں نے یزید بن معاویہ سے بیعت توڑ دی تو ابن عمر نے اپنے اہل وعیال کو اکٹھا کیا پھر حمد وثنا کے بعد کہا: ہم نے اس آدمی سے اللہ ورسول کے نام پر بیعت کی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے:

بے وفا کے لیے قیامت میں ایک علم نصب کیا جائے گا یہ فلاں قوم کے غدار لوگ ہیں اور سب سے بڑی بے وفائی شرک کے علاوہ یہ ہے کہ ایک آدمی اللہ ورسول کے نام پر کسی سے بیعت کرے پھر اس کی بیعت سے پھر جائے لہٰذا تم میں سے کوئی یزید کو نہ چھوڑے اور نہ اس معاملے میں حد سے تجاوز کرے ورنہ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ ہوگا (اسے بخاری، مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

جب اہل مدینہ یزید کے پاس سے لوٹے تو عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور یزید کو چھوڑ کر ان سے بیعت کا ارادہ کیا لیکن انہوں نے انکار کیا۔

ابن مطیع نے کہا: یزید شراب پیتا ہے۔ نماز چھوڑ دیتا ہے اور کتاب اللہ کے حکم سے سرتابی کرتا ہے۔

ابن حنفیہ نے کہا:

میں نے اس میں یہ بات نہیں دیکھی، میں اس کے پاس گیا وہاں ٹھہرا اسے نماز کا پابند اور خیر پسند پایا۔

وہ فقہ کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا تھا اور سنت کا پابند تھا۔

انہوں نے کہا: یہ اس کا تصنع تھا۔

ابن حنفیہ نے کہا: مجھ سے ڈر یا امید کی کون سی بات تھی جس سے اس نے خشوع اختیار کیا۔ تم شراب پینے کی بات جو کہتے ہو کیا اس نے تمہیں بتایا ہے اگر تمہیں اس نے بتایا ہے تو تم اس کے شریک ہو اور اگر نہیں بتایا ہے تو تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے۔

انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک یہ درست بات ہے اگرچہ اسے دیکھا نہیں ہے۔

ابن حنفیہ نے کہا: ایسا کہنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ فرماتا ہے:

﴿ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ○﴾ [۴۳/الزخرف:۸۶]

''مگر جو شخص سچی گواہی دے اور وہ اسے جانتے ہوں۔''

مجھ کو تمہارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

انہوں نے کہا: شاید کہ آپ یہ ناپسند کرتے ہوں کہ آپ کے سوا کوئی والی ہو لہٰذا ہم اپنے معاملے کا آپ کو والی بناتے ہیں۔

محمد بن حنفیہ نے کہا: تمہارے ارادے کے مطابق تابع یا متبوع کسی بھی حیثیت سے یزید کے ساتھ جنگ کو میں حلال نہیں سمجھتا۔

انہوں نے کہا: آپ اپنے باپ کے ساتھ ہو کر لڑ چکے ہیں۔ محمد بن حنفیہ میرے والد جیسا شخص لاؤ جس بات پر انہوں نے قتال کیا میں بھی کروں گا۔ [1]

[1] البدایۃ والنہایۃ: ۸/۲۳۳۔

مجاہد بادشاہ کا انتقال

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر جہاد کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ خصوصاً روم کے ملحقہ حدود میں سعید بن عثمان [1] نے ماوراء النہر کے ایرانیوں سے قتال کر کے ان پر غلبہ حاصل کیا اور ان کے بہت سے افراد کو ان کی صلح طلبی کے لیے گرفتار کیا۔ عبداللہ بن قیس نے اپنی سرمائی (سردی) قیام گاہ سن اٹھاون میں ارض اوان میں اختیار کیا۔ عراق میں اس سال خوارج کی بھی شورشیں اٹھیں وہ میدان میں نکلے اور گھیر کر قتل کر دیئے گئے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سامنے پہلی نسل کے ان لوگوں کو رخصت کر دیا جو جہاد میں ان

[1] سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اسلامی شخصیات میں بہت معزز تھے وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور خراسان کی ولایت کی درخواست کی معاویہ نے کہا وہاں کا والی عبید اللہ بن زیاد ہے (اسے زیاد کی وفات کے بعد وہاں کا والی بنایا تھا) سعید بہت نادم ہوئے اور معاویہ سے بڑی سختی سے کلام کیا انہوں نے کہا:

میرے باپ نے تمہارے ساتھ ایسی ہمدردی اور ایسا کام کیا کہ تم ان کے کاموں کی بدولت ایسے درجے پر پہنچ گئے۔ جہاں پر پہنچا نہیں جا سکتا اور نہ اس کی برابری اختیار کی جا سکتی تو تم نے ان کی محنتوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اور نہ ہی ان کی نوازشوں کا بدلہ دیا تم نے اسے (یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو) میرے اوپر مقدم کیا اور اس کے لیے بیعت لی بخدا! میں باپ، ماں، اور اپنی ذات کے لحاظ سے اس سے بہتر ہوں۔

معاویہ نے کہا:

تمہارے باپ کی جدوجہد کا بدلہ دینا میرے اوپر لازم ہے اس کا شکریہ میں نے اس طرح ادا کیا کہ ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ کیا یہاں تک کہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا میں اس سلسلے میں جدوجہد کے بارے میں خود کو ملامت نہیں کر سکتا۔

رہی تمہارے باپ کی اس کے باپ کے اوپر فضیلت کی بات تو بخدا! تمہارے باپ مجھ سے بہتر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر تھے اور تمہاری ماں کی فضیلت اس کی ماں پر اس کا بھی انکار نہیں قریش کی کوئی عورت کلب کی عورت سے بہتر ہو گی اور تمہاری فضیلت اس کے اوپر تو بخدا! یزید کے لیے یہ قرعہ فال نکل چکا ہے میں تمہارے جیسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا۔

صورتحال انتہائی بگڑنے کے قریب تھی لیکن یزید کی دانشمندی اور مہارت نے اسے سنبھال لیا اس نے اپنے والد سے کہا۔ اے امیر المومنین! یہ آپ کے چچا کے لڑکے ہیں اور آپ کو ان کے معاملات پر توجہ دینی چاہیے میری وجہ سے انہوں نے آپ پر عتاب کیا تو انہیں راضی کیجئے چنانچہ خراسان کی جنگ کی سپہ سالاری انہیں دی۔

طبری ۵/۵۲۰ بروایت عمر (صدوق) عن علی (صدوق) عن محمد بن حفص (مقبول)

کے یا تو رفیق تھے یا مخالف چنانچہ وہ ایک ایک کر کے وفات پا رہے تھے جیسے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عامر، سعید بن العاص رضی اللہ عنہم، زیاد، عبدالرحمٰن بن ابی بکر وغیرہ۔ یہ زخم مسلسل ان کے کمزور جسم پر لگ رہے تھے اب وہ پچھتر سال کے ہو چکے تھے۔

مدینہ کے ایک آدمی کی طرف سے انہیں ایک عجیب خط ملا اسے چاک کیا تو اس میں تحریر تھا:

اذا الرجال ولدت اولادها واضطربت من كبر اعضادها

جب آدمی صاحب اولاد ہو جائے اور بڑھاپے سے قویٰ مضمحل ہو جائیں۔

وجعلت اسقامها تعتادها فهي زروع قددنا حصادها

اوران پر بیماریوں کا تسلط ہو جائے تو گویا یہ کھیت ہیں جن کے کٹنے کا وقت قریب آ گیا۔

انہوں نے خط بند کر دیا اور تھوڑی دیر خاموش رہے پھر کہا:

یہ میرے انتقال کی خبر ہے۔

انہوں نے دیکھا کہ واقعی وہ زیادہ چل پھر نہیں سکتے، قدم سست رفتاری سے اٹھتے ہیں، وہ لوگوں کی طرف نکلے اور منبر کی سیڑھیوں پر بڑی مشکل سے چڑھے، لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف متوجہ تھیں، وہ مشقت کے آثار ان کے چہرے پر دیکھ رہے تھے جس سے ان کے اوپر غم اور تکلیف کی کیفیت طاری نہیں تھی وہ امیر المومنین کی گفتگو سن رہے ہیں جو تمام لوگوں سے اپنی خزاں رسیدگی کا ذکر کر رہے تھے حمد و ثنا کے بعد کہا:

''لوگو! میں وہ کھیتی ہوں جو کاٹ لی گئی اور میں نے تمہارا والی بنا دیا ہے میرے بعد تمہارا جو والی ہوگا مجھ سے بہتر نہیں ہوگا تمہاری ولایت جو بھی کرے گا جس طرح مجھ سے پہلے کے تمہارے والی مجھ سے بہتر تھے۔

اے یزید! جب میں مر جاؤں تو میرے غسل کے لیے کسی عقل مند آدمی کو مقرر کرنا اس لیے کہ دانش مند آدمی کا اللہ کے ہاں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔

لوگوں کی آنکھوں میں آنسوڈبڈبا گئے، امیر المومنین ان کے سامنے الوداعی گفتگو کر رہے تھے معاویہ رضی اللہ عنہ نے مزید کہا:

وہ اچھی طرح غسل دے، زور سے تکبیر کہے پھر کپڑوں کی الماری کھولنا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کپڑا ہے اور آپ کے بال اور ناخن کے تراشے ہیں ابھی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ تیزی سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس لیے کہ ان کے سامنے محبوب دو جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے اور بال و ناخن کے تراشے کا ذکر آ گیا تھا۔

یادوں کے اس طوفان اور امیر المومنین کے غم میں جوان پر الوداعی نظر ڈال رہے تھے کہ شاید لوگ آج کے بعد ان سے ملاقات نہ کرسکیں حاضرین ڈوبے ہوئے تھے اور معاویہ کی گفتگو گویا ان کے دلوں کو غم سے نچوڑ رہی تھی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے مزید کہا:

ان ٹکڑوں کو میری ناک، منہ، کان اور آنکھ میں رکھ دینا اور جب قبر میں رکھ چکو تو معاویہ اور رحم کرنے والے اللہ کو تنہا چھوڑ دینا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد سے نکلے یہ شام میں مسلمانوں سے ان کی آخری ملاقات تھی ان کو شدید سردی محسوس ہوئی جس سے بھاری کپڑا پہن لیا۔

مجاہد بادشاہ کی موت کا وقت قریب آ گیا انہوں نے اپنی نظر دور دور آسمان پر دوڑائی اور اپنی یادوں کے طویل صفحات پر ایک نظر ڈالی۔ عمر کے پچھتر سالوں کے اعمال پر غور کیا، دنیا کی کم مائیگی اور ناپائداری کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا اور کہا:

اے گھر! تیری بربادی ہو، چالیس سال میں نے تجھے بادشاہت بخشی، بیس امیروں اور بیس خلفا کو تیرے ماتحت کیا اور تجھ میں میرا یہ حال اور انجام ہے۔

پھر لمبا سانس لیا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا: دنیا اور اس کے چاہنے والوں کو بربادی کا پیغام سنا دو۔

اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرنا بھی ضروری تھا چنانچہ امت کا غم آخری

سانس تک ان کو لگا ہوا تھا۔ انہوں نے ضحاک بن قیس فہری پولیس آفیسر کو طلب کیا اور اس سے یزید کے لیے وصیت لکھنے کو کہا جو ان کے آخری ایام میں ان کے پاس موجود نہ تھا۔ نیز مسلم بن عقبہ مری کو بلایا جو ان کے خاص مشیروں میں سے تھے اور ان سے راز درانہ طور سے ملے اور حکم دیا کہ یزید کو ان کی یہ وصیت پہنچا دیں۔

① اہل حجاز کا خیال رکھنا وہ تمہاری اصل ہیں، تمہارے پاس جو آئے اس کی تعظیم کرنا اور نہ آسکنے والوں کی نگہداشت رکھنا۔

② اہل عراق پر دھیان رکھنا اگر وہ چاہیں کہ روزانہ ان کا عامل بدلا جاتا رہے تو تم ایسا ہی کرنا، ایک عامل کی معزولی تم پر ایک لاکھ تلواریں کھینچ جانے سے بہتر ہے۔

③ اہل شام کا خیال رکھنا وہ تمہارے سرد و گرم کے ساتھی اور دوست ہیں، تمہارے دشمن سے اگر کوئی تکلیف پہنچے تو ان کے ذریعے مدد لو جب ان پر قابو پالو تو اہل شام کو ان کے ملک کی طرف واپس کر دو اس لیے کہ اگر وہ دوسرے ممالک میں ٹھہریں گے تو دوسروں کے طور طریقے سیکھنے لگیں گے۔

④ مجھے قریش میں صرف تین آدمیوں سے اندیشہ ہے۔

حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔

ابن عمر زہد پسند آدمی ہیں وہ تمہاری طرف سے کوئی چیز چاہنے والے نہیں۔

حسین بن علی ہلکے آدمی ہیں مجھے امید ہے کہ اس شخص کی طرف سے جس نے اس کے باپ کو قتل کیا اور بھائی کو رسوا کیا اللہ تعالیٰ ان سے تمہاری کفایت کرے گا ان سے خونی تعلق ہے اور ان کا بہت بڑا حق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اہل عراق انہیں نکالے بغیر چھوڑ دیں گے یہاں تک کہ اگر تم ان پر قابو پا جاؤ تو تم ان سے درگزر کرو اگر میرا ان کا معاملہ ہوتا تو میں انہیں معاف کر دیتا۔

ابن زبیر بڑا حیلہ وفن کا آدمی ہے اگر تم سے اختلاف کرے تو اسے گرفتار کر لینا

اور اگر صلح چاہے تو قبول کر لینا۔ [1]

⑤ جہاں تک ہو سکے اپنی قوم کا خون بہانے سے باز رہنا۔ [2]

اس طرح انہوں نے اپنے لڑکے یزید کے ساتھ تین چوتھائی صدی کے تجربے کا نچوڑ پیش کر دیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ اپنے کندھے سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا ہے پھر ایک گرانی محسوس کی اپنے گھر والوں سے کہا:

میری آنکھ میں سرمہ لگاؤ اور سر میں تیل لگاؤ۔

گھر والوں نے اس کا سبب نہیں سمجھا انہوں نے ایسا ہی کیا۔

پھر ٹیک لگانے کے لیے ایک تکیہ طلب کیا پھر بیٹھ گئے اور کہا:

لوگوں سے کہو کہ مجھ سے آ کر کھڑے ہو کر سلام کریں اور کوئی یہاں بیٹھے نہیں۔

چنانچہ ایک آدمی آتا اور کھڑے کھڑے سلام کرتا انہیں سرمہ اور تیل لگاتے ہوئے دیکھتا تو کہتا لوگ کہتے ہیں کہ امیر المومنین کے چل چلاؤ کا وقت ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ صحت مند ہیں۔

جب لوگ ان کے پاس سے چلے گئے تو انہوں نے مرتعش آواز میں شاعر کے یہ اشعار پڑھے:

و تجلدی للشامتین اریھم   انی لریب الدھر لا اتضعضع

”میں اپنے حال پر ہنسنے والوں کو اپنی ہمت و عزم سے دکھلاتا ہوں کہ میں مصائب زمانہ سے نہیں ڈگمگاتا۔“

وَاذا لمنیۃ اِنشبت اظفارھا   الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

---

[1] وصیت سے متعلق ایک اور روایت ہے جس میں معاویہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو عیش و طرب اور عورتوں سے شغل سے متہم کرتے ہیں اور اس میں یزید کو وصیت کرتے ہیں کہ غالب ہونے کے بعد ابن زبیر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا یہ ایک ساقط روایت ہے جس کا مرکزی راوی ابو مخنف شیعی ہے جسے اسلامی شخصیات کو بگاڑ کر پیش کرنے میں بڑا دخل ہے اس روایت کے جھوٹ ہونے پر یہ دلیل کافی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر، معاویہ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ [2] طبری: ۳۲۳/۵ بروایت ہشام عن عوانہ۔

''اور جب موت نے اپنا پنجہ گاڑ دیا تو دیکھتا ہوں کہ کوئی تعویذ نفع نہیں دے رہا ہے۔''

دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ یہ ان کا آخری وقت تھا۔

تنہا اپنے اہل خانہ کے درمیان موجود ہیں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اپنی زندگی کے سب احوال بیان کئے اور عین موت کے وقت انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔ ساری دنیا کی عظمت و وجاہت گویا ان کی زبان سے اعلان کر رہی تھی!

لعمری لقد عمرت فی الدھر برھۃ و دانت لی الدنیا بوقع البواتر

''میری زندگی شاہد ہے کہ زمانے کی دوڑ میں تھوڑے وقفے کے لیے شامل ہوا لیکن دنیا تلواروں کے سہارے میری فرماں بردار بن گئی۔''

واعطیت حمر المال والحکم والنھی ولی سلمت کل الملوک الجبابر

''مجھے بہترین مال، حکومت و دانشمندی بخشی گئی اور جابر بادشاہ میرا مطیع فرمان بنا۔''

فاضحی الذی قد کان مما یسرنی کحکم مضی فی المزمنات الغوابر

''وہ چیزیں جو میرے لیے باعث انبساط تھیں گزرے ہوئے زمانوں کی حکومتوں کی طرح ہو گئیں۔''

یہ وجاہت و بلندی ہے جو کھوئی جا رہی ہے اور سامنے سے دور ہو رہی ہے اور یہ اسلامی دنیا کا حاکم ہے جو موت کے سامنے اعلان کرتا ہوا تمنا کرتا ہے کیا تمنا کرتا ہے؟

فیالیتنی لم اعن فی الملک ساعۃ ولم اسع فی لذات عیش نواضر

''اے کاش! تھوڑی دیر کے لیے بھی میں حکومت کو اختیار نہ کرتا اور خوش عیشی کی لذتوں سے دور رہتا۔''

و کنت کذی طمرین عاش ببلغۃ فلم یک حتی زار ضیق المقابر

''میں دو چادروں والے کی طرح ہوتا جس نے بقدر کفایت اسباب سے زندگی گزاری اور پھر قبر کی تنگی سے ملاقات کرنی پڑی۔''

سنو اے پہلے بادشاہ! تم اس دو چادروں والے کی سی زندگی کی تمنا کرتے ہو جس نے بقدر کفایت اسباب سے زندگی گزار دی حالانکہ تم تو سیادت وعز وجاہ کے مالک ہو۔

معاویہ نے وصیت کی ان کی وصیت کیا تھی؟

وصیت کی کہ ان کا آدھا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گویا کہ اس طرح انہوں نے اپنے باقی مال کو اپنے لیے طیب بنانا چاہا اور یہ کہ اس کے ذریعے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اقتدا ہو جائے جنہوں نے اپنے والیوں کے نصف مال کو تقسیم کر دیا تھا اور وہ ایسے لوگ تھے جن کے تقویٰ وطہارت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

وہ خاموش ہو گئے اور وہاں ایک باہیبت خاموشی طاری ہوئی یہ موت کی خاموشی تھی پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور آخری سفر کے عین موقع پر کہا:

اے کاش! میں ذی طویٰ کا کوئی قریشی فرد ہوتا اور اس معاملے سے کوئی تعلق نہ رکھتا؟

یہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سی بات ہے ان کی موت کا وقت آیا تو لوگوں نے ان کے بیٹے عبداللہ کی ولایت کی بات ان کے سامنے پیش کرنی شروع کر دی تو فرمایا: آل عمر کے لیے کافی ہے کہ ان میں سے صرف ایک آدمی کا محاسبہ ہو اگر میں دنیا سے برابر سرابر نکل جاؤں۔ مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہ ہو تو میں خود کو سعید و خوش قسمت سمجھوں گا۔

یہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ سارے گناہ سامنے آجاتے ہیں اور دنیا اور اس کی لذتیں کافور ہو جاتی ہیں ایسے وقت اللہ رب العالمین کے سوا کسی کا اور کون ہو سکتا ہے۔

یہ ان کے اہل خانہ ہیں۔ سن رہے ہیں۔ وہ اپنے رب سے مناجات کر رہے ہیں خود کو سنبھالنے کی سکت نہیں ہے۔ موت کا غرغرہ ان کے کمزور سانسوں میں مخلوط ہو چکا ہے کہہ رہے ہیں:

ان تناقش یکن نقاشک یا رب   عذا بالا طوق لی بالعذاب

''اگر تو سوال و جواب کرے گا تو اے رب یہ میرے لیے باعث عذاب ہو گا جسے

جھیلنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔''

او تجاوز تجاوز العفو واصفح عن مسیٔ ذنوبہ کالتراب

''اور اگر تو معاف کرے گا تو ایسے بدکار کو معاف کرے گا جس کے گناہ مٹی کی طرح ہیں۔''

پھر اپنے بستر پر کروٹیں بدلنے لگے اور سکرات موت جھیلنے لگے رخسار زمین پر رکھ دیا اور اپنا چہرہ پلٹنے لگے اور روتے ہوئے کہنے لگے:

اے اللہ تو نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ﴾ [۴/النسآء:۴۸]

''یقیناً اللہ شرک کرنے والے کو نہیں بخشے گا اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا۔''

اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا جنہیں تو بخشنا چاہتا ہے۔

وہ موت کو آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اس سے مفر کہاں۔

ھو الموت لا منجا من الموت والذی تحاذر بعد الموت ادھی وافظع

''یہ موت ہے موت سے کوئی مفر نہیں اور موت کے بعد جس چیز کا ڈر ہے وہ بہت زیادہ شدید اور دشوار ہے۔''

پھر کہا:

اے اللہ! لغزشوں کو کم کر دے اور خطاؤں کو معاف کر دے۔ اے اللہ! اپنے حلم سے اس آدمی کی جہالت سے درگزر فرما جو صرف تیرا امیدوار ہے تو وسیع المغفرت ہے کوئی بھی خطاکار اپنی خطا سے بھاگ کر تیرے دامن ہی میں پناہ پا سکتا ہے۔

پھر ہوش و حواس گم ہو گئے۔

لوگ اٹھے اور ہاتھ ٹٹولنے لگے۔

ابھی دل برابر دھڑک رہا تھا اور روح نے پرواز نہیں کیا تھا۔

اس بے ہوشی کے بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں اور سب سے آخری بات بطور وصیت اپنے اہل خانہ سے کہی:

اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا اس لیے کہ اللہ سبحانہ اس کی حفاظت کرتا ہے جو اس سے ڈرتا ہے اور جو اس سے خوف نہیں کھاتا اس کا کوئی محافظ نہیں۔

اسی کے چند لمحے بعد معاویہ نے اپنی روح اپنے خالق سبحانہ کو سونپ دی۔

روح سونپ دی اور اللہ سے پوری امید ان کو یہ تھی کہ ان کی خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

آگے وصیت فرمائی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قمیص پہنائی تھی اسے میں نے محفوظ کر لیا تھا اور ایک دن آپ نے اپنے ناخن تراشے تھے اس تراشے کو میں نے ایک ڈبے میں بند کر لیا تھا جب میں مر جاؤں تو وہ قمیص مجھے پہنا دینا اور ان تراشوں کو کاٹ کر باریک کر کے میری آنکھوں اور منہ میں رکھ دینا توقع ہے کہ اللہ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے۔

اے معاویہ رضی اللہ عنہ اے اولین بادشاہ! آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔

اے وہ شخص جو دنیا کو اپنے ہاتھوں سے حرکت دیتا تھا، لشکر جس کے اشاروں پر چلتے تھے، جس کے خوف سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں رعشہ پیدا ہو جاتا تھا۔

آج تو بستر مرگ پر پڑا ہوا ہے تیری دونوں بیٹیاں تیرے بے حرکت جسم کو کروٹ دے رہی ہیں تو اسی سال کی عمر کے قریب جا پہنچا تھا اور اب اپنی قبر کی چوکھٹ پر کھڑا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے، چالیس سال یا اس سے زیادہ کی مساعی اور جہاد نے تجھے غرور دنیا میں مبتلا نہیں کیا تو گزر گیا اور تیرے بعد دنیا یہ کہنے کے لیے باقی رہ گئی۔

اسلام کا سب سے بڑا مجاہد بادشاہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اقوال

(۱) اے اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ! کو کتاب اور حساب کا علم عطا کر اور اسے عذاب سے بچا۔
(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲) اے اللہ! اسے ہادی، ہدایت یافتہ اور ذریعۂ ہدایت بنا۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں ہند سے جب یزید بن ابی سفیان کے انتقال پر تعزیت میں کہا گیا۔

امیر معاویہ ان کی جگہ پر امیر بنا دیئے گئے ہیں۔

ہند نے کہا: کیا معاویہ جیسا شخص کسی کا جانشین بنایا جائے گا؟

بخدا! اگر عرب کثیر تعداد میں اکٹھے ہو جائیں اور ان کے درمیان اس پر وار کیا جائے تو جس گوشے سے چاہے گا نکل جائے گا۔

(۴) قریش کے جوان اور سردار زادے کو بلاؤ وہ ایسا شخص ہے جو غصے کے وقت ہنستا ہے۔ اس سے مطلب رضامندی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے وہ ایسا شخص ہے کہ اس کے سر کے اوپر سے کوئی چیز وہی لے سکتا ہے جو اس کے قدموں کے نیچے ہو۔

(۵) یہ کسرائے عرب ہے، معاویہ کے موجود رہتے ہوئے تم قیصر و کسریٰ اور ان کے تدبر کا ذکر کرتے ہو۔ (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)

(۶) معاویہ سبز حلہ پہنے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، صحابہ کی نظر اس پر پڑی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا تو کوڑا لے کر بڑھے اور معاویہ کو مارنے لگے

معاویہ کہنے لگے:

امیر المومنین! میرے معاملے میں خدا سے ڈریئے۔

عمر رضی اللہ عنہ جب اپنی جگہ پر لوٹے تو لوگوں نے کہا:

امیر المومنین! آپ نے اس شخص کو کیوں مارا جب کہ آپ کی قوم میں اس جیسا کوئی

نہیں ہے؟

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اسے بہتر ہی پایا ہے اور اس کے بارے میں بھلا ہی سنا ہے۔ اگر مجھے اس کے سوا کچھ اور معلوم ہوتا تو جو برتاؤ تم نے دیکھا ہے اس کے علاوہ تم کچھ اور دیکھتے لیکن میں نے اسے دیکھا۔ اپنے ہاتھ سے ان کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ تو میں نے اچھا سمجھا کہ جو بلندی اس میں آ گئی اسے پست کر دوں۔

(۷) میں نے رسول اللہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا، ابوبکر و عمر آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ اسی درمیان علی اور معاویہ کو لایا گیا پھر انہیں ایک گھر میں داخل کیا گیا اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر علی بڑی سرعت سے یہ کہتے ہوئے نکلے:

رب کعبہ کی قسم! میرے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد معاویہ بڑی سرعت سے یہ کہتے ہوئے نکلے:

رب کعبہ کی قسم! میری مغفرت ہوگئی۔ (عمر بن عبدالعزیزؒ)

(۸) لوگو! معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو ناپسند نہ کرو اگر وہ نہ رہیں تو تم دیکھو گے کہ بے شمار سر اپنی گردنوں سے اندرائن کے پھل کی طرح گر رہے ہیں (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صفین سے لوٹتے ہوئے)

(۹) عثمان کے بعد اس دروازے والے یعنی معاویہ سے بڑھ کر میں نے کسی کو حق کا فیصلہ کرنے والا نہ دیکھا۔ (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

(۱۰) بردباری، سرداری، نرمی، سہولت، وسیع الظرفی، ظاہر و باطن کی یکسانیت میں معاویہ سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (قبیصہ بن جابر)

(۱۱) میں نے جان لیا کہ معاویہ لوگوں پر کیسے غالب ہوئے، جب لوگ اڑنے لگتے تو یہ بیٹھ جاتے اور جب لوگ بیٹھ جاتے تو یہ اڑنے لگتے۔ (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

(۱۲) جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو دشمن سے جنگوں کا سلسلہ ختم ہو گیا پھر جب عام

الجماعت آیا تو معاویہ نے ارض روم پر سولہ جنگیں لڑیں ایک مہم پر لوگ گرمی میں جاتے اور روم میں جاڑے کا موسم گزارتے پھر وہ لوٹتے تو دوسرا لشکر جاتا۔ (سعید بن عبدالعزیز)

(۱۳) معاویہ کی خلافت کا دور چند صحابہ نے پایا جیسے اسامہ، سعد، جابر، ابن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید، رافع بن خدیج، ابوامامہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور ان سے کئی گنا زیادہ ایسی شخصیتیں تھیں جو ہدایت کا چراغ اور علم کا دریا تھیں۔ انہوں نے کتاب اللہ کے نزول کا وقت اور دین کا جدید دور پایا۔ یہ اسلام کے ایسے سمجھنے والے تھے جسے دوسرا انہیں سمجھ سکتا قرآن کا مطلب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔

اور تابعین میں سے مسور بن مخرمہ، عبدالرحمٰن بن الاسود، سعید بن مسیّب، عبداللہ بن محیریز رحمہم اللہ اور ان جیسے دیگر حضرات تھے جنہوں نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتحاد سے کبھی ہاتھ نہیں کھینچا۔ (اوزاعیؒ)

(۱۴) ابوسفیان نے ایک مرتبہ معاویہ کو دیکھا جو ابھی لڑکے تھے اور ہند سے کہا: میرا یہ لڑکا بڑے سر کا ہے یہ اس قابل ہے کہ اپنی قوم کی سرداری کرے۔

ہند نے کہا: صرف اپنی قوم کی؟!! افسوس کی بات ہو گی اگر پورے عرب کا سردار نہ ہو۔

(۱۵) معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی ان کے پاس ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا چھوڑو، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے۔ صحیح عمل کیا ہے وہ فقیہ ہیں۔

(۱۶) معاویہ رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتے تو صحیح بیان

کرتے تھے۔ (محمد بن سیرین)

(۱۷) معاویہ رضی اللہ عنہ روزانہ ابوالجیش نامی ایک شخص کو بھیجتے تھے جو ہر مقام پر گھوم کر معلوم کرتا کہ کیا کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے یا کوئی وفد آیا ہے جب بتایا جاتا کہ ہاں ایسا ہوا ہے تو رجسٹر میں درج کر لیا جاتا اور اس کا وظیفہ جاری کر دیا جاتا۔ (محمد بن سیرین)

(۱۸) میں نے معاویہ کو دمشق کے بازار میں دیکھا جنہوں نے سواری پر ایک خادم کو اپنے پیچھے سوار کر رکھا تھا ان کی قمیص کی جیب میں پیوند لگا ہوا تھا اسی حال میں وہ دمشق کے بازاروں میں چلے تھے۔ (یونس بن میسرہ بن حلبس)

(۱۹) اگر تم معاویہ کو دیکھتے تو کہتے یہ مہدی ہیں۔ (اعمش عن مجاہد)

(۲۰) معاویہ سے زیادہ اچھا سردار میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ راوی کہتا ہے عمر بھی نہیں؟ کہا عمر ان سے بہتر تھے اور معاویہ ان سے زیادہ سرداری کی صلاحیت رکھتے تھے۔ (عبداللہ بن عمرو)

(۲۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو معاویہ سے بڑھ کر سردار نہیں دیکھا پوچھا گیا ابوبکر بھی نہیں؟ کہا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ان سے بہتر تھے مگر وہ سرداری کے لحاظ سے ان سے بڑھ کر تھے۔ (عوام بن حوشب)

(۲۲) معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر میں نے حکومت کے لیے کسی کو خلیق نہیں پایا جو لوگ اسکے پاس آئے تو گویا کشادہ وادی کے کنارے کھڑے ہوئے۔ (عبداللہ بن عباس)

(۲۳) نمیل علی جوانبه کانا نمیل اذا نمیل علی ابینا

''ہم اس کے پہلوؤں پر مائل ہوتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنے باپ کے پاس ہیں۔''

نقلبه لنخبر حالتیه فنخبر منهما کرما ولینا

''ہم اسے اس لیے الٹ پلٹ کرتے ہیں تا کہ اس کی دونوں حالتیں معلوم کریں تو

ہمیں ان دونوں کے بارے میں کرم اور نرمی ہی معلوم ہوتی ہے۔" (ابوالجہم)

(۲۴) ابن ہند کی خوبیاں اللہ کے لیے ہیں اگر ہم اسے خوفزدہ کرتے حالانکہ شیر پنجہ زنی میں اس سے جری نہیں ہے تو وہ خود کو خوفزدہ ظاہر کرتا ہے اور اگر ہم اسے دھوکے میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ کوئی بڑے کام کا ذمہ دار اس سے بڑھ کر مدبر نہیں تو خود کو فریب خوردہ ظاہر کرتا ہے۔ بخدا! مجھے پسند ہے کہ جب تک اس پہاڑ میں پتھر ہیں اس سے نفع اندوز ہوتے رہیں۔ (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما)

(۲۵) معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس سے حسن رضی اللہ عنہ کی تعزیت کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی برائی اور غم میں مبتلا نہ کرے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ مجھے رنجیدہ نہ کرے اور میرے لیے اللہ نے جس کو امیر المومنین باقی رکھا ہے اسے برا نہ بنائے۔

(۲۶) جس شخص کا انتقال اس حال پر ہوا کہ وہ ابوبکر، عمر، اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا تھا اور عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے کی گواہی دیتا تھا اور معاویہ کے لیے دعائے رحمت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس سے حساب کتاب نہیں لے گا۔ (سعید بن مسیّب)

(۲۷) معاویہ کی ناک کی مٹی عمر بن عبدالعزیز سے بہتر ہے۔ (عبداللہ بن مبارک)

(۲۸) معافی بن عمران سے پوچھا گیا: معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز میں کون بہتر ہے؟ وہ غصہ ہو گئے اور سائل سے کہا کیا تم ایک صحابی کو ایک تابعی کے برابر کرنا چاہتے ہو؟ معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، قرابت مند، کاتب اور وحی الٰہی کے متعلق آپ کے معتمد ہیں۔

(۲۹) معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا پردہ ہیں جب آدمی پردہ کھول دے گا تو اس سے آگے کی بھی جرأت کر سکتا ہے۔ (ربیع بن نافع)

(۳۰) میں نے عمر بن عبدالعزیز کو کبھی کسی آدمی کو مارتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ ایک آدمی نے معاویہ کو گالی دی تو اسے کئی کوڑے لگائے۔ (ابراہیم بن میسرہ)

(۳۱) مدبر چار اشخاص ہیں۔ معاویہ، عمرو، مغیرہ اور زیاد۔ (شعبی)

(۳۲) دور فتنہ کے مدبرین پانچ ہیں۔ معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ (فتنے سے الگ تھے) قیس بن سعد بن عبادہ اور عبداللہ بن بدیل بن ورقاء۔ (زہری)

(۳۳) میں نے معاویہ کو کبھی ٹیک لگائے ہوئے نہیں دیکھا کہ ایک پیر دوسرے پر رکھے ہوں اور آدھی آنکھ سے دیکھتے ہوئے۔ کسی آدمی سے کہیں بولو مگر میں نے ان کے لیے دعائے رحمت کی۔ (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ)

(۳۴) معاویہ لمبے تڑنگے، گورے چٹے اور خوبرو آدمی تھے جب ہنستے تھے تو اوپر کا ہونٹ خم کھا جاتا تھا، آپ خضاب لگاتے تھے۔ (ابوبکر بن ابی الدنیا)

(۳۵) گورے چٹے، لمبے تڑنگے، چنڈے سفید سر اور سفید ریش تھے اور ان دونوں میں مہدی اور وسم کا استعمال کرتے تھے، اخیر عمر میں لوق کی بیماری لاحق ہوگئی تھی اس لیے چہرہ چھپائے رہتے تھے اور کہا کرتے تھے اللہ اس شخص پر رحم کرے جو میرے لیے عافیت کی دعا کرے یہ چیز جسم کے سب سے بہترین حصے یعنی چہرے کو لاحق ہوگئی اگر یزید کے متعلق میری کچھ خواہشات نہ ہوتیں تو میں اپنی استقامت کو دکھاتا، وہ بڑے بردبار، باوقار رئیس اور سید انصاف پرور اور بہادر تھے۔

(۳۶) تم میرے بعد تفرقے سے بچنا، اگر تم ایسا کرو گے تو معاویہ شام میں ہے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس سختگیری سے تمہیں اس سے نکالے گا۔ (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)

(۳۷) میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے جب وہ کوفہ سے مدینہ آئے تو کہا: اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے۔ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا مت کہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کچھ دن گزرنے کے بعد امور و معاملات کے مالک معاویہ ہوں گے۔ (سفیان بن لیل)

معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقوال

(۱) عائشہ بنت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

میری بھتیجی لوگوں نے ہمیں سلطنت عطا کی ہم نے ان کے لیے بردباری کا اظہار کیا جس کے نیچے غصہ چھپا ہوا ہے اور لوگوں نے ہمارے لیے اطاعت کا اظہار کیا جس کے نیچے کینہ چھپا ہوا ہے ہم نے اس چیز کے بدلے یہ چیز ان سے بیچ دی ہے اور انہوں نے ہم سے وہ چیز اس کے بدلے خریدی ہے لہٰذا جو چیز انہوں نے ہم سے خریدی ہے اس کے علاوہ دوسری چیز ہم انہیں دیں تو وہ ہمارے حق کا لالچ کریں گے تو ہم ان کے حق کا انکار کر جائیں گے۔ ہر انسان کے ساتھ اس کی جماعت ہے جو اپنی جماعت کے مقام کو جانتا ہے اگر ہم ان سے پھر جائیں تو وہ ہم سے پھر جائیں گے پھر ہم نہیں جانتے کہ آفتیں ہمارے خلاف ہوں گی۔ تم امیر المومنین عثمان کی صاحب زادی بن کر رہو۔ مجھے یہ اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ مسلمانوں کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی بن جاؤ۔ تمہارے باپ کے بعد میں تمہارے لیے ان کا بہترین جانشین ہوں۔

(۲) جمعہ کے روز دمشق کے منبر پر ایک خطبے میں کہا:

لوگو! میری بات سمجھو، دنیا اور آخرت کے امور کا مجھ سے زیادہ بہتر جاننے والا نہ پاؤ گے نماز میں اپنے چہرے اور صفیں درست کرلو ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو پھیر دے گا۔

اپنے احمق لوگوں کے ہاتھ روک لو ورنہ اللہ تمہارے) دشمن کو تم پر مسلط کر دے گا جو تم بدترین عذاب چکھائے گا۔

صدقہ وزکوۃ دو، کوئی یہ نہ کہے میں غریب آدمی ہوں۔ غریب کا صدقہ غنی کے صدقے سے بہتر ہوتا ہے۔ پاکباز مومنہ عورتوں کو تہمت لگانے سے بچو یہ مت کہو کہ میں نے ایسا سنا ہے یا مجھے یہ اطلاع ملی ہے، اگر تم میں سے کسی شخص نے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں بھی کسی عورت پر تہمت لگائی ہوگی تو اس کے بارے میں قیامت کو سوال کیا

جائے گا۔

(۳) میں پہلا اور آخری خلیفہ ہوں۔

(۴) میں خود کو اتنا بلند کرتا ہوں کہ میرے عفو سے کوئی گناہ بڑا نہ ہو سکے، کوئی جہالت میرے حلم پر سبقت نہ لے جائے، کوئی چھپانے کی بات میری پردہ پوشی سے نہ بڑھے اور بدشعاری میرے حسن سلوک سے بالاتر نہ ہو۔

(۵) ابوالجہم خود کو فرمانروائی سے بچاؤ، اس لیے کہ اس میں بچوں کی طرح غصہ ہوتا ہے اور شیر جیسی پکڑ ہوتی ہے اور اس کا قلیل لوگوں کے کثیر پر غالب آ جاتا ہے۔
پھر معاویہ نے ابوالجہم کو مال دینے کا حکم دیا۔

(۶) اے بنی امیہ! قریش سے تحمل کے ساتھ الگ ہو جایا کرو۔ بخدا! جاہلیت میں میں ایسے آدمی سے ملتا تھا جو مجھے گالیوں سے نوازتا تو میں اسے تحمل سے نوازتا جب میں دوبارہ جاتا تو وہ میرا دوست ہوتا تھا۔ اگر میں اس سے مدد طلب کروں تو مدد کرتا اور اگر میں اس کے اوپر حملہ کر دیتا تو وہ مجھ پر بھی حملہ کرتا۔ تحمل کسی شریف کی شرافت میں کمی نہیں کرتا بلکہ اس کی شرافت میں اور اضافہ کرتا ہے۔

(۷) تحمل کی آفت ذلت ہے۔

(۸) آدمی صاحب الرائے نہیں ہو سکتا جب تک اس کا تحمل اس کی جہالت پر غالب نہ آ جائے۔ اس کا صبر اس کی شہوت کو دبا نہ دے اور یہ بات تحمل کی قوت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

(۹) معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، لوگوں میں سب سے بڑا سردار کون ہے؟ کہا: سوال کے وقت سب سے زیادہ سخاوت برتنے والا، مجلسوں میں باعتبار اخلاق کے سب سے اچھا اور جہالت کے وقت سب سے زیادہ بردبار شخص۔

(۱۰) معاویہ ان اشعار کو پڑھتے تھے:

فما قتل السفاهة مثل حلم   یعود به علی الجهل اللئیم

''اس بیوقوفی کو دور کرنے والی بردباری سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جسے ایک لچا آدمی جہالت کے جواب میں اختیار کرتا ہے۔''

فلا تسفه و ان ملیت غیظا علی احد فان الفحش لوم

''حماقت پر نہ اترو خواہ تم غصے سے بھر جاؤ اس لیے کہ فحش بات عیب کی بات ہے۔''

و لا تقطع أخاک عند ذنب فان الذنب یغفره الکریم

''خطا کے وقت اپنے بھائی سے قطع تعلق نہ کرو کیونکہ خطائیں شریف لوگ معاف کرتے ہیں۔''

(۱۱) معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے نائب زیاد کے پاس لکھا:

یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم رعایا کے ساتھ یکساں معاملہ کریں یعنی صرف نرمی کا کہ وہ اکڑنے لگیں اور نہ صرف سختی کا کہ وہ ہلاک ہو جائیں بلکہ تم سختی اختیار کرو اور میں نرمی، الفت اور رحم تاکہ جب کوئی ڈر جائے تو اس کے لیے دوسرا دروازہ کھلا رہے۔

(۱۲) عبداللہ بن جعفر نے ایک پارسی دہقان سے کہا:

اللہ کو سجدہ کرو، اپنا مال اپنے گھر لے جاؤ، ہم اہل بیت ہیں، بھلائیوں کو قیمت سے نہیں بیچتے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اگر یہ بات یزید نے کہی ہوتی تو میرے نزدیک عراق کے خراج سے بہتر ہوتی۔ بنی ہاشم نے شرافت کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔

(۱۳) معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا آپ لوگوں اور بنی ہاشم میں شریف کون تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم میں اشراف زیادہ تھے اور وہ شریف زیادہ تھے۔

ان میں ایک ہاشم جیسا پورے عبد مناف میں کوئی نہیں۔

جب وہ مر گئے تو تعداد اور شرفا کے اعتبار سے ہم زیادہ ہو گئے۔

ان میں عبدالمطلب تھے جن کے مثل ہم میں کوئی نہ تھا۔ جب وہ مر گئے تو ہم عدد اور اشراف کے اعتبار سے زیادہ ہو گئے اور ان میں ایک شخص ہم میں سے کسی ایک کی طرح نہ تھا وہ تو آنکھوں کا سکون و ٹھنڈک تھا یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ہم میں نبی ہے۔

درحقیقت وہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیں کہ پہلے اور بعد کے لوگوں نے اس کی مثال نہیں دیکھی۔

یہ فضیلت اور یہ شرف کیسے حاصل ہوا؟

(۱۴) مروت چار باتوں میں ہے!

اسلام میں عفت مآبی، مال کی صفائی، بھائیوں کی حفاظت اور پڑوسی کی نگرانی۔

(۱۵) معاویہ سے کہا گیا کہ بڑھاپا آپ کو بہت جلد آ گیا۔ کہا:

کیوں نہ ہو، ہمیشہ کوئی نہ کوئی عرب آدمی میرے سر پر کھڑا رہتا ہے، ایسی بات کرتا ہے جس کا جواب دینا لازم ہوتا ہے اگر میں درستی کو پہنچ جاؤں تو کوئی تعریف نہیں اور اگر خطا کر جاؤں تو اس کو قاصد ہر جگہ پہنچا دیں گے......

(۱۶) بندے کو جو نعمتیں عطا ہوئیں ان میں عقل اور تحمل سب سے بڑھ کر ہیں جب نصیحت کی جائے تو ذکر کرے، بخشا جائے تو شکر ادا کرے۔ مصیبت میں گرفتار ہو تو صبر کرے، غصہ ہو تو پی جائے، وعدے کرے تو پورا کرے، جب قابو پائے تو بخش دے اور برائی کرے تو استغفار کرے۔

(۱۷) میرے نزدیک غصہ پی جانے سے زیادہ لذیذ چیز اور کوئی نہیں ہے۔

(۱۸) شریف کی زینت عفت مآبی ہے۔

(۱۹) معاویہ نے عبدالرحمٰن بن حکم بن عاص سے کہا:

بھتیجے! تمہیں شعر کی عادت ہے عورتوں کی تشبیب اور غزل سے بچو جس سے کسی شریفہ کی عزت افزائی کرو یا ہجو اختیار کر کے کسی شریف کو ذلیل کرو اور کسی نیچے کو

ابھارو اور مدح سرائی بے حیائی کی خوراک ہے لیکن اپنی قوم کے مفاخر کا ذکر کرو۔
امثال کہا کرو جس سے تم کو بلندی حاصل ہو اور غیر کو ادب آموز بنا سکو۔

(۲۰) ایک آدمی معاویہ سے بڑی سختی سے پیش آیا، ان سے کہا گیا کیا اس پر بھی تحمل اختیار کریں گے؟

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک وہ ہمارے اور ملک کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔

(۲۱) ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ رحم فرمائے! نہ انہوں نے دنیا کو چاہا اور نہ دنیا نے انہیں چاہا عمر رضی اللہ عنہ کو دنیا نے چاہا لیکن انہوں نے دنیا کو نہیں چاہا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو دنیا ملی اور دنیا نے ان سے بھی کچھ حاصل کیا لیکن ہم تو اس میں لت پت ہو گئے پھر کچھ خجالت کے ساتھ کہا: بخدا! یہ ملک اللہ نے ہمیں عطا کیا ہے۔

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم

حضرت معاویہ ؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، انہیں وحیٔ الٰہی کی کتابت کا شرف بھی حاصل ہے گویا بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں وہ خصوصی مقام و مرتبہ کے حامل تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے برادر نسبتی یعنی اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ کے حقیقی بھائی تھے اور یوں وہ خال المومنین (مومنوں کے ماموں) بھی کہلائے۔

رسول اللہ ﷺ کی دنیا سے رحلت کے بعد بھی، خلافت راشدہ میں وہ خلفائے راشدین کے معتمد علیہ اور مشیر خاص رہے، حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت سے حضرت عثمان ؓ کی شہادت تک، دونوں خلفائے راشدین کے وہ قابل اعتماد گورنر اور اسلام کے سپہ سالار رہے۔ اس ۲۰ سالہ دور گورنری میں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی عظیم خدمت سرانجام دی۔

حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد، قصاصِ عثمان اور قاتلینِ عثمان کو کیفر کردار تک پہنچانے کے مسئلے میں ان کے اور حضرت علی ؓ کے مابین جو اختلاف ہوا جو خانہ جنگی تک ممتد ہوا، وہ تاریخ اسلام کا ایک خوں چکاں اور نہایت المناک باب ہے۔ تاہم حضرت علی ؓ کی شہادت پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور حضرت حسن ؓ کی صلح جو طبیعت اور حضرت معاویہ ؓ کے حسنِ تدبر سے یہ اختلاف، اتحاد میں اور عناد، اخوت میں تبدیل ہو گیا۔ اور حضرت معاویہ گورنر سے امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین بن گئے، اس کے بعد اسلام کی گاڑی پھر اسی طرح رواں دواں ہو گئی، جیسے خلفائے ثلاثہ کے دور میں تھی، جہاد کا علم پھر بلند ہو گیا جو حضرت عثمان کی شہادت کے ساتھ ہی سرنگوں ہو گیا تھا اور اسلام کی عظمت کا پھریرا پھر چار دانگ عالم میں لہرانے لگا۔

ظاہر بات ہے، انتشار کے بعد یہ یک جہتی، زوال کے بعد یہ عروج و ترقی اور تاریکی کے بعد یہ روشنی، حضرت معاویہ ؓ کی کرشماتی شخصیت، ان کے مجاہدانہ کردار اور ان کے حلم و تدبر و بالغ نظری کا نتیجہ تھا۔

لیکن تاریخ کی رطب و یابس روایات کے انبار میں اسلام کے اس بطل جلیل کی عظمت دب کر رہ گئی ہے اور کذاب راویوں کے اڑائے ہوئے گرد و غبار نے ان کا روئے آبدار مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور یوں اسلام کے اس عظیم ہیرو، بے مثال مدبر اور نہایت کامیاب حکمران کو ایک ولن کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں اسلام کے اسی عظیم مجاہد کی زندگی اور خدمات کے روشن پہلوؤں اور قابل فخر کارناموں کو مستند روایات کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے اور غلط پروپیگنڈے کی دبیز تہوں کو صاف کر کے ان کی سیاست اور کردار کے اصل رخ کو آشکارا کیا گیا ہے، جس پر فاضل مؤلف، مترجم اور ناشر سب قدر افزائی اور تحسین کے مستحق ہیں۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ